فقیہ عصر میر کارواں

تذکرۂ فقیہ ملت استاذ الاساتذہ

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

سابق مفتی دار العلوم دیوبند

مرتب

مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی (مہتمم جامعہ)

شائع کردہ

مفتی ظفیر الدین اکیڈمی و ادارہ دعوت حق جامعہ ربانی

رسالہ دعوت حق کی خصوصی پیشکش

فقیہ عصر میر کارواں

تذکرۂ فقیہ ملت استاذ الاساتذہ

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ؒ

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

مرتب : مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی (مہتمم جامعہ

شائع کردہ

مفتی ظفیر الدین اکیڈمی وادارہ دعوت حق جامعہ ربانی منورواشریف

JAMIA RABBANI JAMIA NAGAR MANORWA SHARIF ,P.O.SOHMA,VIA; BITHAN ,DIST;SAMASTIPUR BIHAR INDIA .848207.MOB.09934082422-9473136822.email: jamia.rabbani@gmail.com www.jamiarabbani.org

اس شمارہ کے قلمکار

کچھ کہنے سے پہلے، کچھ سننے سے پہلے

اختر امام عادل قاسمی

آج یہ رسالہ پیش کرتے ہوئے بڑی مسرت کا احساس ہو رہا ہے، یہ دراصل اس عظیم شخصیت کے لئے نذرانۂ عقیدت ہے جس نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک علم و قلم کی دنیا پر بے تاج حکمرانی کی، اور فکر و فن کے شہسواروں کی ایک پوری فوج تیار کی، جس کے اشہب قلم سے مختلف موضوعات پر ایک لائبریری تعمیر ہوئی، جس نے ساری زندگی خدا اور بندگان خدا کے لئے بے تکان محنت کی اور کبھی کسی صلہ کی طلبگار نہ ہوئی،۔۔۔حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کے سانحۂ ارتحال سے علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا پر ہونا آسان نہیں ہے، اور نہ ایسی شخصیتیں نگار خانۂ ہستی میں بار بار جنم لیتی ہیں، آپ کے انتقال سے جو کمی پیدا ہوئی اسے ایک دنیا نے محسوس کیا، دنیا ایک بڑے خادم علم سے محروم ہو گئی، مسلسل پانچ دہائیوں تک جس کی زبان و قلم سے علم و فن کی فضاؤں میں ارتعاش پیدا ہو جاتا تھا، جو بزرگوں کی وراثت کا امین اور تاریخ کی صالح قدروں کا علمبردار تھا، اور جس کے لمحوں میں صدیوں کی وسعتیں

سمٹ آئی تھیں،اس کا ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے،اللہ پاک نعم البدل عطا فرمائیں اوران کے ساتھ خصوصی کرم کا معاملہ فرمائیں، آمین ۔۔۔

؎ آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مفتی صاحب کا وصال ہوا تو میں بیرون ملک ایک سفر پر تھا، مفتی صاحب مہینوں سے صاحب فراش تھے ،اس لئے ہر لمحہ دم واپسی کا اندیشہ متوقع تھا ۔۔،جب وفات کی خبر ملی تو دل ودماغ پر سناٹا چھا گیا،سفر سے ہی ایک سیمینار کی ترتیب بنائی اور واپسی پر جامعہ ربانی میں بعجلت اس کا انعقاد عمل میں آیا،جس میں ملک کے ممتاز اصحاب علم و قلم اور مفتی صاحب کے مخصوص اہل تعلق اور تلامذہ کو دعوت دی گئی،وقت کم تھا،اس کے باوجود کئی ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی،اور شہری سہولیات کے فقدان اور ایک کوردہ دیہات ہونے کے باوجود سیمینار توقع سے زیادہ کامیاب رہا،کئی اصحاب علم نے اس کو تاریخی سیمینار قرار دیا،بعض اہل قلم عوارض کے سبب شریک نہ ہو سکے،لیکن ان کی تحریریں شامل ہوئیں،بعض اکابر نے اپنے پیغامات ارسال فرمائے،کئی شخصیتوں نے زبانی اظہار خیال پر اکتفا فرمایا،بہر حال مفتی صاحب کی شخصیت پر ان کی وفات کے بعد یہ پہلا سیمینار تھا،تعزیتی نششتیں تو دہلی اور متعدد جگہوں پر بھی ہوئیں،لیکن باقاعدہ سیمینار پہلی بار کرنے کی سعادت جامعہ ربانی کو حاصل ہوئی،جو ان کی دینی آرزوؤں کا مینارۂ نوراورامیدوں کا آخری چراغ ہے،مجھے امید تھی کہ ملک میں ان کے قدردانوں کی کمی

نہیں ہے، کئی اہم اداروں اور شخصیات کو ان کے ساتھ اختصاص حاصل ہے، اس لئے ان کی حیات و خدمات پر بڑی سطح پر کچھ سیمینار یا پروگرام وغیرہ ہونگے، لیکن ان کی وفات پر دو سال سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا، ایسی کوئی چیز کہیں نظر نہیں آئی، اس طرح جامعہ ربانی کا یہ سیمینار اب تک کا پہلا اور آخری سیمینار رہے،

اللہ پاک جزائے خیر سے نوازے جناب مولانا ڈاکٹر سعود عالم قاسمی صاحب سابق ڈین شعبۂ دینیات مسلم یونیورسیٹی علی گڑھ کو کہ انہوں نے مفتی صاحب کی شخصیت پر اہل قلم کے مضامین کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا اور وہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی دلچسپیوں سے اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی سے شائع ہوا، لیکن مفتی صاحب کا قرض ابھی باقی ہے، ابھی بہت کچھ کام کرنے کی ضرورت ہے، جامعہ ربانی کے اسی سیمینار میں مفتی صاحب کی یادگار کے طور پر مفتی ظفیر الدین اکیڈمی کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا، الحمدللہ یہ ادارہ سرگرم عمل ہے، کئی تحقیقی کام اس کے ذریعہ ہو رہے ہیں ، ابھی اسلامی قانون کے موضوع پر انگریزی زبان میں دو جلدوں میں ایک مبسوط کتاب منظر عام پر آئی ہے، اسی طرح یہ رسالہ بھی اسی کا ایک حصہ ہے، اللہ نے چاہا تو مفتی صاحب کی شخصیت اور علوم پر مزید چیزیں بھی سامنے آئیں گی، اہل علم اور اصحاب تعلق سے درخواست ہے، کہ اس حقیر کی حوصلہ افزائی فرمائیں، اپنی علمی اور نادر تحریرات اور قیمتی مشوروں سے ہمارا تعاون فرمائیں، فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(اختر امام عادل قاسمی)

سیکولر حکومت کا مطلب دینی اداروں کا کردار

(مفتی صاحبؒ کے قلم سے رسالہ دارالعلوم دیوبند (اگست ۱۹۶۸ء) کا تحریر کردہ اداریہ، ایک یادگار اور زندہ تحریر)

"اکثر اہل قلم نے اپنے مضامین میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے، کہ مفتی صاحبؒ نے ایک طویل عرصہ تک ماہنامہ دارالعلوم کا اداریہ تحریر کیا جبکہ وہ رسالہ کے مدیر نہیں تھے، بلکہ رسالہ کے ایڈیٹر جناب مولانا ازہر شاہ قیصرؒ تھے، بطور نمونہ اگست ۱۹۶۸ء کا یہ اداریہ پیش کیا جارہا ہے، اللہ پاک نے چاہا تو مفتی صاحب کے تمام اداریوں کو ایک کتابی صورت میں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی، کیونکہ کسی رسالہ کا اداریہ اس دور کے حالات کا عکاس ہوتا ہے، اور مفتی صاحب کی تحریروں میں اس کی پوری نمائندگی ہوتی تھی، اس طرح تاریخ کے ایک خاصے حصے پر روشنی پڑ سکے گی۔ اختر امام عادل)

سیکولر حکومت کا مطلب اب تک یہ سمجھا جارہا تھا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہ ہوگا، تمام ملک کے باشندوں کو آزادی ہوگی کہ جس مذہب کو چاہیں اختیار کریں، چنانچہ ملک کے دستور میں اس کی صراحت بھی ہے کہ کوئی کسی کے مذہب یا مذہبی جذبات کو ٹھیس نہیں پہونچا سکتا، مگر اس ماہ" ہماڈا ئجسٹ" میں نائب وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کا جو انٹرویو آیا ہے اس میں یہ دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا، کہ نائب وزیر اعظم نے ہندو مسلم دونوں کے مذہبی جذبات کو یہ کہکر مجروح کرنے کی جرأت کی ہے، کہ نام وام کا قصہ ختم ہونا چاہیئے، یعنی نام ہندو مسلم کے ایسے ہوں جس سے معلوم نہ ہوسکے کہ یہ ہندو ہے یا

مسلمان ،اسی طرح شادی کے سلسلہ میں انہوں نے کہاہے کہ ہندو مسلم باہم شادی ہونی چاہیئے ،اپنا یہ خیال ہے کہ نائب وزیر اعظم نے یہ کہکر دونوں مذہبوں کے ساتھ اچھا معاملہ نہیں کیا اور دونوں کے مذہب میں قصداً مداخلت کا گناہ مول لیا ہے، جس کا انہیں کوئی حق نہیں پہونچتا تھا،

مسلمان شریعت میں صراحت موجود ہے کہ کافر و مشرک مرد یا عورت سے شادی جائز نہیں ہے، قرآن حدیث اور فقہ ہر جگہ یہ صراحت موجود ہے ،اور اپنا خیال یہ ہے کہ یہی ہندؤں کے مذہب میں بھی ہو گا، کہ مسلمان مرد یا مسلمان عورت سے کسی ہندو کا شادی کرنا درست نہیں،

نائب وزیر اعظم نے یہ کہکر کروڑوں مذہبی باشندوں کو دلی تکلیف پہونچائی ہے ،کیا مرارجی ڈیسائی اس کے لئے تیار ہیں کہ اپنے پوتے پوتیوں کا نام مسلمان یا عیسائی قسم کا رکھیں یا خود اپنا نام بدل ڈالیں ؟ کیونکہ قاعدہ ہے جو جس اصول کا قائل ہوتا ہے پہلے خود اس کو اس پر عمل کرنا پڑتا ہے، سب سے پہلے ان کو چاہیئے کہ اپنا نام بدلیں ،اپنے رشتہ داروں کی شادی مسلمانوں میں کریں، مرارجی مرد آہن کہے جاتے ہیں، ذرا یہ عمل کر کے دکھائیں تو ہم بھی جانیں۔

پورے ملک کو سوچنا چاہیئے کہ ارباب حکومت اس ہندوستان کا کیا بنانا چاہتے ہیں ؟، کیا مذہبی طبقہ خواہ ہندو ہو خواہ مسلمان ،اس کے لئے آمادہ ہے کہ وہ مذہب سے دست کش ہو جائے اور جیتے جی مذہب کا اس طرح حلیہ بگڑتے ہوئے دیکھے اور کچھ نہ

بولے ،ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ ایک مسلمان کبھی مذہباً یہ برداشت نہیں کرسکتا، کہ وہ ہندو عورت یا ہندو مرد سے شادی بیاہ کرے، یا نام عبدالرحمن کے بجائے رام چندر اور کشن کانت رکھے،

یہی حال کم وبیش ہندو طبقہ کا ہے، کیا اس ملک میں کبھی ہندو مسلم بھائی بھائی بن کر نہیں رہ چکے ہیں، کیا مذہب پر قائم رہتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ہے، اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ ارباب حکومت ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کرتے ہیں ؟نام بدلنے اور شادی کرنے سے کہیں میل ملاپ ہوتا ہے، اگر ایسا ہوتا تو آج اس ملک میں شودر اور برہمن کا جھگڑا نہ ہوتا، خود برہمن اور شودر میں شادی ہوتی اور ان میں میل ملاپ ہوتا۔

مرارجی جیسے دانشور اور اہل علم سے ایسی کچی باتوں کی مجھے کبھی توقع نہیں تھی ،کوئی اور کہتا تو حیرت نہیں ہوتی، مگر اتنا مضبوط آدمی اتنی لچر اور کمزور بات کہے حیرت ہے ،کیا نائب وزیر اعظم اپنی ان باتوں پر دوبارہ غور فرمائیں گے۔

دارالعلوم دیوبند اور دینی اداروں کا کردار

دارالعلوم دیوبند ایک دینی تعلیمی ادارہ ہے، جو ایک سو پانچ چھ سال سے اسلام ،اسلامی تعلیمات اور اسلامی عقائد واخلاق کی تعلیم دے رہا ہے،اس نے خطرات سے بے نیاز ہو کر عوام وخواص سے ہمیشہ ایسی باتیں کہی ہیں جو عام طور پر ہر انسان میں اس کی

انسانیت و شرافت کو جھنجھوڑتی ہیں اور اسے سرکشی اور جور وتعدی سے روکتی ہیں ،دارالعلوم دیوبند کے علماء اور اسلاف واکابر نے صرف مسلمانوں ہی کی رہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دیا،بلکہ انہوں نے اس ملک کے تمام باشندوں کو اخلاق واعمال کی پاکیزگی کا درس دیا، آپ یقین کریں کہ دارالعلوم اور اس کی علمی، تعلیمی اور اخلاقی شاخیں جو ملک میں پھیلی ہوئی ہیں ،نہ ہوتیں ،تو یہاں کے باشندے اس طرح آزادی کی دولت سے سرفراز نہیں ہوتے ،اسی طرح یہاں کے بسنے والے حیاء وشرم،عدل ومساوات،عفت وعصمت اور امن وسکون کی زندگی کے لئے ترستے ہوتے۔۔۔اس دینی ادارے نے مختلف پہلو سے ملک وملت کی خدمت انجام دی ہے، آج کی متعصب دنیا اس کا صحیح اندازہ نہیں لگاسکتی، کہ اگر دارالعلوم کا فیض بے کراں نہ ہوتا تو اس کا حشر کیا ہوتا، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ سے لے کر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم تک اور حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ سے حضرت العلامہ مولانا بلیاوی بلکہ حضرت مولانا فخر الدین احمد مدظلہ تک درس وتدریس،وعظ وتقریر، تصنیف وتالیف ،مناظرہ ومباحثہ اور ارشاد وبیعت کے ذریعہ جو اثرات اس ملک میں پیدا کئے ہیں،وہ رہتی دنیا تک دل ودماغ کو روشنی عطا کرتے رہیں گے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، محدث العصر حضرت کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ، مفکر اسلام مولانا عبیداللہ سندھی ،حامی ملت مولانا منصور انصاریؒ ،عارف باللہ مفتی عزیزالرحمن عثمانی

،ادیب وقت حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ،شارح حدیث حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الفقہ والادب مولانا اعزاز علیؒ، محدث وقت حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن اور دوسرے اسلاف واکابر کی حیات کا مطالعہ کریں ،ان کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات کا جائزہ لیں پھر اندازہ ہو گا ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا پر دارالعلوم کا کتنا بڑا احسان ہے۔

مفتی صاحب کی حیات میں لکھا گیا ایک مضمون

ایک یادگار دستاویزی مضمون

اختر امام عادل قاسمی

بانی و مہتمم جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور، بہار
سابق استاذ حدیث وصدر کلیۃ الشریعۃ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

(یہ ایک یادگار مضمون ہے،جو حضرت مفتی صاحبؒ کی حیات مبارکہ میں لکھا گیا،ایک یادگار اور تاریخی مجلس میں خود مفتی صاحب کے سامنے پڑھا گیا،مفتی صاحب نے اس کو اپنی پسندیدگی کی سند عطا فرمائی اور اس پر اپنے دستخط ثبت فرمائے،اس کا پس منظر یہ ہے کہ جون ۲۰۰۲ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا انتخابی اجلاس دارالعلوم حیدرآباد میں منعقد ہوا ،اسی موقعہ پر اجلاس کے اختتام پردارالعلوم سبیل السلام میں مفتی صاحب کے تلمیذ ارشد،حیدرآباد کی علمی ودینی نشأۃ ثانیہ کے معمار اور دارالعلوم سبیل السلام کے بانی وناظم ذی وقار حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ نے مفتی صاحب کے لئے ''جلسۂ اعتراف خدمات'' طے کیا،اس میں اکابر کے زبانی اظہار خیال کے علاوہ دو حضرات کے لئے تحریری مقالہ کی تجویز پاس ہوئی،ان میں مفتی صاحب کے عزیزو قریب اور معتمد خاص جناب ڈاکٹر سعودعالم قاسمی صاحب مدظلہٗ سابق ڈین شعبۂ دینیات مسلم یونیور سیٹی علی گڑھ کے علاوہ دوسرا نام حقیر راقم الحروف کاتھا،اسی تجویز کے تحت یہ مقالہ لکھا گیا تھا،اور جلسہ میں پڑھا

گیا،ایوارڈ مفتی صاحب کے ایک اور نامور تلمیذ،معروف علمی وروحانی گھرانے کے چشم وچراغ حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم کے ہاتھوں پیش کیا گیا......وہ ایک یادگار اور تاریخی مجلس تھی،کیونکہ اس مجلس کے علاوہ کبھی کوئی مجلس مفتی صاحب کی حیات میں آپ کے اعتراف خدمات کے لئے منعقد نہیں ہوئی، ......مفتی صاحب کی خواہش تھی کہ یہ مضمون ان کی زندگی میں کتابچہ کی صورت میں شائع ہوجائے،میرا بھی ارادہ تھا لیکن آج کل پر ٹلتا رہا،کسے خبر تھی کہ زندگی کا تھکاماندہ مسافر اتنی جلدہم سے رخصت ہوجائے گا،ان کے انتقال پرملال کے بعد میرا حوصلہ بھی جواب دے گیا،زندگی کی ساری رونقیں ماند پڑگئیں ،سارا نظام حیات تعطل کا شکار ہوگیا،وہ کیا گئے کہ زندگی ساری اداس ہے،......آج ایک عرصہ کے بعد وہ قرض ادا ہورہا ہے،یہ مفتی صاحب کی شخصیت پر ان کی زندگی میں لکھا گیا غالباً واحد مضمون ہے جس کو خود مفتی صاحب نے ملاحظہ فرماکر دستخط فرمائے،اس طرح اس کی ایک دستاویزی اہمیت ہے،اسی لئے اس کو جوں کا توں شائع کیا جارہا ہے تاکہ اس کی یادگاری حیثیت برقرار رہے ......ڈاکٹر سعود عالم صاحب کا مضمون شاید محفوظ نہ رہ سکا،جیساکہ ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا - اخترامام عادل قاسمی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی"
مفتی دارالعلوم دیوبند

"کمالات وامتیازات"

از

اختر امام عادل

سابق استاذ حدیث وصدر کلیۃ الشریعۃ
دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد
مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور، بہار

ا
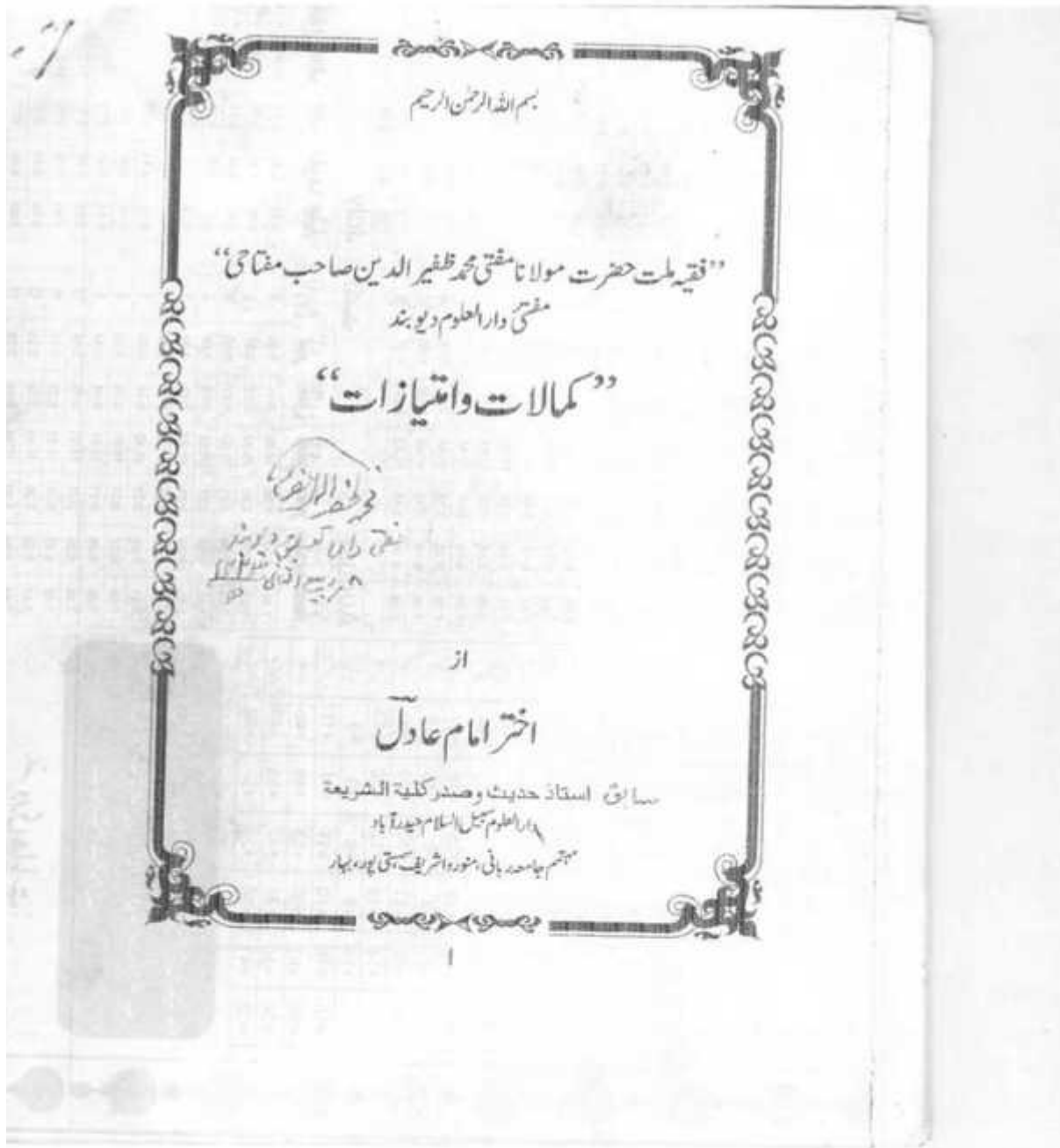
فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی-کمالات و امتیازات

(تعمیر شخصیت کے شاندار نمونے)

ہر دور میں بعض ایسی شخصیتیں ہوئی ہیں جن کے ظاہری سراپا کو دیکھ کران کے علمی قدرو قیمت کا اندازہ نہیں لگا یا جا سکتا،ان کا علم ان کی تحریروں سے مترشح ہوتا ہے،ان کے علمی کارنامے ان کی عظمت اور جلالت شان کی دلیل ہوتے ہیں،جن کی ظاہری زندگی بہت خاموش مگر باطنی طور پر وہ سارے زمانے سے ہم کلام،جو اسباب کی دنیا میں مسکین اور بے وسیلہ،مگر علم وفن کے حقیقی ہتھیا روں سے لیس،جوبظاہری ساری دنیا سے کنارہ کش اور لاتعلق،مگر وقت آنے پر متحرک زندگی کیلئے وہی سب سے پیش پیش،جن کا اندازاپنے شاگردوں اور اہل تعلق کے ساتھ دوستانہ اور متواضعانہ،مگر اہل معرفت کیلئے وہ عظمت واحترام کے پہاڑ،جن کی زبان وقلم بالکل سادہ وعام فہم،مگر درحقیقت وہ سہل ممتنع اور معانی سے لبریز،مصنوعی تکلفات سے بالاتر،جو ہر تکلف سے تکلیف محسوس کریں،جن کیلئے ہر دل میں جگہ،جن کی خاطرہر دیدۂ ترمحو

استقبال،جو ہر شخص کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کریں، جو ہر غم کو اپنا غم اور ہر درد کو اپنا درد سمجھیں،یعنی ہمارے اس تکلفات کی دنیا کیلئے بالکل اچھوتی شخصیت،ایسے لوگ ہر دور میں پیدا ہوئے مگر بہت کم،جوبوریہ نشین تھے مگر لوگوں کے دل ان کی طرف جھکتے تھے،جن کو دیکھ کر فقیری میں شاہی کا تصور ابھر تا تھا،ایسے لوگ تاریخ میں بہت کم ہوئے اور آج بھی بہت کم ہیں۔

میرے استاذ مکرم فقیہ ملت،استاذالاساتذہ،رئیس القلم حضرت مولانا مفتی محمد ظفیرالدین صاحب مفتاحیؒ (دامت برکاتہم)مفتی دارالعلوم دیوبند انہی کمیاب شخصیتوں میں ایک ہیں،

ولادت اور تعلیم وتربیت

حضرت مفتی صاحب کی ولادت ۷/مارچ ۱۹۲۶ء بہار کے مردم خیز ضلع دربھنگہ کے پورہ نوڈیہاگاؤں میں ہوئی،والد ماجد جناب شمس الدین صاحب علاقہ کے معزز شخص تھے،مفتی صاحب کی شخصیت پر ان کی صالح تربیت کے گہرے اثرات مرتب ہوئے،ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی،اس کے بعد مدرسہ محمودیہ راجپورنیپال تشریف لے گئے اور اپنی ابتدائی تعلیم کی تکمیل فرمائی،فارسی اور متوسطات کی تعلیم مدرسہ وارث العلوم چھپرہ میں (از۱۹۳۴ء تا ۱۹۴۰ء)اپنے مربی کبیر اور عم زاد حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ امیر شریعت خامس بہارواڑیسہ کے زیر تربیت رہ کر حاصل کی،اعلیٰ تعلیم کے

لئے جامعہ مفتاح العلوم جامع شاہی مئوناتھ بھنجن تشریف لے گئے اور وہاں شوال المکرم ۱۳۵۹ھ سے شعبان ۱۳۳۶ھ تک محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ، مجاہد جلیل حضرت مولانا عبد اللطیف نعمانیؒ اور دیگر اکابر کی سرپرستی اور نگرانی میں مدارج ترقی طے کئے۔

خوب سے خوب تر کی جستجو

فراغت کے بعد عام طور پر طلبہ تلاش معاش کی سرگرمیوں میں گم ہو جاتے ہیں اور علم سے ان کا تعلق رسمی طور پر باقی رہ جاتا ہے، مفتی صاحب فراغت کے بعد بھی تلاش معاش میں نہیں بلکہ طلب علم کیلئے سرگرداں رہے، مفتی صاحب نے علم کی کسی منزل پر قناعت اختیار نہیں کی، بلکہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہے، ان کی اسی جستجو، اور ذوق وشوق نے ان کو اوج کمال تک پہونچایا، حضرت مفتی صاحب کی اسی جستجو کی کہانی خود ان کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ اپنی کتاب ”علمی مراسلے“ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے تذکرے کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

"سالانہ امتحان دیکر گھر نہیں گیا، مئو میں رک گیا، حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدظلہ کی خدمت میں آتا جاتا رہا، ایک دن دل کی بات زبان پر آئی، میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے آپ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں رکھوادیں، تاکہ لکھنے کے ذوق کی تکمیل ہوجائے۔ مولانا نے فرمایا

سعی کرونگا،اعظم گڑھ جاناہوااورسید صاحب سے ملاقات ہوئی تو تذکرہ ضرور کرونگا،اس جواب سے مجھے بہت خوشی ہوئی،میری خوش قسمتی سے ایک ہفتہ بعدہی حضرت الاستاذ اعظم گڑھ تشریف لے گئے،کوئی اپناعلمی کام تھا،میری خوش بختی دیکھئے کہ اس سفر میں سید صاحب سے جب آپ کی ملاقات ہوئی تو از خود حضرت سید صاحب نے حضرت الاستاذ سے فرمایا کہ آپ اپنا کوئی اچھا شاگرد دے دیں،جس کو فقہ کیلئے اور لکھنے پڑھنے کا عمدہ ذوق بھی رکھتا ہو،اس موقع پر حضرت الاستاذ کو میری بات یاد آئی،سید صاحب نے فرمایا:ایک طالب علم ایسا ہے اور وہ اسی سال فارغ ہواہے اور ماشاء اللہ اس کی مجموعی صلاحیت قابل اطمینان ہے،میں جاکر اسے آپ کی خدمت میں بھیج دونگا،آپ خود اندازہ لگالیں گے،حضرت الاستاذ مدظلہ جب واپس آئے اور خدمت میں میری حاضری ہوئی تو یہ سارا واقعہ سنایااور فرمایا تم میرا خط لے کر چلے جاؤ اور سید صاحب سے ملاقات کر آؤ،میں نے عرض کیا بہت اچھا،دوایک دن بعد خط لکھواکر اعظم گڑھ حاضر ہوا۔

وہاں پہنچ کر معلوم ہواکہ سیدصاحب جونپور اپنی بچی کے یہاں گئے ہوئے ہیں،تیسرے دن تشریف لائیں گے تیسرے دن کوئی دس بجے حضرت سید صاحب تشریف لے آئے،گھر سے ہوکر جب دفتر میں آکر بیٹھ گئے تو مولانا نگرامی نے فرمایا اب جاکر ملیں،دفتر میں حاضر ہوکر میں نے سلام

عرض کیا،سامنے کرسی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا بیٹھ جائیں،یہ میری سب سے پہلی ملاقات تھی،چند منٹ بعد فرمایا کہاں سے آنا ہوا؟ عرض کیا مئو سے حاضر ہوا،فرمانے لگے اچھا مولانا اعظمی نے آپ کو بھیجا ہے؟ عرض کیا، جی ہاں، اور مولانا کا خط نکال کر سامنے رکھ دیا،فرمایا آپ نے دورۂ حدیث پڑھ لیا؟میں نے جواب دیا جی ہاں،اسی سال ختم ہوا ہے،فرمایا پھر اب کیا چاہئے ؟ماشاء اللہ آپ عالم دین بن گئے،پھر خود ہی فرمانے لگے دیکھ رہے ہیں کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں،اپنے تجربہ کی روشنی میں یقین دلاتا ہوں کہ اس علم سے دنیا نہیں ملتی،رہی دین کی بات تو وہ عمل سے متعلق ہے اور عمل کیلئے جتنا آپ پڑھ چکے ہیں بہت کافی ہے، عمل کرکے آخرت سنواریئے۔

پھر آپ چاہتے کیا ہیں؟کہ اس کیلئے زحمت اٹھا کر یہاں آئے ہیں،میں نے جواب میں عرض کیا،سچی بات یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں نہ دنیا طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اور نہ آخرت سنوارنے کی جستجو میں،میری یہ کھری کھری باتیں سن کر حضرت سید صاحب میری طرف حیرت سے دیکھنے لگے،پھر فرمایا آپ کا مقصد کیا ہے؟عرض کیا حضرت!میں نے بچپن سے اب تک پندرہ سال مدرسہ میں گذار دیئے ہیں، تھوڑا بہت جو ہوسکا پڑھا بھی مگر صحیح یہ ہے کہ رسوخ فی العلم جسے کہتے ہیں یا علمی شد ھ بدھ اور بصیرت،وہ حاصل نہیں ہوسکی ہے،دل کی تڑپ یہ ہے کہ کچھ آئے اور کسی

درجے میں علمی مناسبت پیدا ہوجائے،میرے اس جواب کے بعد حضرت بالکل خاموش ہوگئے،فرمایا آپ کا کہاں قیام ہے؟عرض کیا مولانا نگرامی صاحب کا مہمان ہوں،ہنس کر فرمایاجایئے کھاکر آرام کیجئے،اب ظہر بعد ملاقات ہوگی۔[1]

اس روداد سے مفتی صاحب کا نقطۂ نظر سامنے آتاہے اور علم کے بعد علم اور رسوخ فی العلم کی کیسی طلب اور جستجو ان کے اندر تھی،اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

بزرگوں سے تعلق

انہوں نے اپنے بزرگوں سے علمی استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا،اور ہمیشہ اپنے کوطالب علم سمجھا،حضرت مفتی صاحب نے اپنے نام بزرگوں کے جو مراسلات جمع فرمائے ہیں،ان کو پڑھنے سے اندازہ ہوتاہے کہ مفتی صاحب کو فراغت کے بعدعہد تدریس میں بھی ہمیشہ اپنے بزرگوں سے گہرا علمی تعلق رہا،اور مختلف علمی مسائل ومراحل میں وہ ان سے مشورہ لیتے رہے،ہر مشکل وقت میں مفتی صاحب نے اپنے بزرگوں سے رجوع فرمایا اور ان بزرگوں نے بھی کبھی مفتی صاحب کی حوصلہ افزائی میں کمی نہیں کی،آگے بڑھ کر سینے سے لگایااور ہر ممکن طور پر ان کی مدد فرمائی،مفتی صاحب علامتی طور پر

---

[1] علمی مراسلے ص:۹تا۱۲

مکتوبات سلیمانی کے بارے میں اپنا حال تحریر فرماتے ہیں:

"اپنا حال یہ رہاکہ جب کبھی فراغت زمانہ نے بے رخی دیکھائی یا دل پر زخم لگے تو مکتوبات سلیمانی نے ڈھارس بندھائی اور صبر وشکیبائی کی ایک آ ہنی دیوار کھڑی کردی، جس کو بڑے سے بڑا طوفان بھی متا ثر نہیں کرسکا،اور جس کے سہارے زندگی کی ٹرین فراٹے بھرتے چلتی رہی،،ان مکتوبات میں والدین کی سی محبت،اساتذہ کی سی شفقت اور مرشد ومربی کی تربیت،اور رشد وہدایت سب کی سب جمع ہیں،پڑھنے والے آنکھیں کھول کر پڑھیں گے تو انہیں اپنے سوالات کے جوابات ملیں گے،دیدۂ بصیرت میں روشنی آئے گی اور قلوب رحمت خداوندی سے معمور ہوتے نظر آئیں گے۔[2]

اکابر سے استفادہ

حضرت مفتی صاحب واقعی بڑے خوش نصیب ہیں،ان کو اکابرین امت کا سایہ ملا،اور انہوں نے ان سے بھر پور فائدہ اٹھایا،ان اکابر نے علمی اور نجی ہر مسئلے میں مفتی صاحب کی رہنمائی فرمائی،مثلاًحضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنے ایک مکتوب میں جوعلمی مراسلے میں آٹھویں نمبر پر ہے،مفتی صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

---

[2] علمی مراسلے ص:١٦

”آپ کے محبت نامے سے خوشی ہوئی، آپ نے اپنے خط میں شروع ہی میں دوجگہ ”شومیٔ قسمت“اور”بدنصیبی“ کے لفظ لکھے ہیں،قسمت اور عطاکے نصیب اللہ کے فعل ہیں،اور اللہ کے افعال کی طرف برائی کی نسبت نہیں کی جا سکتی،افسوس ہوتا ہے کہ عموماًبلویٰ کے سبب سے علماء کادامن بھی لفظی سوء اعتقاد سے عدم تنبہ کے سبب پاک نہیں ہوتا،احتراز فرمایئے،اس کی جگہ محرومی لکھئے،بحمدللہ قرآن کاترجمہ پڑھنا شروع کیا،اور اس کا فائدہ بھی محسوس فرمایا،زادکم اللہ تعالیٰ بہٖ نفعاً،آپ کوجو کھٹک آخرت سے متعلق ہوتی ہے یہی وہ سچ ہے جو انشاء اللہ صحیح آبیاری سے نشو نما پائے گا،آپ بعض اوقات مقررہ میں "الم یعلم بان اللہ یری“کا مراقبہ کریں۔

آپ کسی طبیب کی طرف بھی توجہ فرمائیں،معدہ کی خرابی کا اثر تو نہیں جو ایسا خواب دیکھتے ہیں ایک دعابھی لکھتا ہوں،اعوذ باللہ من الشیطان وشر ھذہ الرویا،۳بار،پھر بائیں طرف منہ کرکے پہلو بدل لیں“۔[3]

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”آپ صبر وشکر سے دنیا کی تکلیفوں کو برداشت کریں،کوئی کسی کو دھوکہ نہیں دیتا وہ دھوکہ خود اپنے ہی کو دیتا ہے،ولا یحیق المکر

---

3 ۔ص:۱۲

السیئی الا با ھلہ، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ آپ کی نصرت فرمائیں اور آپ کو اپنی مرضیات کی اتباع کی توفیق بخشیں"۔[4]

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"حزن وملال کا نتیجہ ترک اعمال تو کسی طرح درست نہیں۔

نوامرا تلخ ترمی زن چوذوق نغمہ کم یابی۔

دنیا میں غم احوال کا نہیں اعمال کا چاہئے، جس غم سے اعمال میں فرق آجائے وہ تو محرومی کا سبب ہے یہ غم دین کا غم نہیں ہو سکتا، اور زیادہ بیداری اور زیادہ عبادت اور زیادہ دعا اور زیادہ اضطراب اور زیادہ اضطرار چاہئے کہ یہ حالات دور ہوں، اور یہ مصائب دفع ہوں"۔[5]

حضرت مفتی صاحب نے اپنے جن بزرگوں کا بہت گہرا اثر قبول کیا ہے ان میں حضرت علامہ گیلانی ؒ بھی ہیں، علامہ گیلانی ؒ نے مختلف مواقع پر مفتی صاحب کو اپنے علمی مشوروں اور رہنمائیوں سے نوازا ہے، ۴/ اپریل ۱۹۵۰ء کے ایک طویل مکتوب میں مفتی صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

"آپ ابھی زندگی کے ابتدائی ایام میں ہیں، سب سے بڑا دشوار مسئلہ تصنیف وتالیف کے کاروبار میں کتابوں کا ہے، جن کا موجودہ حالات

---

[4] ۔ ص:۳۷، مکتوب:۳۷

[5] ۔ ص:۳۸، مکتوب:۳۸

میں وسیع پیمانے پر مہیا ہونا آسان نہیں ہے،تاہم کچھ کتابوں سے چارہ نہیں،درسی کتابیں تو کم از کم آپ کے مدرسہ میں یا آس پاس کے مولویوں کے پاس مل جائیں گی،اسی امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک مشورہ تو ایسی کتابوں سے تعلق رکھتا ہے جن کیلئے کتابوں کی چنداں ضرورت نہ ہوگی،صرف فکروغور کی صلاحیت ہے اوروہ یہ ہیں جن کی اس زمانہ میں سخت ضرورت ہے،(پھر حضرت مولانا گیلانی ؒنے چار عنوانات اور ان سے متعلق ضروری تفصیلات تحریر کی ہیں،اور مفتی صاحب کو مشورہ دیا ہے کہ آپ ان پر کام کریں،۱۔مصائب النبی وآل النبی،۲۔انسانیت بیمار ہے،۳۔الو فودوالمکاتیب۔۴،بعض مشاہیر صحابہ،[6]

مکتوب:۳ میں فرماتے ہیں:

”آپ کے مکتوبات کو دیکھ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ چند چیزوں کے متعلق آپ کی خدمت میں عرض کردوں،تاریخ المساجد کے سلسلہ میں یہ عرض کرناہے کہ کہیں ایسانہ ہوکہ اس کے پیچھے پڑ کر آپ دوسری چیزوں کو چھوڑ بیٹھیں،مطلب یہ ہے کہ آپ کی تحریروں اور انشائی صلاحیت کو دیکھ کر میں یہ توقع کرتا ہوں کہ جیسے جیسے مشق وتجربہ آپ کا بڑھتا جائیگا آپ انشاء اللہ ایک پختہ کار مصنف بن کر اسلام کی خدمت کریں گے،بس مناسب یہ ہے کہ تاریخ المساجد کے ساتھ ساتھ اور بھی جن عنوانوں پر لکھنے

---

[6] ۔ ص:۷۹تا۸۱،مکتوب:۴

لکھانے کا خیال وارادہ ہواس کو بھی مسلسل جاری رکھئے،اور تاریخ المساجد کے متعلق مطالعہ جاری رکھئے،یہ آسان کام نہیں ہے کہ چند کتابوں کے پڑھ لینے کے بعد آپ کوکافی مواد مل جائیگا جلدی سے کام نہ کیجئے،برس دوبرس یا جتنی مدت بھی لگ جائے اس کا خیال نہ کیجئے،یاد داشت کی ایک کتاب بنالیجئے،اور مطالعہ جاری رکھئے اس موضوع کے متعلق جو ملتا چلاجائے یاد داشت میں نوٹ کرتے چلے جایئے اور جب آپ کو محسوس ہوکہ مواد کافی جمع ہوچکا ہے تب ترتیب کا کام انجام دیجئے،اس کے لئے سینکڑوں کتابیں آپ کو پڑھنی پڑیں گی،خرید خرید کر کہاں تک پڑھتے رہیں گے ادھر ادھر سے عاریۃًجو کتاب بھی مل جائے،عربی،فارسی،اردو سب کو پڑھتے رہئے اور اسی کے ساتھ دوسرے عنوانوں پر بھی جوکچھ لکھنا چاہتے ہوں لکھتے رہئے۔[7]

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی ؒبانی ندوۃالمصنفین،دہلی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اسلام کانظام عفت وعصمت"بہت خوب ہے،جی جماکر لکھئے،قدیم کتابوں کے علاوہ جدید کتابوں سے بھی مدد لینی چاہئے۔[8]

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

---

[7] ۔ ص:۷۸

[8] ۔ ص:۱۲۷،مکتوب:۲۱

”تاریخ ملت کے حصوں پر آپ کا مضمون پڑھ کر مولانا عبدالماجد صاحب نے بھی وہ حصص طلب فرمائے ہیں ”جامع اموی دمشق“ جلد ارسال فرمایئے،کوئی اور بھی دلچسپ اور معیاری مضمون لکھئے،حلقۂ برہان میں بحمدللہ اب آپ کافی نیک نام ہیں،مضامین کم لکھئے،مگر جو کچھ لکھئے،معیار کے مطابق لکھئے،معیار کی بقا بڑی بات ہے“[9]

بزرگوں کا ماضی دیکھنا چاہئے

یہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے مفتی صاحب کی شخصیت کی تعمیر میں بنیادی رول ادا کیا اور مفتی صاحب مفتاح العلوم مئو،نگرام لکھنؤاور سانحہ مونگیر کے مختلف ادوار سے گذرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند پہنچے،اور آج دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے سب سے بزرگ،کہنہ مشق اور تجربہ کار مفتی ہیں (خیال رہے کہ یہ مضمون حضرت کی حیات میں لکھا گیا تھا)آج کے دور کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ لوگ اپنے بزرگوں سے رابطہ نہیں رکھتے،نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے استفادہ کا سلسلہ رک جاتا ہے،اور وہ بڑے آدمی نہیں بن پاتے،حضرت مفتی صاحب کی زندگی ایسے تمام لوگوں کیلئے مرقع عبرت ہے،میں نے مفتی صاحب کے ما ضی اور ابتدائی عہد کا ذکر اسی لئے چھیڑا ہے کہ

---

[9] ۔ ص:۱۲۶،مکتوب:۲۰

بزرگوں کی زندگی کا ماضی جس قدر عبرت انگیزاور سبق آموز ہوتا ہے،ان کا حال نہیں ہوتا،ان کے ماضی میں ایک عام انسان کیلئے رہنمائیوں کاسامان ہوتاہے،اور وہ ایک متعلم اور صاحب طلب کیلئے نسخۂ ارتقاء فراہم کرتاہے۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ:
”جو ہمارا ماضی دیکھے وہ کامیاب جو ہمارا حال دیکھے وہ ناکام“۔[10]

مفتی صاحب کے دور کی کوئی ایسی قابل ذکر شخصیت نہیں ملتی جن سے آپ کے علمی مراسم نہ ہوں،کچھ مفتی صاحب کی اپنی صلاحیت،اخذ کرنے والی طبیعت اور فطرت کی سلامتی کا دخل ہے اور کچھ ان بزرگوں سے روابط کا فیض کہ اللہ نے ان سے بڑے بڑے کام لئے اور اکابر اور اعیان امت نے ان پر بھر پور اعتماد کا اظہار فرمایا،بڑے اہم اہم کام ان کے سپرد کئے اور مفتی صاحب ایسے تمام آزمائشی مرحلوں سے پوری کامیابی کے ساتھ گذرے۔

مفتی صاحب پر اکابر کا اعتماد

اعتماد کااصل اظہار اہم ذمہ داریوں کی تفویض سے ہوتا ہے،لیکن بعض مرتبہ زبان و قلم سے بھی ایسے جملے نکل جاتے ہیں جن سے اعتماد اور عظمت واحترام کا اظہار ہوتا ہے،”علمی مراسلے“میں ایسے بعض مکاتیب

---

10 - آپ بیتی،حضرت شیخ زکریاؒ

ہیں جن کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب پر اکابر کو کس قدر اعتماد تھااور ان کی قدروقیمت بزرگوں کے دلوں میں کیسی تھی؟

بعض نمونے ملاحظہ فرمایئے:

حضرت مفتی صاحب کی پہلی شاہکار تصنیف "اسلام کانظام مساجد"(جوپہلی بار ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی اور دوبارہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد سے شائع ہوئی)سید العلماء حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے ملاحظہ فرمایا تو اپنے تأثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

"اپنی محدود معلومات کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ مساجد کے متعلق اتنی جامعیت کے ساتھ تمام پہلوؤں پر اتنی حاوی کتاب نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور عربی میں بھی میری نظر سے نہیں گذری،وقت کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل میں مولانا موصوف نے اپنا وقت صرف فرمایا ہے،اگرچہ تالیف وتصنیف کے میدان کے تازہ واردوں میں ہیں،لیکن خالص نیت ان کی محنت کے بار آور کرنے میں ممدومعاون ثابت ہوئی،بظاہر موضوع کے متعلق مشکل ہی سے کوئی قابل ذکر مسئلہ غالباًایسا باقی رہاہے جس کا تذکرہ کسی نہ کسی حیثیت سے اس کتاب میں نہ آگیا ہو،ماشاء اللہ عبارت والفاظ،ترتیب سب میں سنجیدگی،متانت اور صفائی وروشنی پائی جاتی ہے،اختلافی مسائل میں مولوی صاحب نے رفق وملائمت کا پہلو

اختیار کر کے علماء کے طبقہ متصلبہ ومتقشفہ کیلئے ایک اچھا نمونہ پیش کیاہے"[11]
"تاریخ مساجد"کا موضوع مفتی صاحب کو مولانا گیلانی ہی نے
دیاتھا،ابھی کتاب تیار بھی نہیں ہوئی تھی مگر اعتماد کی بنیاد پر حضرت مولانا گیلانی
ؒنے مفتی صاحب کو اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:
"نظام المساجد کے مقدمہ کی ضرورت کب پیش آئے گی،میرا
تو جی چاہتا تھا کہ تاریخ المساجد پر مقدمہ آپ مجھ سے لکھواتے،اس وقت آپ
کا یہ نیاز مند زندہ رہاتو تعمیل ارشاد کو اپنی سعادت خیال کرے گا"[12]

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

"واقعہ تو یہ ہے کہ اس میدان کے آپ تازہ وارد نو جوانوں
میں ہیں،آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر دل اس پیشین گوئی کی جرأت کرتاہے کہ
مستقبل میں آپ کا قلم انشاء اللہ اسلام کی کوئی نمایاں خدمت انجام دے گا"[13]
ایک موقع پر مفتی صاحب نے استفادہ کیلئے رمضان میں گیلانی قیام کرنے کی
خواہش ظاہر کی تو حضرت مولانا گیلانی ؒنے تحریر فرمایا:

---

[11] ۔ حاشیہ ص:۷۳

[12] ۔علمی مراسلے،ص:۷۶،مکتوب:۱

[13] ۔ ص:۷۸،مکتوب:۹

"آپ نے رمضان میں گیلانی کی رونق افروزی کے ارادے کا اظہار فرماکر بڑی نوازش فرمائی ہے،لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں میرے مقصود درحقیقت یحیٰ میاں سلمہ تھے ورنہ استغفر اللہ آپ جیسے عالم کو قطعاً اس کی ضرورت نہیں،زیادہ سے زیادہ آپ میری لکھی ہوئی تفسیری جزوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں ورنہ پڑھنے کی قطعاً ضرورت نہیں،ماشاء اللہ آپ ایک مستعد عالم ہیں"۔[14]

ایک خط کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا:

"رفیع القدر، سلیم القدر،الصوفی الصافی الکاتب مولانا ظفیر التر ھتی المتھلائی اید کم اللہ بروح منہ"۔[15]

ایک خط میں اس طرح مخاطب فرمایا:

"سیدی! ومتصف بالصلاح والعافیۃ"۔[16]

☆امیر شریعت رابع حضرت مولاناسید منت اللہ صاحب رحمانیؒ

مفتی صاحب کے خصوصی قدرداں تھے،حضرت امیر شریعت نے مفتی صاحب سے کئی اہم کام لئے،کئی تحریرات ان کی شائع کیں،کئی اہم موضوعات پر

---

14 ۔ ص:۹۶،مکتوب:۱۶

15 ۔ص:۹۹،مکتوب:۲۵

16 ۔ ص:۱۰۵۔مکتوب:۲۵

مقالے لکھوائے،حضرت مفتی صاحب،حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی دعوت پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے جا چکے تھے،مگر حضرت امیر شریعت ان کو امارت شرعیہ کا نظام سنبھالنے کیلئے امارت لانا چاہتے تھے،کئی خطوط حضرت امیر شریعت نے اس مضمون کے لکھے،مگر حضرت حکیم الاسلام نے مفتی صاحب کو اجازت نہیں دی،یعنی حضرت حکیم الاسلام،مفتی صاحب کو دارالعلوم دیوبند کی ضرورت سمجھتے تھے،اور حضرت امیر شریعت امارت شرعیہ کی ضرورت،حضرت امیر شریعت کے ایک مکتوب گرامی کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"ایسا لگتاہے کہ ہم لوگوں کے درمیان شاید کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے،مجھ سے آپ سے تو یہ بات طے ہوچکی تھی کہ آپ کو دفتر امارت شرعیہ میں تشریف لانا ہے،اور مستقلاً آنا ہے،مگر یہ پھلواری شریف جیسی جگہ ہے،شاید آپ کادل نہ لگ سکے،اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ چھ ماہ کی چھٹی لے لیں،اگر دل لگ جائے تو بے حد خوشی کی بات ہے،اسی وقت یہ گفتگو آپ سے ہوئی تھی کہ آپ نقیب اور افتاء کاکام سنبھالیں گے،بعد کو میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ محکمۂ قضاء خالی ہے۔

بہر حال اس وقت میں چاہتا ہوں کہ آپ تشریف لاکر افتاء اور اخبار نقیب کا کام کریں،میں نے پچھلی بارامارت کی مالی حالت کے پیش نظر ماہ۔/۱۵۰کی پیشکش کی تھی،شاید یہ بات پیش نظر ہو،اس لئے اب عرض ہے

کہ اس وقت جویافت آپ کی دارالعلوم میں ہے وہ پیش کی جائے گی“[17]

حضرت مفتی صاحب کی کتاب تاریخ مساجد پر اپنی تعارفی تحریر میں حضرت امیر شریعتؒ تحریر فرماتے ہیں:

”عزیز محترم مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی علمی اور دینی حلقہ میں بہت جانی پہچانی شخصیت کے مالک ہیں،وہ لانبے عرصے سے علمی وتحقیقی و تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں،انکی بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں،اور ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی گئی ہیں اور کاموں کے علاوہ صرف فتاویٰ دارالعلوم کی تحقیق،استخراج اور ترتیب ہی اتنا بڑا اور اہم کارنامہ ہے،جو ان کے علمی و تحقیقی وقار واعتبار کوممتاز کرتا ہے،خدائے تعالیٰ نے ان کے وقت میں برکت اور خدمات کو قبولیت سے نوازا ہے،صرف فتاویٰ دارالعلوم ہی نہیں، نظام مساجد،نظام عفت وعصمت،نظام امن،سیرت وسوانح اور متعدد موضوعات پران کی کتابیں آئیں اور ہاتھوں ہاتھ لی گئیں“۔[18]

حضرت مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند کس اعزازواحترام کے ساتھ بلائے گئے اس کا اندازہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے اس اولین مکتوب سے ہوتا ہے جس میں مفتی صاحب کو دارالعلوم آنے کی

---

17 ۔ ص:۲۳۴،مکتوب:۱۳۰

18 ۔ تاریخ مساجد،ص:۱۲

دعوت دی گئی ہے،اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کی نگاہ میں مفتی صاحب کا کیا مقام تھا؟خط کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"اس وقت ایک خاص ضرورت سے عریضہ لکھ رہاہوں اور وہ یہ کہ اس وقت دارالعلوم کے شعبۂ تبلیغ اور یہاں کی نشرواشاعت کو ایک ایسے فاضل کی ضرورت ہے جو صاحب قلم،خوش تحریر اور شرعی مسائل وحقائق کو دلنشیں پیرایہ میں اچھے اسلوب کے ساتھ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق پیش کرنے پر قادر ہو،بالخصوص مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے ان نظریات کا جو اہلسنت والجماعت کے مسلک سے ملے ہوئے ہیں،اصول ودلائل کی روشنی میں تجزیہ کرکے اس کا کھرا اور کھوٹا واضح کرسکتا ہو، مخالف تحریرات سے انصاف واعتدال کے ساتھ اخذ کرنے اور اس پر سنجیدہ گرفت کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو،اور معاندین کے شبہات واعتراضات کا شرعی مواد کی روشنی میں متانت کے ساتھ جواب دینے کی اہلیت رکھتا ہو،ساتھ ہی اکابر دارالعلوم کے بتائے ہوئے اسالیب بیان وعنوانات کلام پر ان کے ذوق وفکر کی روح کو محفوظ رکھتے ہوئے اچھے ڈھنگ سے ان کے مقصود کی ترجمانی کرسکتا ہو،اور اسی کے ساتھ احیاناً دارالعلوم کی ضروریات یا بیرونی دعوت پر حسب موقع تقریر وبیان پر بھی قادر ہو،اس سلسلہ میں مختلف شخصیتوں کے نام کے ساتھ جناب کا اسم گرامی بھی سامنے آیا،بندہ کا حسن ظن تو ذات سامی کی نسبت جو ہے وہ ہے اور

وہی اس تحریر کا باعث ہوا ہے، لیکن درخواست یہ ہے کہ معیار بالا کی رو سے اپنے بارے میں خود جناب بے تکلف اظہار خیال فرمادیں کہ ان خدمات مطلوبہ کو جذبات مذکورہ کے ساتھ انجام دے سکیں گے یا نہیں؟"[19]

مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جتنی قدر مفتی صاحب کی ان کے بڑوں نے کی، چھو ٹوں سے اتنی قدر نہ ہوسکی، یہ ہماری معرفت کی کمی ہے، مفتی صاحب کی عظمت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مفتی صاحب نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ جس طرح دین اور علم دین کی خدمت کیلئے صرف کیا ہے اور تلامذہ کے علاوہ کتابوں کا بڑا علمی سرمایہ جمع فرمایا ہے، وہ ان کی جلالت علمی کیلئے کافی ہے۔

مفتی صاحب ایک خاموش طبع انسان ہیں، ان کے یہاں شورو پکاراوراعلان وتشہیر کے ہنگامے نہیں ہیں، وہ خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کے قائل ہیں، اور انہوں نے اسی خاموشی کے ساتھ ایسے بڑے بڑے کام کئے جو بڑی بڑی ہنگامہ خیز شخصیتیں نہیں کرسکیں، میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا، آنے والا مؤرخ اور مبصر جب اس کا تجزیہ کرے گا تو تفصیلات سامنے آئینگی، لیکن میں بعض اشارات کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

---

19 ۔ ص:۶۳۰، مکتوب:۲

مفتی صاحب کے اہم علمی کارنامے

”نظام مساجد“کے بارے میں آپ نے مولانا گیلانی کی زبانی سن ہی لیا کہ:
”مساجد کے متعلق اتنی جامعیت کے ساتھ تمام پہلوؤں پر اتنی حاوی کتاب نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور عربی میں بھی میری نظر سے نہیں گذری“۔[20]

”فتاویٰ درالعلوم دیوبند“کی تدوین وترتیب کاکام،کام نہیں عظیم الشان کارنامہ ہے،اور حضرت امیر شریعت نے درست فرمایاہے:

”اور کاموں کے علاوہ صرف فتاویٰ دارالعلوم کی تحقیق،استخراج اورترتیب ہی اتنابڑا اور اہم کارنامہ ہے،جو ان کے علمی و تحقیقی وقار واعتبارکو ممتاز کرتاہے“۔[21]

☆جو کام دارالعلوم میں برسوں سے نہیں ہوسکاتھا،مفتی صاحب نے اس اہم ترین کام کوبڑی تیزی کے ساتھ انجام دیا اور فتاویٰ دارالعلوم کی بارہ جلدیں چند سالوں میں سامنے آگئیں،پھر انقلاب کے بعد بعض ایسے ناخوشگوار حالات پیش آئے کہ مفتی صاحب دل شکستہ ہوگئے اور باقاعدہ ان کو یہ کام بھی نہیں دیاگیا،چنانچہ مفتی صاحب کے اس کام سے الگ ہوجانے

---

[20] ۔ ص:۳۰۷،علمی مراسلے

[21] ۔ تاریخ مساجد،ص:۱۲

کے بعد آج تک کوئی جلد سامنے نہ آسکی،(اس تحریر کے بعد بعض جلدیں شائع ہوئیں)مفتی صاحب نے تن تنہا وہ کام کیا جو پوری کمیٹی انجام دیتی ہے،اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو صحت وعافیت سے رکھے اور ان کا سایۂ عافیت ہم پر تادیر قائم رکھے۔ آمین

☆کتب خانۂ دارالعلوم دیوبند میں مفتی صاحب نے بحیثیت مدیر کتب خانہ جو انقلابی اور تعمیری خدمات انجام دیں وہ دارالعلوم کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کی جا سکیں گی کتب خانہ میں جدید ترین کیٹلاگ کانظام،کتابوں سے استفادہ کی صورتیں،دارالمطالعہ کا نظام وغیرہ کئی غیر معمولی اصلاحات مفتی صاحب نے فرمائیں،مفتی صاحب کتب خانہ سے پھر دارالافتاء چلے آئے،لیکن جس مرحلہ پر وہ کتب خانہ کو چھوڑ آئے تھے اتنے سال گذرنے کے باوجود کتب خانہ آج تک اسی مرحلہ پر رکا ہوا ہے،(اس تحریر کے بعد بعض بڑی پیش رفتیں ہوئی ہیں)

یہ ہے مفتی صاحب کا امتیاز،بظاہر بہت سادہ اور ہلکے پھلکے،لیکن ایسے صاحب تاثیر کہ جس کام پر ہاتھ ڈالا،تکمیل تک پہنچاکر دم لیا،اور جس کام سے ہاتھ کھینچ لیا یا ان کو روک دیا گیا وہ کام بھی وہیں پر رک گیا،ایسے لوگ تاریخ میں بہت کم ہوتے ہیں اور ایسی ہی شخصیات عبقری کہلاتی ہیں،اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو اپنی شان کے مطابق بدلہ عنایت فرمائیں،آمین۔

☆مجموعۂ قوانین اسلامی (مسلم پرسنل لاء بورڈ)کا اصل مسودہ مفتی صاحب ہی نے تیار کیا،بعد میں کمیٹیوں نے اس پر غورو خوض کیا اور ترمیمات کیں،لیکن اصل چیز تو مسودہ ہے،کسی ذمہ دار ادارہ کی طرف سے قانونی مسودہ تیار کرنا آسان کام نہیں ہے،ہندوستان میں بہت سی علمی شخصیات موجود تھیں اور ہیں،لیکن ان میں حضرت مفتی صاحب کا انتخاب بلاوجہ نہیں تھا،قانون اور تعبیرات کی دنیا میں یہ ان کی امتیازی شان کی دلیل ہے،مسودہ تیار ہونے کے بعد دس ہزار ترمیمات بھی کردی جائیں تب بھی وہ اسی مسودہ اور فکر کے تابع مانی جائیں گی،بات سے بات نکالنا آسان ہے،لیکن پہلی بات پیدا کرنا آسان نہیں ہے،اور یہی وہ مشکل کام تھاجس کو حضرت مفتی صاحب نے انجام دیا۔فجزاہ اللہ عنا احسن الجزا۔

☆مفتی صاحب نے کتب خانۂ دارالعلوم دیوبند کے مخطوطات کا جو تعارف لکھاہے،وہ بھی اپنی جگہ بے انتہا اہم کام ہے،مخطوطات اور قلمی کتابوں سے مناسبت ہر عالم کو نہیں ہوتی،چند عبقری لوگ ہوتے ہیں،حضرت مفتی صاحب نے دو جلدوں میں مخطوطات کا تعارف لکھ کر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور دارالعلوم کی طرف سے ایک بڑی ذمہ داری پوری فرمائی ہے۔

ایک شفیق مربی

ایک محسن استاذ اور شفیق مربی کی حیثیت سے بھی مفتی

صاحب کا مقام بہت ممتاز ہے،مفتی صاحب جس اپنائیت اور خلوص کے ساتھ طلبہ پر محنت کرتے ہیں اور ان کو بلند سے بلند مقام تک پہنچنے کی ترغیب دیتے ہیں وہ لاجواب ہے، مفتی صاحب کے فتویٰ کی زبان ہو یا کسی مقالہ کی،انتہائی سادہ اور عام فہم ہوتی ہے،عام قاری سمجھتا ہے کہ ایسی عبارت کوئی بھی لکھ سکتا ہے،لیکن لکھنے کو بیٹھے تو اچھے اچھے قلم کار ویسی عبارت لکھنے میں دقت محسوس کریں،مفتی صاحب چھوٹے اور عام فہم جملے لکھتے ہیں،طول طویل جملوں،اور مشکل الفاظ سے فتویٰ یا مضمون کو گرانبار نہیں کرتے،اس طرح ان کا فتوی یا مضمون علمی بھی ہوتا ہے اور زبان وادب کے لحاظ سے معیاری بھی،ہندوستان میں ایسے مفتی گنتی کے ہونگے جو اپنے فتاویٰ میں ان دونوں اوصاف کی رعایت رکھ پاتے ہوں۔

حضرت مفتی صاحب اپنے تلامذہ اور مستفیدین میں بھی اپنا رنگ منتقل کرنا چاہتے ہیں،وہ زبان سے کچھ نہیں بولتے لیکن غیر محسوس طور پر ان کے تلامذہ ان سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کا رنگ قبول کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ خواہشمند،اور باذوق طلبہ کی علمی اور فکری تربیت سے بھی دریغ نہیں کرتے،حالانکہ مفتی صاحب اب عمر کی جس منزل میں ہیں وہ ان کے آرام کرنے کی ہے،لیکن آج بھی وہ جوانوں سے زیادہ محنت کرتے ہیں،اور طلباء وفضلاء کی تعمیر وتربیت کاکام انجام دیتے ہیں، مگر آج کا

مسئلہ تو یہ ہے کہ:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

جب میں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا تو میری مشق فتاویٰ حضرت مفتی صاحب سے متعلق تھی،مفتی صاحب نہ صرف مشق فتاویٰ پر توجہ دیتے تھی بلکہ بعض دیگر موضوعات پر تحقیق بھی کراتے تھے،پورے ملک سے لوگ علمی طور پر ان سے رجوع ہوتے تھے،انہیں میں سے بعض کام وہ اپنے تلامذہ کے حوالہ کردیتے تھے،میں ان کا ادنیٰ ترین شاگرد تھا،لیکن مجھ پر ان کی عنایات بہت زیادہ تھیں،کئی اہم علمی موضوعات پر مفتی صاحب نے مجھ سے کام لیا اور مجھے کتابوں سے قریب کیا ....علم وتحقیق،یافقہی مقالات لکھنے کاجو کچھ بھی ذوق میرے اندر پیدا ہوااس ذوق کا تخم اولین حضرت مفتی صاحب نے ہی ڈالا،بحث ونظر اور اسلامک فقہ اکیڈمی کو میں نے انہی کے خم وابروسے جانا،علمی کتابوں کے مطالعہ کا شوق آپ ہی کی نظر عنایت کا صدقہ ہے،اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو جزائے خیر سے نوازے،آمین۔میرا رواں رواں آپ کے احسانات سے شرسار ہے۔

☆مفتی صاحب کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ ہونہار طلبہ کی بڑی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں،اور اپنے بیٹے کی طرح ان سے محبت

فرماتے ہیں، میں توکچھ نہیں ہوں، لیکن میرے خاندانی پس منظر کی بنا پر مفتی صاحب مجھ سے بڑی محبت وشفقت فرماتے تھے، جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اس محبت کے فیضان سے زندگی کی آخری سانس تک نواز تا رہے۔ آمین

صاحب دل فقیہ

ان تمام علمی کمالات وامتیازات کے ساتھ مفتی صاحب، صاحب دل بھی ہیں، وہ تصوف وروحانیت سے بھی بڑا حصہ رکھتے ہیں، وہ فقیہ خشک نہیں، بلکہ صاحب دل، اور صاحب نظر فقیہ ہیں، وہ حالات زمانہ پر بھی نگاہ رکھتے ہیں، اور احوال قلب، اور کیفیات درون پر بھی۔

حضرت مفتی صاحب شروع میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے بیعت ہونا چاہتے تھے اس لئے کہ ان کی بعض باطنی اصلاحات پہلے سے جاری تھیں، اور علامہ کے بعض وظائف بھی مفتی صاحب پڑھتے تھے، پھر مئو میں تعلیم حاصل کرنے کی بناپر مقامی اور ذہنی قرب بھی ان سے تھا، اگر چیکہ ایک خیال حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بھی بیعت کا آتا تھا، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے اپنے تمام معاملات کی طرح آخر اس معاملہ میں بھی حضرت علامہؒ سے مشورہ کیا، علامہ ندویؒ نے جواب میں تحریر

فرمایا۔

”حضرت مولانا مدنی دامت فیوضہم کی ذات کے مقابلہ میں میرا نام لینا صرف آپ کی چشم محبت کا کرشمہ ہے ورنہ میں تو ان کے جوتہ کا تسمہ کھولنے کے لائق بھی نہیں۔

ع چہ نسبت خاک رابا عالم پاک

بزرگوں کا مشورہ یہی ہے کہ ”خاک ازتودۂ کلاں بردار“ میر ے پاس حضرت والا تھانوی رحمتہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کے سوا کچھ بھی نہیں،اس لئے میرے باب میں آپ کو غلط فہمی نہ ہو“[22]

چنانچہ حضرت علامہؒ کے حکم کے مطابق حضرت مفتی صاحب،حضرت مدنیؒ کی طرف رجوع ہوئے،مگر اس کیلئے علامہ سے سفارشی خط لکھنے کی درخواست کی،حضرت علامہ ندویؒ نے درخواست قبول کرتے ہوئے جواب تحریر فرمایا:

”مولانا مدنی کی خدمت میں آپ کا خط مع اپنے خط کے بھیج دیا اور آپ کے نام کا لفافہ بھی پتہ لکھ کر اس میں رکھ دیا ہے،امید ہے کہ وہ آپ کو جواب دیں گے،آپ کے اس کارڈ سے آپ کے اضطراب کا حال معلوم ہوا،جس بات سے آپ ڈرتے ہیں اس کے مآل عواقب دنیاوی اوراخروی کو

---

[22] ۔ علمی مراسلے،ص:۲۸،مکتوب:۱۸

پوری طرح ذہن نشیں کرکے اور اس کو بقوت دفع کیجئے اور یہ دعا پڑھئے،
اللھم اجعلنی اخشاک کانی اراک ابداًحتی القاک واسعدنی بتقواک ولا تشقنی بمعصیتک۔
اپنے کو ہر وقت علم یا عمل میں مشغول رکھئے، تاکہ بیہودہ افکار دل ودماغ میں جگہ نہ پائیں، دلی دعا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھیں والسلام۔"[23]

حضرت مفتی صاحب بالآخر حضرت شیخ الاسلام مدنی ؒ سے بیعت ہو گئے، "علمی مراسلے" میں خود تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت سید صاحب کے حکم سے ۱۰/ مئی ۱۹۷۴ء کو بعد نماز مغرب ڈاکٹر عبد العلی صاحب کے مکان واقع لکھنؤ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے باضابطہ بیعت ہو گیا تھا"۔[24]

پھر علامہ ندویؒ نے باطنی تعلیمات کا سلسلہ بند کردیا اور مشورہ دیا کہ اب وہ تعلیمات کے باب میں حضرت مدنی ؒ ہی سے رجوع کریں، اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا:

"اب آپ تعلیمات کے باب میں حضرت مولانا مدنی ؒ ہی سے

---

23 - علمی مراسلے: ص، ۳۰، مکتوب: ۲۱

24 - حاشیہ میں، ص: ۳۳

معلوم کریں اور ان پر عمل کریں"[25]

اس طرح ایک خاصی مدت تک حضرت مدنی ؒ کی روحانی تربیت سے آپ نے استفادہ فرمایا،اور سلوک کے منازل طے کئے،حضرت مدنی کے وصال کے بعد آپ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے رجوع ہوئے اور سلوک کی تکمیل فرمائی،بالآخر حضرت قاری صاحب ؒ کے مجاز ہوئے،اس کا پس منظر حضرت مفتی صاحب کی زبانی سنئے:

"حضرت مولانا فضل اللہ صاحب صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیور سیٹی علی گڑھ،حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے پوتے تھے،اور ان کو اولاًدادا رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت بیعت تھی،حضرت مولانانے بے وہم وگمان ۴/صفر۱۳۹۵ھ مسجد دارالعلوم دیوبند میں بعد نماز ظہر روک لیا اور مولانا محمد رضوان امام مسجد عامرہ،حیدرآباد کو بلایا جو حضرت کے ساتھ آئے ہوئے تھے اور فرمایا میرے کپڑوں میں شیخ سنوسیؒ والا جبہ لے آؤ،جب وہ آگیا تو انہوں نے میرے حوالہ یہ کہتے ہوئے فرمایا کہ میں تم کو مسلمانوں کو بیعت کرنے کی اجازت دیتا ہوں اور یہ جبہ عطا کرتا ہوں،میرے نزدیک اس کے مستحق تم ہی ہو"۔[26]

---

[25] ۔ ص:۳۳،مکتوب:۲۹

[26] ۔علمی مراسلے،حاشیہ:۲۔ص:۷۰

یہ پورا واقعہ حضرت مفتی صاحب نے اپنے پیر ومرشد حضرت حکیم الاسلامؒ کو لکھ بھیجا جو اس وقت بمبئی کے سفر پر تھے، حضرت حکیم الاسلام ؒنے جواب میں جو خط تحریر فرمایا ہے اس میں مفتی صاحب کو اجازت بیعت عنایت فرمائی، حضرت حکیم الاسلامؒ کے اس تاریخی خط کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"سلام مسنون، نیاز مقرون، گرامی نامہ صادر ہوا، خوشی ہوئی، حضرت مولانا فضل اللہ صاحب دام مجدہ اپنے طریقے کے ایک شیخ اور بے نفس بزرگ ہیں، ان کی توجہ اور اجازت دہی بلا شبہ فضل خداوندی ہے، اس پیش کش کو آپ نے قبول فرمایا، انشاء اللہ یہ خیر وبرکت کا باعث ہوگی، آپ کے عمل اور مجاہدہ سے بڑھ کر یہ شہادت اور پیش کش بلاشبہ وقیع ہے، اور فضل خداوندی ہے، اس بنا پر میں بھی آپ کو اجازت دیتا ہوں، جو بھی اللہ کا نام پوچھے بتلا دیا کریں، یہ آپ کیلئے اور اس کیلئے نافع ہوگا، حق تعالیٰ ہم سب کو تقویٰ وطہارت عطا فرمائیں"[27]

غرض مفتی صاحب ایک صاحب نظر اور صاحب دل فقیہ ہیں، زندگی میں بڑے انقلابات سے دوچار ہوئے اور مشکل سے مشکل حالات کا سامنا کیا، مگر علم کا یہ مسافر پوری استقامت کے ساتھ اپنی راہ پر گامزن ہے، اور دوست دشمن سب کو پیغام محبت دیتا ہوا اپنی حقیقی منزل کی طرف بڑھ رہاہے، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو صحت وعافیت سے نوازے، شر وفتن

---

[27] ۔ ص:۷۰ مکتوب:۱۲

سے محفوظ رکھے،فیضان عام سے عام تر کرے اور ہم چھوٹوں کو آپ سے بھر پور استفادہ کی توفیق بخشے،آمین۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(۱۹/ جون۲۰۰۲ء)

امیر شریعت خامس مولانا عبدالرحمن صاحبؒ اور مفتی ظفیرالدین صاحبؒ کے خاندانی روابط وتعلقات

جناب وصی احمد شمسی صاحب
(سابق ہیڈ ماسٹر واٹسن ہائی اسکول مدھوبنی)

آفتاب فقہ حضرت مفتی ظفیرالدین صاحب (مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند)نیک دل عالم،سہل نگار مصنف،مشہور صاحب قلم،ماہر فقہ وفن،مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند،عظیم مفتی کاانتقال پرملال ۳۱/مارچ ۲۰۱۱ ءبروز جمعرات تین بجے دن میں آبائی گاؤں پورہ نوڈیہا دربھنگہ بہار میں ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت مفتی صاحب کی محبوبیت و مقبولیت کسی ایک خطے یا کسی ایک طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی،بلکہ ہر علم دوست اور مردم شناس کوآپ سے انسیت ومحبت ہے،آپ کی مثالی سادگی وفنائیت کا ہر کوئی معترف ہے،آپ کی زود نویسی وخوشنویسی،قوت فیصلہ آپ کی علمی خدمات اورجہد مسلسل کے سبھی قائل ہیں،آپ کی علمی وسیاسی سوجھ بوجھ اوراصابت رائے کا سبھی لوہا مانتے ہیں،آپ اپنی تدریسی،تحریری،تقریری وانتظامی صلاحیت کو اپنی

فطری خاکساری وسادگی کے چادر میں چھپائے رہے،اپنی ہشت پہل شخصیت یا نامور مصنف یا مفتی اعظم ہونے کا رعب کبھی ظاہر ہونے نہیں دیا،یہ ان کی انفرادیت تھی جو مستقبل میں کوئی مصنف اہل قلم اس پہلو پر روشنی ڈالے گا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا دوہرا جسم،اوسط قدو قامت کھلا ہوا رنگ

کشادہ پیشانی،سفید اور ہلکی ڈاڑھی،موٹے چشمے کے نیچے روشن وذہین آنکھیں مستقبل کی تابناکی کو جھانکتی ہوئی،دوپلی ٹوپی سفید کرتا،پائجامہ،کرتا نصف پنڈلی اس کے نیچے تک پاجامہ،گاہ اس کرتے پر کبھی کبھی شیروانی بھی زیب تن،ہاتھ میں عصائے پیری،مہمان نواز،نرم خو،نرم گفتار،بڑوں کا بیحد احترام کرنے والے،چھوٹوں پر حددرجہ شفیق ومہربان،ہمت وحوصلہ افزائی کرنے والے،تواضع وانکساری کا مجسم پیکر،ذکرواوراد کا خاص اہتمام،سادہ مزاج،سادہ دل،سادہ زبان،رہن سہن سادہ،کھان پان سادہ،سادہ تحریر کے نامور مصنف زندگی بھر قرطاس وقلم کی رفاقت،دارالعلوم دیوبند اوردارالعلوم ندوہ لکھنؤ کے کتب خانہ کو ترتیب دینے والے ماہر لائبریرین،وقت کی قدر کرنے والے،ہزاروں صفحات لکھنے والے،علم و تحقیق کا کام کرنے والے علماء کیلئے نمونہ،یہ ہیں محترم حضرت مفتی ظفیرالدین مفتاحی صاحبؒ میرے چھوٹے ماموں،جوبچپن ہی سے حوصلہ وہمت بڑھانے والے مخلص مربی ومشیر،میری علمی ملی اصلاحی وتعمیری کاموں کے سرپرست اور قدر کرنے والے،پیار ومحبت سے مزاحاً لیڈر سے خطاب کرنے

والے ہمارے آبائی گاؤں روپس پور کا دشوار گذار سفر کرکے ہماری لائیبریری، اسکول، مکاتب، بلاسودی فنڈ کے کاموں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے اور دعائیں دیتے۔

آہ! اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے جو قدم قدم پر حوصلہ افزائی کرتے، دیوبند میں مزید تعلیم کا مشورہ دیتے، دوچار سال پہلے فرمایا جب وہ دیوبند میں مقیم تھے، کہ مسجد رشید دارالعلوم ہندوستان کا دوسرا تاج محل ہے جسے ہمارے مولانا عبدالخالق مدراسی نے اپنی نگرانی میں تعمیر کروایاہے، دیکھ لو، مگر افسوس ہے کہ جب وہ دیوبند میں تھے حاضری نہیں ہوسکی ان کے مرنے کے بعد ۱۷/اپریل کو دیوبند جاکر مسجد رشید میں حاضری ہوئی نماز باجماعت اداکرنے کا موقع ملا، نماز شکرانہ بھی اداکیا، اور حضرت مفتی صاحب کیلئے دعاء مغفرت کی، نئی دہلی ایوان غالب میں مفتی صاحب کے انتقال پر تعزیتی جلسہ میں شرکت کا موقع ملا، مفتی عزیزالرحمن چمپارنی شیخ الحدیث جامعہ رحیمیہ مہندیان میر درد روڈ نئی دہلی تعزیتی جلسہ کے محرک تھے،

حضرت مفتی صاحب ؒ کی پیدائش ۲۱/شعبان ۱۳۴۴ھ مطابق ۷/مارچ ۱۹۲۶ء کو پورہ نوڈیہا ضلع دربھنگہ (بہار) میں ہوئی، پورہ نوڈیہا دربھنگہ ٹاؤن سے پورب پانچ چھ کیلو میٹر کے فاصلہ پر کملاندی کے کنارے واقع ہے، آپ کے والد کانام جناب شمس الدین مرحوم ہے، جو دربھنگہ میں

ریلوے ملازم تھے،والدین نے گاؤں کے مکتب میں بٹھایا،جہاں مولوی محمد یوسف صاحب سے ہندی پڑھنا سیکھا،پہاڑے بھی یاد کئے،پھر قواعد بغدادی اور عمّ پارہ پڑھا،مفتی صاحب کے چچا زاد بھائی مولانا عبدالرحمن صاحب اس وقت پڑھ رہے تھے،۱۹۳۰ء میں مدرسہ شمس الہدی پٹنہ سے فاضل کیا اور پورے بہار میں اس شان سے پاس کیا کہ وہ پوری یونیور سیٹی میں فرسٹ کلاس فرسٹ آئے،انہیں گولڈ میڈل انعام میں ملا،حضرت مفتی صاحب کی بڑی بہن سے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی شادی ہوئی،اس وقت وہ پڑھ ہی رہے تھے،حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کانام اخبار میں چھپ گیاتھا،اس لئے مدرسہ محمودیہ راج پور ترائی نیپال میں صدر مدرس کی جگہ پر بحال کرلیے گئے،گاؤں کی تعلیم کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ اپنے چچازاد بھائی مولانا عبدالرحمن صاحب کے ساتھ مدرسہ محمودیہ راج پور نیپال چلے گئے اور انہیں کی سر پرستی میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے لگے،دوڈھائی سال بعد حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب اپنے استاذ کے مشورہ سے مدرسہ وارث العلوم کریم چک چھپرہ میں صدر مدرس کی جگہ پر چلے آئے،مفتی صاحب کو بھی اپنے ساتھ وارث العلوم چھپرہ لیتے آئے،اسی مدرسہ سے حضرت مفتی ظفیرالدین صاحب ۱۹۳۸ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس ا لہدی پٹنہ سے فوقانیہ اور مولوی کا امتحان امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے،اس زمانے میں پورے بہار کامرکز امتحان پٹنہ ہی میں ہوا کرتا تھا،ہمارے بڑے بھائی

علی احمد مرحوم(والدجناب عبدالباری صدیقی اپوزیشن لیڈر بہار اسمبلی پٹنہ)اس وقت مفتی صاحب ہی کے ساتھ مدرسہ وارث العلوم چھپرہ میں پڑھتے تھے،وہ کہتے تھے کہ مفتی صاحب شروع ہی سے لکھنے پڑھنے میں محنت کرتے تھے،عصر کے بعد ہم لوگ تفریح میں چلے جاتے اور حضرت مفتی صاحبؒ کچھ نہ کچھ لکھتے پڑھتے تھے،یہی وجہ ہے کہ وہ نامور مصنف ہیں۔ مفتی صاحب اپنے ساتھیوں میں سب سے آگے تھے،وہ ذہین وفطین کے ساتھ محنتی بھی تھے حالانکہ اس وقت کے سبھی لڑکے تیزوذہین تھے،حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی نگرانی اور خاص توجہ کا ہی اثر ہے کہ حضرت مفتی صاحب مستقبل میں علمی دنیا کے نامور عالم ومصنف بنے۔

☆شہر چھپرہ میں مسلم لیگ کا زور تھا،مولانا عبدالرحمن صاحب جمیعۃ علماء کے پلیٹ فارم سے جنگ آزادی کی تحریک میں سرگرم تھے،ایک موقع پر مولانااحمد سجادؒ کی تحریک پرچھپرہ میں جمیعۃ کانفرنس کا اعلان ہوا،مسلم لیگ والے سخت مخالف تھے،مگر مفتی ظفیرالدین صاحب نے اپنی جوانی کی شعلہ بیانی سے لوگوں میں جادوجگادیا،اور کانفرنس کامیاب ہوئی،اسی کانفرنس میں جمیعۃ علماء کا پرچم اور اس کے رنگ کا تعین ہوا،اور اسی کانفرنس سے جمیعۃ کاپرچم لہرانے لگا،مفتی ظفیرالدین صاحبؒ کو مولانا عبدالرحمن صاحب نے آگے کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی اور محدث

کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے مشورہ کے بعد انہیں کے مدرسہ مفتاح العلوم مئو یوپی میں داخل کیا،اور وہیں سے فراغت حاصل کی،کچھ دنوں کے لئے مئو کے بعد دارالعلوم ندوۃالعلماء میں پڑھااور پڑھایا بھی۔

مدرسہ مفتاح العلوم مئوسے ۱۹۴۴ء میں فراغت حاصل کی،

پھر ندوہ جاکر مولاناسید سلیمان ندویؒ سے علمی استفادہ کیا،آپ کے اساتذہ میں آپ کے چچازاد بھائی اور مربی وگارجین حضرت مولاناعبدالرحمن صاحب تھے،جو حضرت مولانا ریاض احمد چمپارنی،حضرت مولانا بشارت کریم صاحب اور حضرت شاہ نعمت اللہ عرف چاند شاہ میاں سے(اندرواں گوپال گنج)کے صحبت وتر بیت یافتہ تھے،خود مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے میں نے حضرت مولانا کی جماعت کبھی چھوٹتے نہیں دیکھا،وہ جتنے بڑے عالم اور فقیہ تھے اسی درجہ کے بزرگ متقی اور پرہیز گار تھے،یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی شخصیت پر اپنے چچازاد بھائی مولانا عبدالرحمن صاحب کا رنگ غالب تھا،حضرت مفتی صاحب کے مشہور ومعروف اساتذہ میں آپ کے شفیق ومربی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب امیر شریعت خامس بہار،اڑیسہ وجھاڑ کھنڈ،مجاہد ملت مولانا عبداللطیف نعمانی،محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی (مئو)ندوۃالعلماء لکھنؤ کے اساتذہ میں حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب،مولانا اسحاق سندیلویؒ،مولانا محمد ناظم ندوی،مولانا حمیدالدین صاحب،اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحبؒ

وغیرہ۔

حضرت مفتی صاحب کی تعلیم وتربیت اور نگرانی کیلئے آپ کے چچازاد بھائی مولانا عبدالرحمن صاحب نے خط وکتابت سے رابطہ قائم رکھا،اور خبر گیری کرتے رہے،اسی محبت وشفقت کا اثر رہاکہ جب بھی حضرت امیر شریعت اپنے گاؤں آتے اور مفتی صاحب گھر موجود رہتے فوراً چائے ناشتہ کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے،ایک دوسرے سے محبت واحترام کا سلوک کرتے،ہمیشہ مفتی صاحب اکرام واحترام کیلئے مسجد میں امامت آپ کریں تو آپ کریں، آخر میں حضرت مفتی صاحب حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جب تک رہتے امامت کرتے۔

دیوبند میں انقلاب آیا تو ان کے علمی اثاثے کے ساتھ دیگر سامان بھی برباد ہوگئے،کچھ سامان تو واپس بھی مل گئے مگر ان کی آپ بیتی کامسودہ نہیں ملا،جس کا صدمہ انہیں مرتے دم تک رہا،انقلاب کے بعدبالکل ٹوٹ سے گئے،فرماتے ہماری آپ بیتی کوئی اپنے نام سے بھی چھاپ دیتا،اس موقع پر اپنے مربی مولانا عبدالرحمن صاحب سے مشورہ لیا کہ دیوبند جائیں یادیوبند کے بدلے امارت میں رہیں،حضرت مولانا نے مشورہ دیاکہ دیوبند جائیں اور مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا سیدمنت اللہ رحمانی صاحبؒ امیر شریعت رابع سے بھی مشورہ کرلیں کہ یہ دونوں مجلس شوری کے اہم رکن ہیں،چنانچہ

انقلاب کے بعد بھی اخیر عمر تک مکمل پچاس برس دیوبند کی علمی خدمات کو انجام دیا۔

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب اپنے خاندان میں سب سے بڑے اور خاندان کے گارجین تھے،ہمارے گھر کے بھی یہی دونوں بھائی گارجین وسرپرست رہے،یہی وجہ ہے کہ ان دونوں آدمیوں سے رشتہ داری وبرادری پرانی ہے اور دونوں بزرگ کی صاحبزادی کی شادی ہمارے گھر میں ہے،مفتی صاحب کی بڑی صاحبزادی بی بی حسنیٰ صدیقہ ہمارے بڑے بھائی الحاج سعید احمد صاحب کے نکاح میں ہے،اور حضرت امیر شریعت مولانا عبدالرحمن صاحب کی چھوٹی صاحبزادی بشریٰ صالحہ کی شادی مجھ سے ہے،دونوں بزرگ ایک دوسرے کا بیحد احترام واکرام کرتے،خاندانی مسائل شادی بیاہ میں باہم مشورہ کرتے،ایک مرتبہ میں مسلم فنڈ ٹرسٹ اور انجمن تعمیر ملت رجسٹرڈ کے صدر کیلئے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سے گذارش کیا تو انہوں نے اپنے خط میں لکھاکہ مفتی ظفیرالدین صاحب دیوبند سے آرہے ہیں اللہ نے انہیں شہرت اور ناموری سے نوازاہے انہیں کو صدر بناؤ، مجھ گمنام کو چھوڑو۔

حضرت مفتی صاحب جب بھی دیوبند سے آتے یا گھر سے دیوبند جاتے وقت مدرسہ حمیدیہ گودنا جاکر حضرت سے ملاقات کرتے،بیماری کی حالت میں خبر گیری کرتے،

ہمارے یہاں پرانی رشتہ داری تھی جس کی وجہ سے سال میں ایک مرتبہ ضرور دونوں حضرات حسب موقع تشریف لے جاتے،چھوٹا موٹا جلسہ کا انعقاد کردیتے،اشتہار تقسیم کرادیتے لوگوں کو حیرت ہوتی کہ دیوبند اور امارت شرعیہ کے امیر روپس پور جیسے گمنام گاؤں کس اثرورسوخ کی بنا پر آجاتے ہیں،کم ہی لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ دونوں بزرگ ہمارے رشتہ دار ہیں،حضرت مفتی صاحب ہماری تعلیمی اصلاحی تحریک اور اسکول ومکاتب،مسلم فنڈ،لائبریری،دیکھ کر ہمت افزائی کرتے اور خوشی کا اظہار کرتے،مشوروں سے رہنمائی کرتے،ہمدردی کا اظہار کرتے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی نماز جنازہ جناب پروفیسر مولانا سعود عالم قاسمی شعبۂ دینیات علی گڈھ مسلم یونیورسیٹی نے پڑھائی،نماز جنازہ میں سیکڑوں علماء ودانشور حضرات شریک ہوئے،حضرت مفتی صاحبؒ مدرسہ شمس العلوم پورہ کے احاطہ میں سپرد خاک ہوئے،اللہ ان کی مغفرت کرے (آمین)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پے روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دادا جان کی کہانی سب سے چھوٹے پوتے کی زبانی

افضل سجاد ظفیر
درجہ نہم ہیرو انگلش اسکول، دربھنگہ

میں دادا جان (حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) کو ان کی وفات کے بعد اچھی طرح سمجھ سکا، ان کی شخصیت کو جانتا تھا ان کے لاڈ پیار کو اچھی طرح محسوس کرتا تھا، مگر ان کے فن اور خوبیوں سے ناواقف تھا

دادا جان ہر سفر میں کم از کم دو مرتبہ میری دادی جان اور اپنے ابا اور اماں کی قبر پر فاتحہ پڑھنے ضرور جایا کرتے تھے، کہا کرتے تھے مجھے اپنے ابا سے بڑی عقیدت ہے، چونکہ قبرستان دور ہے، اس لئے رکشہ سے جایا کرتے تھے، جب دادا جان گھر رہتے تو مہمانوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہتا، میں دادا جان کے ساتھ بیٹھا رہتا تھا اس لئے میرا تعارف مہمانوں سے ضرور کراتے تھے، یہ میرا چھوٹا پوتا افضل میرا اسکریٹری ہے، چائے ناشتہ شوق سے کراتے اور اصرار کے ساتھ کھانا کھلاتے، ہر مہمان کو بڑی صاف گوئی سے کہتے کہ اگر شب میں قیام کرنا ہے تو شوق سے رہیں اور اگر واپس جانا ہے، تو شام کو سویرے نکلیں تاکہ رات ہونے سے پہلے گھر پہونچ جائیں، جو مہمان شام دیر سے نکلنا چاہتے انہیں جانے کے لئے کسی قیمت پر اجازت نہیں دیتے، آپ کی موجودگی میں گھر میں

کھانے کا اہتمام ضرور ہوتا تھا، مگر دادا جان زیادہ اہتمام پسند نہیں کرتے تھے ،سادگی ان کی صفت تھی، کھانا بھی سادہ پسند فرماتے تھے ،اگر ہم بھائی بہنوں میں سے کوئی دادا جان کو اور کھانے کے لئے کہتے تو فرماتے ،کم کھانے سے انسان زیادہ دنوں تک زندہ رہتا ہے ،"خوردن برائے زیستن" ان پر صادق آتا تھا۔۔۔۔

☆ اسٹیشن جانے کے لئے وقت سے بہت پہلے گاڑی آجاتی ،پھر بھی دادا جان بار بار گاڑی والے (قادر بھائی) کو فون کرواتے اور خود صبح سے ہی جانے کے لئے تیار بیٹھے رہتے ،اسٹیشن گاڑی سے ایک گھنٹہ پہلے ضرور پہونچ جایا کرتے۔۔۔

☆ اگلی بار دادا جان سردیوں میں تشریف لائے تھے ،سردی زیادہ تھی اس لئے دادا جان باہر کم جایا کرتے تھے ،اور عشا اور فجر کی نماز گھر میں ہی پڑھتے تھے ،وضو کے لئے پانی گرم کیا جاتا، مغرب سے پہلے کچھ لکڑی جلائی جاتی ،رات میں انگیٹھی جلتی تھی ،سونے سے پہلے ہر حال میں انگیٹھی بجھا کر نکال دی جاتی ،آگ کمرے میں رہنے نہیں دیتے تھے ،فرماتے ،حدیث میں رات میں گھر کے اندر آگ رکھنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے ،۔۔۔۔

☆ داداجان کے جانے کے بعد ان کی یادیں ،ان سے جڑے واقعات قصے کہانیاں ہم لوگوں کی گفتگو کا موضوع بن جاتا ،۔۔۔میں صرف سامع تھا ،کچھ باتیں سمجھتا اور کچھ نہیں سمجھتا تھا، مگر خوشی ضرور محسوس کرتا تھا ،ان دنوں کو یاد کرکے میں چاہتا ہوں ،آج اپنے قارئین کو اپنے قصے سناڈالوں:

☆ میرے کچھ ہوش وحواس کے زمانے کا واقعہ ہے جو مجھے آج تک ان کی یاد دلاتا ہے ،ہوا

یوں کہ ایک بار داداجان نے مجھ کو پانی پلانے کو کہا، پانی لا کر میں داداجان کو بائیں ہاتھ سے دے رہا تھا، اس پر ناراض ہوگئے، کوئی بھی چیز دائیں ہاتھ سے دی جاتی ہے، یہ بات میرے ذہن میں نقش ہوگئی، اب کسی کو پانی یا چائے بڑھاتا ہوں تو یہ واقعہ ضرور یاد آجاتا ہے،

☆ داداجان روشن ضمیر انسان تھے، سچ بولنے کی بڑی ہمت رکھتے تھے ، سادگی ان کی اعلیٰ صفت تھی، امیر غریب، ہندو مسلم میں فرق نہیں رکھتے تھے، ان میں تکلف نام کی کوئی چیز نہیں تھی، ان سے جڑا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، جس سے ان کی شخصیت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، ایک مرتبہ دادا جان کہیں سے رکشہ سے آئے، کھانے کا وقت تھا ،رکشہ والے کو جو غیر مسلم تھا، باصرار اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلایا، جب وہ چلا گیا تو دادا جان کے ایک شاگرد نے عرض کیا "حضرت آپ نے اس کو اپنے ساتھ بیٹھا کر کیوں کھلایا، وہ غیر مسلم تھا، اور اس کے کپڑے کس قدر گندے تھے، داداجان نے فرمایا" وہ بھی ہم جیسا انسان ہے، اسلام حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے، حضور نے تو کافروں کی غلاظتیں صاف کیں، یاد رکھو اسلام کی اشاعت میں حسن اخلاق کا سب سے زیادہ دخل ہے، افسوس ہے کہ مسلمانوں میں یہ خوبی بہت کم ہوگئی ہے، اسی لئے اس کی حالت بدتر ہے،

☆ داداجان حق بات بولنے میں ذرا بھی جھجھکتے نہیں تھے، بے خوف ہو کر بولتے تھے، اور سننے والے حیرت زدہ رہ جاتے تھے، اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے، غالباً ۱۹۷۶ء میں جب ملک میں سیاسی حالات کروٹ لے رہے تھے، مرکز کے علاوہ

بہار میں بھی کانگریسی حکومت تھی ،ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا وزیر اعلیٰ تھے ،ملک میں ایمر جنسی نافذ ہونے کے بعد عوام میں بے چینی تھی،الیکشن کا وقت قریب تھا،بہار سرکار نے مدرسہ بورڈ کے فوقانیہ ،مولوی ،عالم اور فاضل کی ڈگریوں کو میٹرک ، آئی اے ،بی اے اور ایم اے کی برابری کا درجہ دیا تھا،اس وقت مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے زیر اہتمام ایوب گرلس ہائی اسکول کے میدان میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا،جس میں مسلم یونیورسیٹی علی گڈھ ،جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ،ندوۃ العلماء لکھنؤ ،کے علاوہ دارالعلوم دیوبند سے علماء اور دانشوروں کو مدعو کیا گیا،وزیر اعلیٰ کے علاوہ بہار کے وزراء اور مسلم ممبران پارلیامنٹ حضرات شامل تھے ،دیر رات تک اجلاس چلتا رہا،دارالعلوم دیوبند سے مولانا حامد الانصاری غازی صاحب اور دادا جان مدعو تھے ،اکثر لوگوں کی تقریریں کانگریس کی تعریف سے شروع اور ڈاکٹر جگن ناتھ مشرااور شمائل نبی کے قصیدہ پر ختم ہوئی،اخیر میں دادا جان کو تقریر کی دعوت دی گئی،انہوں نے تقریر بہت انوکھے انداز سے شروع کی ،انہوں نے کہا کہ ملک کی آزادی کی طرف سب سے پہلے مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے فتویٰ کے ذریعہ راغب کیا،حاجی امداداللہ مہاجر مکی ، شیخ الہند مولانا محمود حسن تک بلکہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی تک ہزاروں علماء کرام کا جنگ آزادی میں کردار واضح کیا،علماء صادق پور کی خدمات کا حوالہ دیا،شاملی کی جنگ آزادی ،ریشمی رومال تحریک کے مقاصد پر روشنی ڈالی ،بتایا کہ بہت سارے علماء اس لڑائی میں شہید اور جلاوطن ہوئے ،انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوستان کی آزادی کی جنگ میں سب

سے بڑا حصہ علماء کا رہا ہے، اس کے بعد آزادی کے تیس سال بعد اگر ہمیں کچھ حق ملا، تو یہ ہم پر کچھ احسان نہیں، یہ تو ہمیں بہت پہلے ملنا چاہئے تھا، تقریر کے دوران اور اختتام پر مفتی ظفیر الدین زندہ باد کے نعروں سے پنڈال گونجتا رہا، لوگوں میں عجب طرح کا جوش وولولہ پیدا ہو گیا، اور اس کے بعد کانگریسی وزیروں کا جو حال ہوا وہ دیکھتے بنتا تھا، (یہ واقعہ میں نے ابا جان سے سن کر لکھا ہے جو اس اجلاس میں موجود تھے ،) ایسے بہت سے واقعات ہیں جو دادا جان کی حق گوئی اور بے باکی کی مثال ہیں، اپنی یادداشت تحریر کر کے مفتی ظفیر الدین اکیڈمی کو بھیج دیں، تو سوانح نگاری میں بہت مدد ملتی۔ ☆ دادا جان اگر سچ بولنے کی ہمت رکھتے تھے تو وہیں بڑے ایماندار آدمی بھی تھے ، ان کی ایمانداری ہیرے کی طرح روشن اور سخت تھی، ایک بار کا واقعہ ہے جب ایک نیوز چینل (زی نیوز) نے مفتیان کرام کو بدنام کرنے کی سازش کی نوعیت یہ تھی کہ ایک شخص مفتیان کے پاس جاتا اور اپنے پاس نہ دکھائی دینے والا کیمرہ چھپا کر جاتا، جب کسی مفتی کے پاس جاتا تو کہتا حضرت فتویٰ لکھوانا ہے ، اور یہ کہہ کر سامنے بیٹھے شخص کو چپکے سے پیسے بڑھا دیتا، اس طرح کئی نامور مفتیوں کو بدنام کرنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن جب دادا جان کے پاس پہونچا اس وقت آپ وضو کر کے اٹھ رہے تھے ، اس رپورٹر نے استفتا اور روپے دینے چاہے تو دادا جان نے اس کو ڈانٹتے ہوئے جھٹک دیا اور رعب دار آواز میں ان سے کہا، آج تک ظفیر نے کسی سے ایک دھیلا نہیں لیا تم کیا چیز ہو، یہاں پیسہ نہیں لیا جاتا ہے، استفتا جا کر دارالافتا میں جمع کر دو، جواب پہونچ جائے گا، یہ منظر (ٹی وی) کے اسکرین پر بار بار

دکھائی جانے لگا، دیوبند کے اہل علم حضرات کو جب پتہ چلا تو رات میں اسی وقت دوڑے ہوئے دادا جان کے پاس آئے، شکریہ ادا کیا کہ حضرت آپ نے دارالعلوم اور علماء کرام کی عزت بچالی، آپ نے یہ اندازہ لگایا کہ صبح ہوتے ہی بھیڑ جمع ہونی شروع ہو جائے گی ،اور میرے اعزاز سے دوسرے لوگوں کی سبکی ہو گی، تو راتوں رات دہلی چلے گئے ،اس واقعہ سے متأثر ہو کر مشہور فلم ساز مہیش بھٹ نے کہا تھا، "اس تنہا بوڑھے شخص نے پوری قوم کو بدنامی سے بچالیا" یہ واقعہ تقریباً ۲۰۰۵ء یا ۲۰۰۶ء کا ہے ،(بحوالہ چھوٹے ابا ڈاکٹر ابوبکر عباد و مولانا مجتبیٰ قاسمی) یہی وہ خصوصیات ہیں جو دادا جان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں،۔۔۔۔

☆ ایک دفعہ دادا جان سے ملنے حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب تشریف لائے، تقریباً تین بجے وہ گھر آئے، ابا جان گھر موجود نہیں تھے، ساری ذمہ داری میری ماں اور بہنوں پر تھی، جسے انہوں نے بخوبی انجام دیا، بہت خوشی اور اپنائیت کے ساتھ دیر تک دادا جان اور مولانا رحمانی میں گفتگو ہوتی رہی، باہر کافی بھیڑ جمع ہو رہی تھی، حضرت مولانا لی رحمانی کے باڈی گاڈوں نے اسے سنبھالا، واپس جانے سے پہلے حضرت مولانا ولی رحمانی صاحب دادا جان کی جیب میں پیسے رکھ رہے تھے، دادا جان نے کہا پیر جی! اس کی ضرورت نہیں ،دعاؤں کی ضرورت ہے، مولانا رحمانی صاحب نے کہا حضرت میرا ابھی کچھ حق بنتا ہے؟ دعائیں تو کرتا ہی ہوں کرتا رہوں گا، یہ بچوں کی مٹھائیوں کے لئے ہے، دادا جان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آواز بھرا گئی۔

☆ دادا جان کی طبیعت خراب ہونے لگی، تو ایک دن رضوان بھیا سے کہا میری سب اولاد کو بلاؤ، دادا جان سب سے ملنا چاہتے ہیں، دوسرے تیسرے دن سب گھر پر موجود تھے ،شاید یہ آخری موقعہ تھا جب دادا جان نے اپنی ساری اولاد کو ایک ساتھ دیکھا، بہت خوش ہوئے، مجھے ایسا لگا کہ دادا جان ان لمحوں کو جانے دینا نہیں چاہتے، مگر وقت ہاتھ سے پھسلتے ہوئے ریت کی طرح نکل گیا، دھیرے دھیرے سارے لوگ دادا جان کو الوداع کہہ کر چلے گئے، دادا جان صحت یاب نہیں ہو سکے، اور ان کی علالت کا دور شروع ہو گیا، اب نہ وہ مسجد جا سکتے تھے، نہ ہی مدرسہ، مجھ میں اور دادا جان میں کچھ فرق نہیں رہ گیا تھا، میری ہی طرح دادا جان بھی ایک معصوم بچہ بن گئے، دادا جان کی صحت خراب ہونے سے مجھے بہت تکلیف ہوئی، لیکن گھر میں ابھی بھی رونق تھی دادا جان کہا کرتے تھے "میں اس گھر کی چوکیدار کی طرح حفاظت کرتا ہوں، اور ہم تمام بھائی بہنوں کا اعتقاد تھا کہ ان کے رہتے ہوئے امریکہ جیسا سوپر پاور ملک بھی حملہ کرنا چاہے تو اسے دادا جان کی دعائیں پسپا کر دیں گی، ۔۔۔۔۔میں دادا جان کا سکریٹری تھا، اس لئے ہر وقت ان کے پاس موجود ہوتا تھا، میرا کام تھا دادا جان کو پانی پلانا، سب کی حالت بتانا، بچوں کے بارے میں بتانا ،موسم کی جانکاری دینے کے علاوہ ان کے حکم سے نبض دیکھنا، جب میں نبض پر انگلیاں رکھتا تو پوچھتے میں اور کتنے دن زندہ رہوں گا؟ میں جواب دیتا آپ کم سے کم دس سال زندہ رہیں گے، اس پر مسکرا کر کہتے "تم لوگ مجھے اور کتنے دنوں تک زندہ رکھو گے،

☆ ۳۱ / مارچ ۲۰۱۱ء کو ڈھائی بجے میرے گھر میں پھر بہت بھیڑ تھی، دادا جان کی طبیعت

زیادہ خراب ہو گئی ،ڈاکٹر جا چکے تھے ، بھیڑ کی وجہ سے ابا جان نے اندر سے کمرہ بند کر لیا ، قرآن شریف کی تلاوت کی ہلکی ہلکی آواز باہر سے سنائی دے رہی تھی ، پھر خاموشی چھا گئی ، کچھ ہی دیر بعد فرحت باجی اور ریحانہ بوا باہر آئیں اور زور زور سے رونے لگیں ،انہیں روتے دیکھ کر سب رونے لگے ،رونے اور ہچکیوں کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی تھیں مگر دادا جان کی موت کا یقین مجھے نہیں ہو رہا تھا، آہستہ آہستہ گھر میں بھیڑ بڑھتی گئی ،اور ساتھ ہی دادا جان کی خاموشی کی وجہ سے کہیں زیادہ سناٹا چھاتا چلا گیا، آج بھی عید آتی ہے ، ہم خوب تیاری کرتے ہیں، غسل کرتے ہیں ،نئے نئے کپڑے پہنتے ہیں ،خوشبو لگاتے ہیں ، قاری صاحب ابا چغہ پہن کر آتے ہیں ،اور ہم دادا جان کو سلام کرنے جاتے ہیں ،ان کے کمرے میں نہیں بلکہ ان کے مزار پر۔

سوانحی خاکہ

جناب مولانا اشتیاق احمد صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

نام:۔ حضرت مفتی محمد ظفیرالدین ابن جناب محمد شمس الدین صاحبؒ۔

ولادت:۔ ۷/مارچ ۱۹۲۶ء مطابق ۱۲/شعبان ۱۳۴۴ھ۔

وفات:۔ ۳۱/مارچ ۲۰۱۱ء مطابق ۲۵/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ۔

وطن:۔ پورہ نوڈیہا، دربھنگہ (بہار)۔

تعلیم گاہ:۔ گاؤں کا مکتب، مدرسہ محمودیہ راج پور نیپال، مفتاح العلوم مئو، ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

فضیلت ودستار:۔ ۱۹۴۴ء میں مفتاح العلوم سے فارغ ہوئے، حضرت مولانا فخرالدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے سر پر دستار باندھی۔

اساتذہ:۔ میاں جی محمد یوسفؒ، حافظ محمد میاں، مولانا عبدالرحمن صاحبؒ (چچازاد بھائی) محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ، مولانا عبداللطیف نعمانیؒ، مولانا محمد یحیٰ اعظمی،، مولانا شمس الدین مئی، مولانا حلیم عطا شاہؒ، مولانا محمد ناظم ندویؒ، مولانا محمد اسحاق سندیلویؒ، مولانا جنید الدینؒ، مولانا شاہ محمد حبیبؒ، مولانا طیب صاحبؒ، مولانا نظیرؒ، مولانا سید محمد علیؒ وغیرہ۔

تدریس:۔ مدرسہ وارث العلوم چھپرہ، مفتاح العلوم مئو، مدرسہ معدن العلوم نگرام لکھنؤ، مدرسہ معینیہ سانحہ بیگو سرائے، مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات، دارالعلوم دیوبند۔

زمانۂ تدریس:۔ چھیاسٹھ (۶۶) سال

احسان وسلوک:۔ حضرت تھانوی ؒ(مراسلاتی) سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ۔

خلافت واجازت:۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب ؒ، مولانا فضل اللہ صاحبؒ (مولانا محمد علی مونگیری ؒ کے پوتے)

خدمات:۔ (۱) شعبۂ تصنیف وتالیف میں ۱۳۷۶ھ میں آٹھ ماہ رہے، ایک کتاب تصنیف فرمائی، "جماعت اسلامی کے دینی رجحانات"

(۲)۔ اس کے بعد دارالافتاء میں بحیثیت "مرتب فتاوی" رہ کر بارہ جلدوں میں "فتاوی دارالعلوم" کو ترتیب فرمایا، تین ماہ بعد نائب مفتی کا عہدہ بھی تفویض ہو گیا،

(۳)۔ ۱۳۸۳ھ میں مرتب کتب خانہ "کی حیثیت سے کتب خانہ کو ترتیب دیا۔

(۴)۔ ۱۳۸۴ھ میں شعبہ "مطالعہ علوم قرآنی" اور "مطالعۂ تصانیف نانوتویؒ" کی نگرانی آپ کے سپرد ہوئی۔

(۵)۔ ۱۳۸۵ھ سے ۱۴۰۲ھ تک باضابطہ "رسالۂ دارالعلوم" کا اداریہ لکھا۔

(٦)۔ عربی ماہنامہ ”الداعی“ کی نگراں کمیٹی میں بھی شریک رہے۔
(٧) محکمۂ ”دارالقضاء“ قائم ہوا، اس کی بھی نگرانی فرمائی۔
(٨)۔ مخطوطات کا تعارف“ دو جلدوں میں مرتب فرمایا۔
(٩)۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مخطوطات کا تعارف بھی تحریر فرمایا۔
(١٠)۔ مسلم پرسنل لاء کی طرف سے ترتیب دیئے جانے والے ”مجموعۂ قوانین اسلامی“ کی تیاری میں شریک رہے۔
(١١) تقریباً تیس (٣٠) سال تک دارالقضاء میں رہے، اور تقریباً ایک لاکھ فتاوی تحریر فرمائے۔

تصانیف

(١)۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند (١٢ جلدیں)
(٢) اسلام کا نظام مساجد
(٣) اسلام کا نظام عفت و عصمت
(٤)۔ اسلام کا نظام امن
(٥)۔ اسلام کا نظام تعلیم وتربیت
(٦)۔ اسلام کا نظام تعمیر سیرت (نسل کشی)
(٧)۔ اسلامی حکومت کے نقش ونگار
(٨)۔ تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانیؒ
(٩) تذکرۂ مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ

(۱۰)۔امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب

(۱۱)حکیم الاسلام اور ان کی مجالس

(۱۲)تعارف مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیوبند(دوجلدیں)

(۱۳)۔تعارف مخطوطات ندوۃ العلماء، لکھنؤ (۱۴)۔مشاہیر علمائے دیوبند

(۱۵)دارالعلوم کا قیام اور اس کا پس منظر (۱۶)حیات مولانا گیلانیؒ

(۱۷)اسلامی نظام معشیت (۱۸)تاریخ المساجد

(۱۹)جماعت اسلامی کے دینی رجحانات

(۲۰)جرم وسزاکتاب وسنت کی روشنی میں

(۲۱)اسوۂ حسنہ (مصائب سرکار دوعالم ﷺ) (۲۲)زندگی کا علمی سفر

(۲۳)ترجمہ درمختار(تاکتاب الطلاق) (۲۴)۔درس قرآن مکمل

(۲۵)مسائل حج وعمرہ (۲۶)تاریخی حقائق

(۲۷)مشاہیر علمائے ہند کے علمی مراسلے

(۲۸)حضرت نانوتویؒ ایک مثالی شخصیت

(۲۹)جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند کااجمالی تعارف

(۳۰)۔امارت شرعیہ کتاب وسنت کی روشنی میں

(۳۱)۔تفسیر حل القرآن پر عنوانات کااضافہ

ان کے علاوہ سیکڑوں مقالات ومضامین جو علمی ودستاویزی

رسالوں میں شائع ہوئے۔

(۳۲)دارالعلوم دیوبند ایک عظیم مکتب فکر (۳۳)۔اسلا م کا نظام حیات

(۳۴)اسلامی زندگی کے آثارونقوش

(۳۵)جنگ آزادی کا ایک یاد گار سفر

(۳۶)۔ہندوستان میں نظام تعلیم وتربیت(مولانا گیلانیؒ) پر عناوین وحواشی

(۳۷)تحریک مودودیت یا جماعت اسلامی (۸۳)۔شیخ الہندؒ کی علمی زندگی

(۳۹)نفقۂ مطلقہ کا شرعی حکم (۴۰)نفقۂ مطلقہ اور اسلام

(۴۱)ایک جامع کمالات شخصیت(حضرت قاری محمد طیبؒ) (۴۲)دینی عقائد

(۴۳)دارالعلوم دیوبند کی صدسالہ خدمات کی نمائش (کتابی شکل میں بھی)

علمی خدمات واحوال

مفتی صاحب کی شخصیت کی تعمیر میں مفتاح العلوم مئو کا حصہ

ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو یوپی

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین ایک غریب اور دیندار گھرانے کے چشم وچراغ تھے، آپ کی شخصیت اس دور میں صوبۂ بہار کے لئے سرمایۂ افتخار تھی، آپ نے اپنی زندگی کا سفر ایک معمولی اور غریب طالب علم کی حیثیت سے شروع کیا اور شب وروز کی محنت سے غیر معمولی ترقی کرتے ہوئے فضل وکمال کے بلند مقام تک پہونچے، انہوں نے علم وفن کی جو یادگار اور بیش بہا خدمات انجام دی ہیں وہ ہمیشہ یادر کھے جانے کے لائق ہیں۔۔۔

مفتاح العلوم میں داخلہ کے محرک کے بارے میں مفتی صاحب نے خود تحریر فرمایا ہے کہ:

"اس مدرسہ میں مجھے حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی کی تدریسی شہرت ومقبولیت لے گئی تھی[28]

مفتی صاحب نے جس وقت مفتاح العلوم میں داخلہ لیا تھا، وہ عمارت کے لحاظ

28۔ زندگی کا علمی سفر ص ۲۷

سے مدرسہ کے غربت وافلاس کا زمانہ تھا، جامع شاہی میں مدرسہ کے قیام کو چند سال سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، عمارتوں کی فراوانی نہیں تھی، اور مدرسہ کی عمارت کے نام پر چند کمروں کے سوا کچھ نہ تھا، مفتی صاحب نے اسی چیز کو تذکرۂ مولانا عبد اللطیف نعمانی (ص ۱۰۲) میں اس انداز میں لکھا ہے:

"مولانا مدظلہ ۔حضرت مولانا الاعظمیؒ۔کے سوا سارے مدرسین کی درس گاہیں جامع شاہی میں تھیں، حضرت مولانا عبد اللطیف نعمانیؒ بھی جامع شاہی کے فرش پر ہی بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے"

مگر یہی دور مفتاح العلوم کا عہد زریں اور عہد شباب تھا، اگر چہ اس کے قیام کو چند سال سے زیادہ نہیں ہوئے تھے، مگر اس کا معیار تعلیم اس قدر بلند تھا، کہ اس کا شہرہ دور دراز علاقوں تک پہونچ چکا تھا، اور بے سر وسامانی کے باوجود درس وتدریس کا ایک اہم گہوارہ اور علم ومعرفت کا ممتاز مرکز بن چکا تھا، مفتی صاحب نے لکھا ہے:

"مفتاح العلوم کا یہ دور کہنا چاہئے تعلیمی شباب کا زمانہ تھا، ہر درجہ میں کافی طلبہ تھے، اور اساتذہ اسباق ومطالعہ کے باب میں بہت سخت"[29]

مفتاح العلوم کی اجمالی تاریخ

چونکہ مفتی صاحب مفتاح العلوم کے اس عہد کے فیض یافتہ ہیں جو اس کا عنفوان

---

[29] ۔ تذکرۂ مولانا عبد اللطیف نعمانیؒ ص ۱۰۱

شباب تھا، اور نہایت تیز رفتاری سے ترقی کے منازل طے کر رہا تھا، اور جس سے مفتی صاحب کی زندگی کی بہت سی یادیں اور خوشگوار لمحات وابستہ ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کی اجمالی تاریخ سپرد قلم کر دی جائے:

مفتاح العلوم کا قیام ۱۳۲۷ھ میں مولانا ابوالحسن مئوی (متوفی ۱۳۶۱ھ) کے دست مبارک پر عمل میں آیا، اسکا تاریخی نام "شمس الفیوض" رکھا گیا، مولانا مرحوم نے ۱۳۴۱ھ تک تقریباً ۱۴ سال تک نہایت خاموشی، سادگی اور توکل کے ساتھ جامع مسجد شاہی میں بیٹھ کر درس دیا، ۱۳۴۱ھ میں بعض ناگزیر اسباب کی بناپر یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، تین سال کے وقفے کے بعد ۱۳۴۴ھ میں مولانا نے از سرنو اس سلسلے کو جاری کیا، لیکن اس دفعہ جامع مسجد شاہی کو درسگاہ نہ بنا کر قریب کے ایک محلہ الہداد پورہ کی مسجد اس کے لئے تجویز کی گئی اور وہاں درس و تدریس کی بساط بچھائی گئی، ان دونوں جگہوں کے علاوہ کبھی کبھی احاطۂ شاہ محمد عمر (اورنگ آباد) میں بھی درس کا کاروبار انجام دیا جاتا، حضرت محدث الاعظمیؒ اپنی ایک یادداشت میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ مدرسہ ۱۳۲۷ھ میں قائم ہوا جیسا کہ اس کی پہلی مہر میں کندہ ہے، اس کا افتتاح جامع مسجد کٹرہ میں ہوا، لیکن نہ اس کا کوئی باضابطہ نظام تھا، نہ اس کی اپنی عمارت تھی، نہ سرمایہ، اس لئے اس کے بانی مولانا ابوالحسن عراقی کبھی اس کو جامع مسجد کٹرہ میں چلاتے تھے، اور کبھی احاطہ شاہ محمد عمر میں" [30]

---

[30] -حیات ابوالمآثر ج۱ ص ۱۶۰

اس کے بعد ۱۳۴۷ھ میں اس کے طالع بیدار نے انگڑائی لی، اس کا مقدر جاگا ، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا طائر شہرت آسمان کی بلندیوں میں پرواز کرنے لگا، حضرت محدث الاعظمیؒ اپنی اس مذکورہ بالا یادداشت میں آگے تحریر فرماتے ہیں:

شوال ۱۳۴۷ھ سے مدرسہ نے ترقی کی طرف دوسرا قدم اٹھایا۔۔۔۔یہ وہ دور ہے جب میں نے مدرسہ کی طرف توجہ کی اور اس کا انتظام عملاً میں نے سنبھالا ،۔۔۔اس لئے کہ مولوی ابوالحسن صاحب اس وقت حج کے لئے حجاز چلے گئے تھے" [31]

مولانا محمد ایوب اعظمیؒ (متوفی ۱۴۰۴ھ م ۱۹۸۴ء) حضرت محدث اعظمیؒ کے رفیق ومعاون تھے ،اور جب آپ نے ۱۳۴۷ھ میں مدرسہ مفتاح العلوم کی نشأۃ ثانیہ کرتے ہوئے اس کو شاہراہ ترقی پر گامزن کیا، تو مولانا محمد ایوب صاحب کو جو اس وقت مدرسہ اسلامیہ دیوریا میں درس وتدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے لاکر مدرسہ کا انتظام ان کے سپرد کیا، مولانا محمد ایوب صاحب لکھتے ہیں:

مدرسہ پہلے الہداد پور کی مسجد میں تھا، مگر طلبہ کی کثرت وہجوم کی وجہ سے جامع مسجد شاہی کٹرہ میں منتقل کردیا گیا، جامع مسجد شاہی کا وسیع صحن وسائبان درسگاہوں کا کام دینے لگا، اس وقت مدرسہ کی مخصوص عمارت نہیں تھی، بیرونی طلبہ شہر کی مختلف مساجد کے کمروں میں ٹھہرائے جاتے تھے ،ان دونوں حضرات یعنی حضرت مولانا اعظمی (

---

[31] - حیات ابوالمآثر ج ا ص ۱۶۳-۱۶۲

مد ظلہ) وحضرت مولانا نعمانیؒ نے درس وتدریس کی خدمت سنبھالی اور اس حقیر کو انتظام وانصرام کی خدمت سپرد ہوئی ، ہم میں سے ہر ایک نے اپنی پوری و بھر پور صلاحیت واستعداد سے کام لیا، اور سر گرم عمل ہو گئے ،[32]

اور مولانا محمد ایوب صاحب مرحوم ہی روئداد مدرسہ از شوال ۱۳۴۷ھ تا ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ میں اس زریں دور کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"۱۳۴۴ھ سے پہلے کا جو زمانہ گذرا ہے ، وہ قابل اعتبار نہیں ، ۱۳۴۴ھ میں اس مدرسہ کے نظم ونسق کی دوبارہ تجدید ہوئی ، اس وقت سے مدرسہ نے ترقی کرنی شروع کی ،۔۔۔ پھر ۱۳۴۷ھ میں سہ بارہ نظم ونسق کی تجدید نے مدرسہ کو بڑی بڑی شاندار درسگاہوں کے دوش بدوش لا کھڑا کر دیا" ۔

مدرسہ کی اس نشأۃ ثانیہ ، تجدید اور غیر معمولی و تیز رفتا تعمیر وترقی میں حضرت محدث اعظمی کا کیا کردار رہا ہے اس کی سب سے زبردست اور وزن دار شہادت حضرت محدث اعظمیؒ کے بعد مدرسہ کی سب سے اہم شخصیت اور حضرت اعظمی کے ہمدم دیرینہ اور رفیق مولانا عبد اللطیف نعمانی مرحوم (متوفی ۱۳۹۲ھ م ۱۹۷۳ء) کی ہے ، جو ۱۳۸۷ھ کی مفتاحی ڈائری میں تحریر فرماتے ہیں:

"۱۳۴۷ھ میں جب شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے

---

32 - تذکرۂ مولانا عبد اللطیف نعمانیؒ ص ۴۵

اس طرف اپنی توجہ مبذل کی اور مدرسہ کو دوبارہ اس کے اصلی گھر (شاہی مسجد) منتقل کر کے ایک نئی زندگی دینے کی کوشش کی تو یہ مدرسہ بہت جلد ترقی کر گیا،۔۔۔ آپ نے ۱۳۴۷ھ سنہ سے ۱۳۷۰ھ سنہ تک مفتاح العلوم میں صدر مدرسی کے فرائض انجام دیئے، اور ۱۳۶۶ھ سنہ سے ۱۳۷۱ھ سنہ تک نظامت کا عہدہ بھی سنبھالا،[33]

یہاں مفتاح العلوم کی تاریخ نہایت اختصار کے ساتھ اس لئے لکھ دی تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ زریں اور سنہرا دور جس میں مفتی صاحب یہاں کے سر چشمہ علمی سے سیراب ہونے کے لئے وارد ہوئے اس وقت اس کی کیا کیفیت تھی، ابتدائی دور میں ہونے کے باوجود کس قدر بلند معیار کا حامل تھا، اس کی تعمیر و ترقی میں حضرت محدث الاعظمیؒ کا کیا عمل دخل تھا، اور اس میں کوئی شک نہ رہے کہ اس بجھتے ہوئے چراغ کو سنبھالنے اور اس کے تن مردہ میں روح پھونکنے کا حقیقی سہرا آپ ہی کے سر تھا، اور ایک طرح سے آپ کی ذات ہی اس کو قائم کرنے والی تھی، اور یہ وہ ماحول تھا جس نے مفتی صاحب کی شخصیت سازی میں وہ مؤثر اور پائیدار کردار ادا کیا تھا جس نے بعد میں آپ کو ایک قد آور عالم و فاضل اور مصنف کی حیثیت سے روشناس کرایا۔

مفتاح العلم میں داخلہ، اسباق اور اساتذہ

اس وقت کے مفتاح العلوم کے ناظم مولانا محمد ایوب صاحب نے مفتی صاحب کا

---

33 - حیات ابوالمآثر ج ا ص ۱۶۵

داخلہ امتحان لیا اور جماعت کا انتخاب آپ ہی کے اوپر چھوڑ دیا، انہوں نے اپنے لئے ہدایہ کی جماعت کا انتخاب کیا، ہدایہ کے ساتھ اس وقت نورالانوار، مقامات حریری، قطبی اور ہدیۂ سعیدیہ ان کے زیر درس تھیں، اول الذکر تینوں کتابیں مولانا محمد یحیٰؒ (متوفی ۱۳۹۶ھ م ۱۹۷۷ء) سے اور قطبی وہدیہ سعیدیہ مولانا شمس الدینؒ (متوفی ۱۳۹۲ھ م ۱۹۷۲ء) سے پڑھیں۔

اس سال ان کو علامہ اعظمیؒ اور مولانا نعمانیؒ کے درس سے استفادہ کا موقعہ نہیں مل سکا، اس کو بہت حسرت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"جن دو اساتذہ کی شہرت پر داخلہ لیا تھا ان میں سے کسی کے پاس میرا کوئی سبق نہیں گیا، یعنی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ اور مولانا عبداللطیف نعمانی کے یہاں اس کا دلی افسوس رہا،[34]

لیکن دوسرے سال یہ حسرت پوری ہوگئی اور دیرینہ مراد بر آئی، مسرت وانبساط کے عالم میں اس دوسرے سال کی نسبت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

"بعد رمضان وسط شوال میں آیا، تو اب جلالین کی جماعت میں داخلہ ہوا، اس لئے کہ ہم لوگ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے تھے، اس سال جلالین اور حماسہ حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے یہاں، سلم اور میبذی اور مختصر المعانی حضرت

---

[34] - زندگی کا علمی سفر ص ۳۰

مولانا عبد اللطیف نعمانی کے پاس اور مولانا شمس الدین صاحب کے یہاں متنبی اور سبعہ معلقہ مولانا محمد یحیٰ صاحب کے یہاں، قدرتاً دلی خوشی ہوئی کہ اب ان حضرات سے پڑھنے کی نوبت آئی، جن کی شہرت علمی سن کر آنا ہوا تھا[35]

اساتذہ کی قابلیت کے ساتھ ان کی توجہ وتربیت اور مردم سازی کی فکر اور اس پر طالب علم کا شوق وولولہ اور محنت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، صلاحیت واستعداد میں پختگی اور نکھار آنا شروع ہوگیا مفتی صاحب نہایت عمدہ پیرائے میں علامہ اعظمیؒ کے درس کی خصوصیات کی تصویر کشی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ایک سال میں اندازہ ہو چکا تھا کہ مولانا اعظمی جو "بڑے مولانا" کے نام سے مشہور تھے، بڑے سخت ہیں، عبارت خوانی ان کے درس میں لوہے کے چنے چبانے سے کم نہیں، کیا مجال کہ کوئی طالب علم ایک زبر زیر کی غلطی کر کے نکل جائے، اسی طرح ترجمہ میں بھی غلطی برداشت نہیں کرتے تھے، جہاں غلطی ہوئی مولانا کی طرف سے "ہوں" کی آواز آئی، اگر عبارت ٹھیک ہوگئی تو کچھ نہیں فرماتے، مگر ہوں کے بعد بھی غلطی ٹھیک ہوتی تو مولانا کی چھڑی اٹھ جاتی تھی، اور ساتھ نحوی وصرفی ترکیب وتعلیل کے سوالات شروع ہوجاتے، طالب علم پر کپکپی طاری ہوجاتی، اسی وجہ سے جس کو عبارت پڑھنا ہوتی وہ دو چار کتابوں کی مدد سے سارے مسائل حل کر کے جاتا تھا، مجھے یاد ہے کہ میرے پچپیں

---

[35] - زندگی کا علمی سفر ص ۳۱

ساتھیوں میں شاید کوئی میرے سوا پٹائی سے بچا ہو، میری نحو وصرف غالباً اچھی تھی ،ترکیب بھی صحیح کرڈالتا اور صرفی سوالات کے جوابات بھی برجستہ دیتا، اور شاید یہی وجہ تھی کہ مولانا کی توجہ مجھ پر بہت زیادہ تھی ، حالانکہ میں بالکل نیا تھا، لیکن مطالعہ جم کر کیا کرتا تھا، ایک کتاب کے حل کے لئے کم از کم تین چار معاون کتابیں بالاستیعاب دیکھا کرتا تھا، سہ ماہی امتحان میں فرمایا، کہ جلالین کے ان دو صفحوں کی ترکیب کر جاؤ، تمہارا آج یہی امتحان ہے ، الحمد اللہ میں نے صحیح ترکیب کر کے سنادی ، حضرت الاستاذ بہت خوش ہوئے فرمایا تم نے جی خوش کر دیا[36]

مفتی صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا اعظمی مدظلہ اور مولانا نعمانی دونوں عبارت خوانی میں ایک زیر زبر کی غلطی برداشت نہیں کرتے تھے ، ترجمہ میں مولانا نعمانیؒ ایک حد تک نرم تھے ، مگر حضرت مولانا اعظمی مدظلہ ترجمہ میں بھی اتنے ہی سخت تھے جس قدر عبارت کی صحت میں ، کیا مجال کہ کوئی غلط ترجمہ کر کے نکل جائے ،[37]

اس دور کی خوشگوار یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مفتی صاحب رقمطراز ہیں :

"ان ساری سختیوں کے باوجود ہم طلبہ کے دلوں میں ان دونوں بزرگوں کا جو

---

36 - ترجمان الاسلام—مولانا حبیب الرحمن اعظمی نمبر ص ۱۳۸

37 - تذکرۂ مولانا عبد اللطیف نعمانی ص ۱۰۱-۱۰۲

احترام اور جیسی محبت تھی، آج اس کا تصور بھی مدارس کے عام طلبہ نہیں کر سکتے تھے، ہم طلبہ ان حضرات کے عاشق تھے، اور ان پر جان نچھاور کرتے تھے، مدرسہ مفتاح العلوم کی طرف سے آج جو راحت کے سامان فراہم ہیں، اس زمانہ میں ان میں سے کچھ بھی نہیں تھا، صرف چار کمرے پختہ تھے، جن پر سائبان نہیں تھا، بقیہ کمرے مٹی کے کھپریل تھے، کہاں کی بجلی، کہاں پانی کا نل اور کہاں کمروں میں موٹی موٹی دریاں اور بجلی کے قمقمے، خواب میں بھی کوئی یہ سوچ نہیں سکتا تھا، [38]

دورۂ حدیث اور فراغت

حدیث کی کتابیں پڑھ کر وہیں سے فاتحۂ فراغ بھی پڑھی، لکھتے ہیں:

"پھر ۱۳۶۴ھ م ۱۹۴۴ء میں دورۂ حدیث بھی ان ہی دونوں بزرگوں سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی" [39]

دورۂ حدیث میں آپ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت محدث

---

[38] تذکرۂ مولانا عبد اللطیف نعمانی ص ۱۰۲

[39]۔ حوالۂ بالا—تذکرۂ مولانا عبد اللطیف نعمانی میں آپ کا سن فراغ ۱۳۶۴ھ مذکور ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، صحیح ۱۳۶۳ھ ہے، جیسا کہ زندگی کا علمی سفر اور علمی مراسلے میں ہے، اور اس کی تائید علامہ اعظمی کے ساتھ آپ کی خط و کتابت سے بھی ہوتی ہے۔

الا عظمیؒ اور مسلم شریف اور ابو داؤد شریف حضرت مولانا نعمانیؒ کی خدمت میں پڑھ کر تعلیم کے سفر کی تکمیل کی۔

دوران تعلیم مفتی صاحب کا قیام محلہ چھتر پورہ کی ایک مسجد میں رہا کرتا تھا، جو "کھیت والی مسجد" کے نام سے مشہور ہے، اس کے قریب ہی محلہ باغیچہ میں حضرت مولانا عبد الجبار صاحبؒ (متوفی ۱۴۱۴ھ م ۱۹۹۳ء) کا آبائی مکان تھا، مفتی صاحب حضرت مولانا مرحوم سے بھی استفادہ کرتے رہے، بلکہ گھر قریب ہونے کی وجہ سے گویا ان کے زیر سرپرستی رہے، یہ مسجد چونکہ مئو اسٹیشن سے قریب ہے، اس لئے حضرت محدث اعظمیؒ کے سفر کے آمد ورفت کے موقع پر آپ کی خدمت گزاری بھی کرتے، مفتی صاحب لکھتے ہیں:

"اس زمانہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی کا عموماً سفر ہوا کرتا تھا، بلا کر فرماتے کہ فلاں دن رات کی ٹرین سے میری واپسی ہے، لالٹین لیکر آجانا، چنانچہ میں اس کی پابندی کرتا، مولوی امیر اللہ کو ساتھ کرلیتا، زیادہ رات ہوتی، تو مولانا یہیں محلہ چھتر پورہ کی مسجد میں قیام فرماتے، اور صبح میں نماز فجر پڑھ کر گھر جاتے، جب کبھی مولانا کی طبیعت ناساز ہوتی، تو میں رات بھر جاگ کر خدمت کرتا تھا، اس لئے مولانا کو بہت انس تھا،[40]

---

40 - زندگی کا علمی سفر ص ۳۳

تحریک آزادی میں حصہ

مفتی صاحب کی مئو میں طالب علمی کا زمانہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے شباب کا زمانہ تھا، مطالبۂ آزادی کی چنگاری جو عرصۂ دراز سے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی ،وہ اگست ۱۹۴۲ء میں شعلہ بن کر بھڑک اٹھی ،۹ / اگست ۱۹۴۲ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے انگریزی حکومت کے خلاف "ہندوستان چھوڑو تحریک" کا ریزولیشن پاس کیا ،اس قرار داد کی منظوری انگریزی حکومت کے آشیانے پر برق بن کر گری ،اور برطانوی حکومت کو اپنا نوے سالہ اقتدار خطرے میں نظر آنے لگا ،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۰ / اگست کا سورج بھی نہیں طلوع ہوا تھا ،کہ ملک گیر پیمانہ پر دار وگیر شروع ہوگئی ،کانگریس کے تمام بڑے بڑے رہنماؤں کو گرفتار کرکے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا ،اس کے رد عمل میں ملک کے چپے چپے میں آگ لگ گئی ،عوام نے برٹش گورنمنٹ کے خلاف پورے ہندوستان میں طوفان برپا کر دیا، سرکاری محکموں اور دفتروں میں توڑ پھوڑ اور آتش زنی شروع ہوگئی ،کالجوں اور مدارس کے طلبہ کلاسوں اور درسگاہوں سے باہر نکل کر سڑکوں پر آگئے ،اور جگہ جگہ ایجی ٹیشن شروع کر دیا، مدرسہ مفتاح العلوم چونکہ جمعیۃ علماء اور کانگریس کے نظریے کا حامل تھا، اس لئے وہاں بھی اس کا رد عمل ہونا فطری امر تھا، مفتی صاحب اس وقت اگر چہ طالب علم تھے لیکن اس اہم تحریک میں قائدانہ رول ادا کیا ،وہ مفتاح العلوم کے طلبہ کا کارواں لیکر باہر آگئے ،اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا شہر اور کالج کے طلبہ کا انبوہ ان کے گرد جمع ہوگیا ،اور اپنی شعلہ بار

تقریروں سے چشم زدن میں مقامی تحریک کے لیڈر بن گئے، برٹش گورنمنٹ نے ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے، وہ روپوش ہوکر اور کسی طرح بچ بچاکر مئو سے باہر نکلے، جب یہ ہنگامہ فروہوااور ان کا وارنٹ گرفتاری منسوخ ہوا تو ایک سال کے بعد واپس آکر انہوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل کی، اس طرح اپنی زمانۂ طالب علمی ہی میں انہوں نے ملی قیادت اور قائدانہ صلاحیت کالوہا منوالیا، لیکن اس صلاحیت کا گلا انہوں نے وہیں گھونٹ دیا، اور اپنی توجہ تمام تر تدریسی، تصنیفی، اور علمی مشاغل پر مرکوز کردی، مفتی صاحب نے اپنی اس سرگزشت کو اختصار کے ساتھ "حضرت الاستاذ کی رہنمائیاں اور کرم فرمائیاں" کے عنوان سے اپنے ایک مضمون میں قلمبند کیا ہے، جو المآثر ج اول شمارہ نمبر ۳ میں شائع ہوا ہے، اسی طرح اس کے متعلق تھوڑا سا "زندگی کا علمی سفر" میں بھی لکھا ہے، اور پھر "جنگ آزادی کا ایک یادگار سفر" کے نام سے اسی پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔

اس کے بعد کا قصہ یہ ہے کہ وسط محرم ۱۳۶۴ھ م اوائل جنوری ۱۹۴۵ء میں مفتی صاحب مئو آئے، ان کو عربی کے ابتدائی درجات کے لئے مدرس اور افتاء کی مشق کے لئے مفتاح العلوم میں رکھ لیا گیا، عین اسی دوران مفتاح العلوم میں ایک بھونچال سا آگیا، اور اس کا سبب یہ ہوا کہ مفتی صاحب کے اس دفعہ مئو آنے سے کچھ پہلے دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (متوفی ۱۳۷۷ھ م ۱۹۵۷ء) اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (متوفی ۱۴۰۳ھ م ۱۹۸۳ء) مجلس شوری کی تجویز پر دارالعلوم کے صدر مفتی کے منصب کے لئے حضرت محدث اعظمی کو لینے مئو آئے تھے، یہ مفتاح

العلوم کے لئے بڑی آزمائش کا وقت تھا، مدرسہ کی کمیٹی نے اپنی میٹنگ میں پہلے تو حضرت محدث اعظمی کے دیوبند جانے کی تجویز منظور کرلی، اس فیصلہ کی اطلاع سے مئو شہر میں ہلچل مچ گئی، اور مفتاح العلوم پر اہل شہر کا ایسا دباؤ پڑا کہ جس کی وجہ سے کمیٹی اپنی منظور کردہ تجویز واپس لینے پر مجبور ہوگئی، اس کی تفصیل مفتی صاحب کی کتاب "زندگی کا علمی سفر" (ص ۴۴-۴۳) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، مفتی صاحب کا بھی اس واقعے سے متاثر ہونا ناگزیر تھا، مگر اس کے باوجود وہ اپنا فرض منصبی ادا کرتے رہے، اور محرم ۱۳٦۴ھ سے لیکر شعبان ٦۴ھ تک تدریس وافتا کا کام کرتے رہے، شعبان کے بعد حالات ان کے حق میں سازگار نہیں رہ گئے اور علامہ اعظمی کے مشورہ سے وہ اس سال ندوہ چلے گئے۔۔۔،

مفتی صاحب کا یہ معمول تھا کہ سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے اساتذہ سے ملاقات کے لئے مئو ضرور حاضری دیا کرتے تھے، انہوں نے خود لکھا ہے:

" ۱۹۴۰ء سے اب تک برابر سال میں ایک مرتبہ ضرور حاضری دیتا رہا [41] (بشکریہ المآثر ج ۲۰ ش ۳)۔۔۔

---

[41] ۔ المآثر ج ۲ ش ۳ ص ۹۴

ایک رہرو علم کی روداد سفر۔ منزل بمنزل

حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی دامت برکاتہم
استاذ حدیث وصدر شعبۂ عربی ادب دارالعلوم وقف دیوبند

صوبۂ بہار کی ایک عظیم علمی شخصیت،ایک درجن سے زائد تحقیقی کتابوں کے مصنف اور سیکڑوں دینی وعلمی مضامین تحریر کرنے والے،دارالعلوم دیوبند کی لائبریری کو منظم ومرتب کرنے والے اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب دے کر نمایاں فقہی خدمت انجام دینے والے حضرت مولانا مفتی محمد ظفیرالدین مفتاحی کا ۳۱/مارچ ۲۰۱۱ء کو اپنے آبائی گاؤں پورہ نوڈیہا ضلع دربھنگہ میں انتقال ہوا،نماز جنازہ میں علاقہ اور باہر سے آنے والے مخلصین ومعتقدین کے علاوہ شاگردوں کی مجموعی تعداد ہزاروں میں تھی،نماز پڑھانے کی سعادت بھی ان کے ایک فیض یافتہ معروف عالم دین پروفیسر سعود عالم قاسمی (اے،ایم،یو علی گڑھ)کو حاصل ہوئی۔

ان کے انتقال پر ملک وبیرون ملک علمی حلقوں میں سوگواری کا اثر رہا،مختلف جگہوں پر ایصال ثواب اور تعزیتی پروگرام ہوئے،اسی ضمن میں دہلی میں رہنے والے بہار کے اہل علم اور علماء دین کے ایک طبقے نے ”ایوان

غالب‘‘میں ایک تعزیتی اجلاس منعقد کیا،جس میں بیرون دہلی اوربیرون ملک سے آئے علماء کرام اور دانشوروں نے شرکت کی،حضرت مفتی صاحب مرحوم کے حالات وخدمات پر بیانات ہوئے اور دارالعلوم دیوبند،جمعیۃ علماء ہند،بعض دیگر تنظیموں کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے جنرل سکریٹری امیر شریعت حضرت مولانا نظام الدین صاحب کے پیغامات سنائے گئے،راقم الحروف کو بھی کلیدی خطبہ کے بطور تفصیلی خطاب کا موقع حاصل ہوا،جہاں احقر نے ایک تجویز یہ بھی پیش کی تھی کہ حضرت مفتی صاحب کے علمی سفر،تصنیف وتالیف اوران کی متواضع شخصیت کے مختلف گو شوں پر مشتمل ایک سیمینارکا فوری انعقاد،ان کے عقیدت مندوں کا فریضہ ہے،اسٹیج پرہی اعلان کیا گیا کہ بہار میں واقع ’’جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور‘‘میں مورخہ ۲۰ /مئی کو منعقد کیا جاناطے ہے،مزید یہ کہ دہلی میں بھی مستقبل قریب میں ایک سیمینار منعقد کیاجائے گا،دیوبند واپسی ہوئی تو حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب منتظم اعلیٰ جامعہ ربانی کا دعوت نامہ موصول ہوا،جس میں شرکت اور مقالہ تحریر کرنے کی فرمائش تھی،عنوان متعین کردیاگیاتھا،اس کے تحت یہ مقالہ پیش خدمت ہے،حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے علمی سفر اور ذاتی تاثرات پر مشتمل یہ تحریر شرکاء سیمینار کی خدمت میں پیش ہے۔

☆حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت۱۹۲۶ء مطابق۱۳۴۴ھ میں ضلع دربھنگہ کے ایک گاؤں ”پورہ نوڈیہا“میں ہوئی،خاندان تعلیم یافتہ تھا،والد جناب منشی شمس الدین صاحب پڑھے لکھے تھے اور ریلوے میں سرکاری ملازم تھے،گھرانہ دین داری میں معروف تھا،ان کے ایک چچا زاد بھائی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب معروف عالم دین تھے،جن کا تعلق امارت شرعیہ پٹنہ سے ابتداہی سے رہا اور امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی وفات کے بعد امیر شریعت بھی منتخب ہوئے۔

مفتی صاحب نے ابتدائی مکتبی تعلیم تو اپنے گاؤں میں پائی پھر قریب ہی میں واقع نیپال کے ایک مدرسہ محمودیہ میں فارسی وغیرہ کا نصاب مکمل کیا،اور باضابطہ عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے مربی اور نگراں حضرت امیر شریعت مولانا عبدالرحمن صاحب کی توجہ سے مکمل کی، وہ اس وقت مدرسہ وارث العلوم چھپرہ(بہار)میں صدرمدرس تھے،عربی نصاب کی ابتدائی مروجہ کتابیں اور فنون خاص طور پر نحو وصرف اور ابتدائی قیمتی کتابیں بڑی محنت سے پڑھیں،یاد کیا اور ازبر کرلیا،اساتذہ بھی خوش رہے،متوسطات اور منتہی درجات کی تکمیل کیلئے بعض اساتذہ اورعم زاد مربی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ کے مشورہ سے ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ مئو کاارادہ کیا،آج سے پچاس،ساٹھ سال قبل بھی مشرقی یوپی میں اعظم گڑھ اور مئو میں دینی تعلیم کے معروف ومقبول

مدارس موجود رہے ہیں، مئو جو اَب مستقل ضلع بن چکاہے،اس میں ایک مشہور دینی ادارہ ''دارالعلوم مئو''تھا،وہاں کے مشہور اساتذہ میں سے محدث جلیل حضرت علامہ حبیب الرحمن اعظمیؒ اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی ؒتھے،جنہوں نے علیحدہ ہوکر نیا مدرسہ ''مفتاح العلوم مئو''قائم کرلیا تھا،وہاں کی تعلیم وتربیت ان دونوں بزرگوں کے حوالے سے بہار کے بیشتر خطوں میں بہت مقبول اور نیک نام تھی،چنانچہ حضرت مفتی ظفیرالدین صاحبؒ مفتاح العلوم میں داخل ہوگئے۔

☆یہ ۱۹۴۰ء کا سال ہے،پورے ہندوستان میں جدوجہد آزادی کی تحریک جاری ہے،مدارس اسلامیہ کے ذمہ د اران،اساتذہ اور طلبہ بھی اس میں کسی نہ کسی طور پر حصہ لیتے رہے،خود مفتی ظفیرالدین مرحوم بھی اپنی طالب علمی کے زمانے میں اس تحریک میں شریک ہوئے،مگر ابھی تعلیم کی غرض سے مئو آئے،اس لیے پوری توجہ طلب علم اور تکمیل نصاب پر رہی،غالباً وہ پانچ سال تک رہے،اور ان دونوں علماء اکابر سے زیادہ قریب رہے،ان کے بیحد معتقد بھی،حضرت محدث اعظمیؒ سے اپنے علمی تعلق اور قلبی عقیدت کا اظہار ہمیشہ اپنی گفتگو اور تحریر میں کرتے رہے ہیں،اور حضرت مولانا نعمانیؒ کی لیاقت،ان کی جدوجہد اور ان کی ملّی خدمات کی وجہ سے ان کے بھی گرویدہ رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۴۴ء میں مفتاح العلوم سے فراغت حاصل کی،اسی مناسبت سے اب حضرت مولانا محمد ظفیرالدین مفتاحی بن گئے اور یہی ان کی شناخت ہوگئی،اسی دور میں چوں کہ ان کو لکھنے کا شوق ہوا،تصنیف وتالیف کی رغبت ہوئی،اس لیے حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ سے قریب رہنے اور تربیت حاصل کرنے کا اشتیاق بڑھا،حضرت علامہ اس وقت دارالمصنفین اعظم گڑھ میں بحیثیت نگراں موجود تھے،اس لیے ان سے استفادے کی خاطر خدمت میں حاضری ہوئی،انہوں نے پہلے کچھ عرصہ دارالعلوم ندوۃالعلماء میں گزارنے کا مشورہ دیا،چنانچہ ندوہ میں داخلہ بھی لیا مگر مختصر عرصے ہی میں ندوہ چھوڑدیا۔

☆مفتاح العلوم مئو سے فراغت کے بعد وطن واپسی ہوئی مگر"حضرت الاستاذ"یعنی مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کے مشورے سے اگلے ہی سال مئو چلے آئے،کہا گیا تھا کہ چند باصلاحیت فضلاء کی تربیت اورمزید تعلیم وتحقیق کے لیے نئے شعبہ کا اجرا ہوگا،وہ آئے مزید تعلیم حاصل کرنے مگر مولانا نعمانی نے مدرسے کی ضرورت اور طلبہ کی افادیت کے پیش نظر حضرت مفتی صاحبؒ کو تدریس پر مامور کردیا،اس طرح اب طالب علمی کا روایتی دور ختم ہوا اور ابتدائی عربی کے مدرس ہوگئے،حضرت محدث اعظمیؒ کو دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لیے بلایا گیاتھا اسی لیے مفتاح العلوم میں مدرس کی

ضرورت پڑگئی تھی،پھر مزید ذمہ داری دارالافتاء کی بھی سپرد کردی گئی،مولانا نعمانی نے فتاویٰ کی طلب پر جواب لکھنے کی ذمہ داری عائد کردی،اس طرح تدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی تربیتی ابتدابھی ہوگئی،ماشاء اللہ یہاں تدریس مقبول رہی،مگر مفتی صاحب مرحوم کو سید سلیمان ندویؒ سے عقیدت تھی اور استفادے کی رغبت،اس لیے تدریس ختم کرکے ندوہ میں داخلہ لے لیا،وہاں پر پڑھی ہوئی کتابوں کو دوبارہ پڑھنا تھا اور اساتذہ سے استفادہ کرنا تھا،چند ماہ گزرے تھے کہ بعض اساتذہ کی فرمائش پرندوہ کو خیر باد کہہ دیا اور ضلع لکھنؤ کے معروف علمی قصبے ”نگرام“میں مدرسی اختیار کرلی۔

☆مدرسہ معدن العلوم نگرام میں دوسال قیام رہا، صدر مدرس کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے،۱۹۴۷ء کا سال تھا،ملک آزاد ہوا،مگر امن وقانون کی حالت خستہ ہوگئی، صوبۂ پنجاب،دہلی اور یوپی کے مسلمانوں کو سخت ترین اذیتوں اور قتل وغارت گیری کا سامنا کرنا پڑا،ایسے حالات میں حضرت مفتی ظفیرالدین مفتاحی نے لکھنؤ چھوڑ دیا اور وطن واپس ہوگئے،مگر نگرام میں قیام کے دوران ہی تدریس کے ساتھ انشاء پردازی اور تصنیف کا میدان ہاتھ آگیا،یہیں پر اپنی پہلی تصنیف ”اسلام میں نظام مساجد“کی ابتدا کردی۔

☆وطن میں کچھ دن گزرے،پھر ایک عالم دین نے آکر

فرمائش کی کہ ضلع مونگیر کی ایک بستی میں عالم دین مدرس کی ضرورت ہے،وہاں جاکر تدریس سے وابستہ ہوجائیں،۱۹۴۸ء میں بہار کا ضلع مونگیر رقبے کے لحاظ سے بہت بڑا ضلع تھا،اب تواس کے کئی اضلاع بن گئے ہیں،مگر مونگیر کو مسلمانوں اور ہندوستان کے علمی ودینی حلقے میں شہرت حاصل تھی،قطب دوراں،بانی ندوۃالعلماء حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی خدمات،شخصیت اور ان کی خانقاہ رحمانی کی بدولت اس ضلع کو شہرہ حاصل تھا،اس ضلع کے بعض علاقوں میں دین دار مسلم زمین داروں کا رعب ودبدبہ تھا،علم وثروت اور رسوخ کی وجہ سے جانے جاتے تھے،اورآزادئ ہند سے قبل بہار میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے،اور مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کی قتل و غارت گیری ہوئی تھی،اس میں مونگیر کے بہت سے نامور خاندان بھی گرفتار مصیبت ہوئے تھے۔

اسی ضلع کی ایک بستی "سانحہ"ہے،جو مسلم سادات کی آبادی پر مشتمل تھی،صاحب حیثیت اور علم دوست ودین دار افراد کے اس گاؤں میں "مدرسہ معینیہ سانحہ"کے نام سے ایک دینی ادارہ تھا،جو ایک صاحب خیر کے مکان میں جاری تھا،قرآن مجید حفظ وناظرہ کے علاوہ ابتدائی فارسی وعربی کی تعلیم ہوتی تھی،اسی مدرسہ کی خدمت کے لیے مفتی ظفیرالدینؒ کو صدر مدرس کی حیثیت سے بلایاگیا،وہاں انہوں نے تقریباً آٹھ سال تک خدمت تدریس

ونظامت انجام دی، مدرسہ کی تعمیری ضروریات پوری کرنے میں مفتی صاحب ؒنے انتھک محنت کی، تعلیم بھی آگے بڑھی، عربی متوسطات تک تعلیم جاری ہوئی اس کے ساتھ ہی مفتی صاحب نے علاقہ کی مسلم بستیوں میں دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے لیے تقریریں بھی کیں۔

پنج گانہ اور جمعہ کی امامت اور خطابت کا جذبہ مفتی صاحب ؒ میں مئو سے سانحہ تک حاوی رہا، کتابوں کی تدریس تو فرائض منصبی میں تھی، تصنیف وتالیف اور مضامین لکھنے کا شوق ہر حال میں باقی رہا، جہاں مواقع ملتے، لکھنے میں مشغول ہوجاتے، سانحہ میں تو بظاہر کتب خانہ اور کتابوں کا ذخیرہ دستیاب نہیں ہوسکا، مگر اللہ نے یہاں پر بھی اس کے لیے راہ ہموار کردی، ”سانحہ“ سے کچھ ہی دور پر دریائے گنگا واقع ہے، گنگا عبور کرتے ہی مونگیر شہر پہونچا جا سکتا ہے، مفتی صاحب نے یہی صورت اپنائی اور مونگیر میں ”خانقاہ رحمانی“ اور جانشین قطب العالم امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ سے استفادے کی راہ ہموار ہوگئ، تعلیم وتربیت کے لیے ”جامعہ رحمانی“ نہ صرف موجود تھا بلکہ وہاں اس وقت عربی متوسطات تک کی معیاری تعلیم جاری تھی اور ملک بھر میں اس کی شہرت ہورہی تھی، اسی لائبریری سے کتابوں کا حصول آسان ہوگیا اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ برقرار رہا،

☆۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے جامعہ رحمانی مونگیر میں لائبریری کی

ایک عظیم الشان عمارت کی تکمیل ہوئی،جس کے افتتاح کے لیے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدرالمدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو مدعو کیا گیاکہ انہیں دونوں بزرگوں کے ہاتھوں اس کا افتتاح عمل میں آئے گا،اس موقع پر امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے مفتی ظفیرالدین صاحبؒ کو بھی شرکت کی دعوت دی،حضرت مفتی صاحب کو خیال ہوا کہ اس مناسبت سے ایک مقالہ تحریرکرکے اجلاس میں پیش کردیا جائے،امیر شریعت نے اجازت دی،حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک ہفتہ میں کتب خانوں کی تاریخ اور افادیت و اہمیت پر ایک پر مغز مبسوط مقالہ تحریر کیا،جو انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے آئی ان معزز ترین شخصیات کے سامنے اجلاس میں پیش کیا،مقالہ نہایت پسند کیا گیا اور سراہا بھی گیا۔

اس مقالے کو اکابر دیوبند نے پسند کیا تو مقالہ نگار کی صلاحیت اور محنت کو بھی صلہ ملا،یہی مقالہ حضرت مفتی صاحبؒ کے دیوبند سے وابستگی کاذریعہ بن گیا،حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بذات خود خط لکھ کر دیوبند آنے اور دارالعلوم دیوبند آنے اور دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تبلیغ میں تقرری کی صراحت فرمائی،اپنے اساتذہ اور مخلصین سے مشورہ کے بعد مفتی صاحب دیوبند آگئے،اور مورخہ ۳/

صفر ۱۳۷۶ھ مطابق۹/ستمبر ۱۹۵۶ء کومفوضہ ذمہ داری سنبھال لی۔

☆دارالعلوم میں تقرر تو ہواتھاشعبۂ تبلیغ میں،مفوضہ ذمہ داریوں میں تقریر وتحریر شامل تھی،مگرسب سے پہلے حضرت مہتمم صاحب نے ان کوایک کتاب لکھنے پر مامور کردیا،کتاب مکمل ہوگئی اور طبع بھی ہوگئی،دارالعلوم دیوبند میں ان سے اصل کام تحریر کی صلاحیت اور افتاء سے د لچسپی کی بنا پر ”فتاویٰ دارالعلوم دیوبند“کو مرتب کرانا تھا،چنانچہ ان کو شعبۂ دارالافتاء میں آزادانہ چارج دے کر ترتیب فتاویٰ کے لیے منتقل کردیا،اور ان کی یہی خدمت دراصل ان کی شناخت ہوگئی،”مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند“کے نام سے ہی ان کی پہچان بن گئی،ترتیب فتاویٰ کے ساتھ فتویٰ نویسی کی اضافی ذمہ داری بھی ان سے متعلق رہی،تقریباً چار سالوں میں اولین مفتیٔ دارالعلوم حضرت مفتی عزیزالرحمن کے فتاویٰ کی ترتیب مکمل ہوگئی،جوبارہ جلدوں پر مشتمل تھی،ابھی طباعت کا کام شروع نہیں ہوا تھا۔

☆حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہتمم دارالعلو م یوبند نے حضرت مفتی صاحب کوجو پہلی مرتبہ دیکھا اور سنا تھا وہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کے کتب خانہ کی افتتاحی تقریب تھی،مفتی صاحب نے کتب خانہ کی تاریخ وافادیت پر جس انداز میں روشنی ڈالی تھی ظاہر ہے کہ اس کا تاثرحضرت مہتمم صاحب پر ضرور رہا ہو گا،چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی لائبریری

کی بے ترتیبی کی شکایات پر اس کی ترتیب وانتظام کے لیے ان کی نظر میں مفتی صاحب مرحوم سے بہتر موزوں شخصیت اور کون سی ہوسکتی تھی،چنانچہ ترتیب فتاویٰ کے ساتھ ہی ان کو لائبریری میں مرتب کی حیثیت سے مامور کردیاگیا،اب ان کی نشست دارالافتاء کے بجائے کتب خانہ میں ہوگئی،اور ناظم کی حیثیت سے جہاں انہوں نے دارالعلوم کی لائبریری کو اس کی عظمت کے شایان شان کردیا،ان کی جدوجہد،علمی صلاحیت اور صبر و استقامت نے دارالعلوم کے کتب خانہ کو عصر حاضر کی لائبریریوں کے مماثل بنادیا،اس کے لیے ملک کے مشہور کتب خانوں،آزاد لائبریری مسلم یونیور سیٹی علی گڈھ،رام پور،ندوۃالعلماء لکھنؤ اور خدابخش لائبریری کے نظم ونسق اور ترتیب کا قریب سے جائزہ لیا،معلومات حاصل کی، مخطوطات کی فہرست کودو ضخیم جلدوں میں مرتب کرکے شائع بھی کرایا۔

☆اور چونکہ ان کو مقالہ نگاری اور تالیف سے شغف تھا اور ان کی تحریر بھی پختہ تھی،اس لیے دارالعلوم کی انتظامیہ نے وہاں سے نکلنے والے رسالے ”ماہنامہ دارالعلوم“کی ادارت سے وابستہ کردیا،رسالے میں مضامین کے علاوہ پابندی سے اداریہ لکھنے کی ذمہ داری بھی سپرد ہوگئی،اس طرح وہ مکمل سترہ سال تک دارالعلوم کے رسالہ کا اداریہ لکھتے رہے۔

مارچ ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں انتظامی انقلاب آیا،تو حضرت مفتی صاحبؒ دارالعلوم ہی سے وابستہ رہے،البتہ ۱۹۸۳ء میں ان کو دارالافتاء میں بحیثیت مفتی معین کردیا گیا جو ۲۰۰۸ء تک جاری رہا۔

اخیر عمر میں قویٰ مضمحل ہوگئے مگر ذہن اور قلم بدستور بیدار رہے،وفات سے چند سال پہلے ہی سے ان کے بڑے صاحبزادے مولانا احمد سجاد قاسمی اور بعض مخلصین کا اصرار بڑھا کہ وہ دارالعلوم سے سبکدوش ہوکر وطن تشریف لے آئیں،چنانچہ انہوں نے اعزازی طور پر ۲۰۰۸ء میں سبکدوشی حاصل کی اور وطن (پورہ نوڈیہا،ضلع دربھنگہ بہار)چلے گئے،جہاں کمزوری اور علالت بھی طاری رہی،بالآخر ۱۳/مارچ۲۰۱۱ء میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے،نماز جنازہ میں مخلصین ومعتقدین کی بہت بڑی تعداد تھی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے علمی سفر کا اگر خلاصہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی تعلیم سے لیکر انتہائی تعلیم حاصل کرنے کے دوران طلب علم کی ایک تڑپ ہے،ماہر اور بزرگ اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کا جذبہ ہے،کتابوں کے مطالعہ کی لگن ہے اور اس کی تکمیل کے لیے ہر ممکن جدوجہد،پھر حصول علم کی راہ میں تمام دشواریوں کا سامنا ایک معمول کی طرح،دوسری جانب اپنے مربی ومرشد اساتذہ کے لیے ادب واحترام اور ان کی رائے اور مشوروں کو فوقیت۔

☆تکمیل نصاب کے دوران تقریر وتحریر کی صلاحیت بھی اجاگر ہوتی ہے، مئو کی طالب علمانہ زندگی میں تقریریں کرنا اور دوران تدریس امامت وخطابت کو اپنانا بھی ان کا شوق رہا، چنانچہ وہ اس میں خوش بھی رہے اور دعوت وتبلیغ واصلاح معاشرہ کی راہ پر اپنے بیانات وخطابات کے ذریعہ عام مسلمانوں سے مربوط رہے، مگر حقیقت میں ان کو شہرت حاصل ہوئی اور جو ان کی شناخت بنی وہ ان کی مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف ہے، اس لیے انہوں نے کوشش کی تھی کہ علامۂ دوراں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی نگرانی میں دارالمصنفین اعظم گڑھ میں تحقیق وتالیف کی تربیت حاصل کریں، اس کی جدوجہد کی، شرائط کی تکمیل کی کوشش بھی کی، مگر حالات موافق نہ آسکے، کبھی بیماری نے تو کبھی دوسری مجبوری نے انہیں دینی مدارس میں تدریس کی جانب منتقل کردیا، جب نگرام میں رہے تو کتاب کی تصنیف سے لگاؤ رہا اور جب مونگیر گئے تو وہاں اپنی تدریسی، انتظامی اور تقریری مشاغل اور ذمہ داریوں کے باوجود مضمون نگاری، بحث وتحقیق اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا، اور ان کی یہی خوبی دارالعلوم دیوبند تک لے آئی۔

☆راقم الحروف جب ۱۹۷۰ء میں ان سے واقف ہوا تو ان کی یہی تحریری صلاحیت عنوان بنی اور عام طور پر احاطۂ دارالعلوم میں انتظامیہ، اساتذہ اور طلبہ کے نزدیک وہ مرتب ومصنف اور مضمون نگار کی

حیثیت سے ہی پہچانے جاتے تھے،اور جب دارالعلوم میں ملازمت کے بعد میرا ان سے ربط بڑھا اور کبھی ان کے حالات زندگی یا ان کے علمی سفر کے بارے میں استفسار کیا تب معلوم ہوا کہ وہ ایک ماہر مدرس،مؤثر خطیب وامام بھی رہ چکے ہیں اور جو حضرات مفتی صاحبؒ کی عام مجلس میں شریک ہوتے رہے ہیں انہیں بخوبی علم ہے کہ ان کی گفتگو میں خالص مشرقی لہجہ(ضلع مئو کا خاص طور پر)غالب رہا ہے،بات کرتے تو ایک عام سے غیر تعلیم یافتہ محسوس ہوتے،یہ تو گمان بھی نہیں ہوتا کہ وہ اسٹیج پر تقریر بھی کرسکتے ہیں،دراصل جس طرح وہ ایک منکسر المزاج اورسادگی پسند شخصیت کے مالک رہے ہیں،اسی طرح ان میں خطابت کا کرّوفر،نام ونمود،ظاہری شان وشوکت کی علامتیں نہیں تھیں،گویا انہوں نے اپنی خطابی صلاحیتوں پر اپنی سادگی اور تواضع کی چادر ڈال دی تھی،اسی لیے جب کبھی کسی اجلاس یا مجمع میں ان کو بیان کی دعوت دی جاتی تو ان کا لہجہ ہی بدلا ہوا ہوتا،انداز بیان،اسلوب اور روانی کسی ماہر خطیب کی طرح موجود ہوتی،اور اس کا مشاہدہ راقم السطور نے ذاتی طور پر بارہا کیا ہے۔

میری طالب علمی کازمانہ تھا،دارالعلوم دیوبند میں ایک معروف عالم دین حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی مئو سے تشریف لائے تھے،دارالعلوم کے دارالحدیث تحتانی میں ان کے استقبال میں ایک جلسہ منعقد ہوا مہمان محترم کے تعارف کے لیے حضرت مفتی ظفیرالدین صاحب کو دعوت دی گئی،حضرت

مولانا نعمانی مفتی صاحب کے استاذ تھے اور ان کے عقیدت مند،مئو میں پانچ سالہ قیام کے دوران مفتی صاحب نے مولانا نعمانی کی شخصیت،خدمات،صلاحیت اور ان کے کار ناموں کو قریب سے دیکھا تھا،ان سب کی تفصیلات جب انہوں نے اپنے خطاب میں پیش کیں تو طلبہ اور حاضرین حیرت میں پڑگئے،حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی کی مخلصانہ خدمات کا تأثر تھااور مفتی صاحب کے انداز بیان پر مسرت آمیز تحیر،معلوم ہواکہ یکسو رہنے والے منکسرالمزاج مصنف ومؤرخ میں بے پناہ خطابی صلاحیت موجود ہے۔

اسی طرح ”سجاد لائبریری“کے اجتماعات اور میٹنگوں میں بھی

حضرت مفتی صاحب کی خطابی صلاحیت ظاہر ہوتی رہی،عام طور پر وہ دینی اجتماعات یا سیرت کے موضوع پر منعقدہ جلسوں میں شرکت نہیں کرتے تھے،ورنہ ان کابیان سلیس،فصیح،مؤثر اور بیحد مفید معلومات سے پر ہوا کرتا تھا،ان کی خطابی دلچسپی کا موضوع علماء کرام کی مثالی خدمات اور مجاہدانہ کارناموں پر مشتمل ہوا کرتا،چنانچہ ان کی وفات سے چند سال پہلے قصبہ تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے عنوان سے ایک سیمینار میں ان کاخطاب راقم نے سنا،وہ ایک گھنٹے سے زائد تاریخی معلومات سے لبریز یاد گار تقریر تھی،اسی طرح جمشید پور (جھارکھنڈ)میں امار ت شرعیہ پٹنہ کے ارباب حل وعقدکا ایک اجلاس منعقد ہوا،جہاں ان کی خطابی صلاحیت کے

جلوے اجاگر ہوئے،سامعین ان کی تقریر سے مستفید اورمتأثر ہوئے۔

☆حضرت مفتی صاحب ؒ دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے پوری تندہی اور یکسوئی کے ساتھ ترتیب فتاویٰ میں لگے رہے،اس کی تکمیل ہوئی تو ترتیب کتب خانہ دارالعلوم (لائبریری)کے منتظم بنائے گئے،ان مفوضہ ذمہ داریوں کی انجام دہی کے ساتھ تصنیف وتالیف کاسلسلہ بدستور جاری رہا،مشہور فقہی کتاب ”درمختار“عربی کی شرح بھی لکھتے رہے،اجلاس صدسالہ دارالعلوم (۱۹۸۰ء)کے موقع پر دارالعلوم کے مشاہیر علماء کی حیات وخدمات پر بھی بعض کتابیں لکھیں جوشائع ہوئیں،مگراجلاس کے بعددارالعلوم دیوبند میں خلفشار کی کیفیت پیدا ہوگئی،جس سے مفتی صاحب بیحد بددل ہوئے،ایسے میں وہ وطن تشریف لے گئے،اسی دوران ۲۴/۲۳/مارچ ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم کی عمارات پر اس جماعت کا قبضہ ہو گیا جوصدسالہ کے بعد سے دارالعلوم میں انتشار پیدا کیے ہوئے تھی،مفتی صاحب گھر پر ہی تھے کہ ان کو حضرت مولاناقاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کایہ مکتوب ملا:

محترمی ومکرمی! سلام مسنون

دارالعلوم دیوبند کے المناک حالات کا شاید علم نہ ہو،تفصیل مولانا عبدالعزیز (حامل مکتوب)سے سنئے،دارالعلوم پرمولانا ---- کا مکمل قبضہ ہوگیا،آپ کا کمرہ،مولانا بہاری کا کمرہ،مولانابدرالحسن کا کمرہ،دفتر الداعی مکمل طور

پر لوٹ لیا گیا،آپ کی کتابیں مسودات غالباً سب لٹ گئے۔فصبر جمیل...............

حضرت مفتی صاحب کو یہ اندوہناک خبر ملی تو ان کے ہی بقول ’’دماغ پر بجلی گرتی نظر آئی‘‘اور جب دیوبند پہونچے اور اپنی آنکھوں سے اپنے علمی سرمایے لٹنے کا حال دیکھا تو سکتے میں رہ گئے،اپنی آپ بیتی پر مشتمل کتاب ’’زندگی کا علمی سفر‘‘میں تحریر فرماتے ہیں:

’’۱۹/اپریل کا ٹکٹ بنواکر ۲۰/اپریل۱۹۸۲ء کو دارالعلوم دیوبند دوبجے رات میں آگیا،سب سے پہلے ایک نظر کمرے پر ڈالی،سکتے میں آگیا،یہاں اینٹ کے سوا کوئی چیز نہیں تھی،کپڑے،بستر،جاڑے کے گرم سامان،ایک شادی کا سامان اور ساری کتابیں لٹ چکی تھیں،پھٹے ہوئے بہت سارے خطوط کے ٹکڑے ایک فٹ اونچے،کمرے میں بکھرے ہوئے تھے(اناللہ وانا الیہ راجعون)‘‘

اس حادثے کے بعد حضرت مفتی صاحب کا دل ملول ہوا،اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں،نتیجہ یہ ہوا کہ ذہن بجھ کر رہ گیا،لکھنے کی طبیعت اچاٹ ہوگئی،دارالعلوم کی قابض انتظامیہ نے ان کو دارالافتاء میں بحیثیت مفتی مامور کردیا،جہاں فتویٰ نویسی میں مشغول ہوگئے مگر اسی دوران ایک اور حادثہ پیش آیاجس سے ان کی طبیعت پر بہت ناخوشگوار اثر ہوا،خود تحریر فرماتے ہیں:

”اس اثناء میں دارالعلوم میں ایک ناخوشگوار حادثہ پیش آیا،جمعیتہ الطلبہ کے افراد اور دارالعلوم کے ذمہ داروں میں کشمکش شروع ہوئی،۱۸ دسمبر ۱۹۸۳ء کو کوئی ساڑھے دس بجے دن میں دفعتاً ایک ہنگامہ ہوا،میری ہمیشہ یہ عادت رہی کہ کبھی ہنگامے کے قریب نہیں گیااور نہ واسطہ رکھا،۲۲/دسمبر۱۹۸۳ء یوم جمعرات کو کوئی نو دس بجے مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے ہم تین اساتذہ کو بلایا،اہتمام میں مہتمم صاحب کے ساتھ صدر مدرس مولانا معراج الحق صاحب بھی تھے،مہتمم صاحب نے ہم لوگوں کی طرف رخ کرکے فرمایا:آپ حضرات ایک ماہ کی چھٹی لے کر وطن چلے جائیں،دیوبند چھوڑدیں،مولانا بہاری صاحب نے اپنی کمزوری بڑھاپااور موسم سرما کا عذر پیش کر کے فرمایا:میرے لئے بہت مشکل ہے لیکن باوجود اصراران کا یہ عذر نہیں سنا گیا،اور اسی پر اصرار رہا کہ ایک ماہ دیوبند سے باہر گزاریں۔

میں نے صرف اتنا پوچھا:حضرت یہ حکم ہے؟فرمایا:حکم ہی سمجھیں،میں نے کہا بہت اچھا کاغذ لے کر درخواست لکھنے لگاپھر خیال آیا کہ مدراس میں مسلم پرسنل لاء کا آل انڈیا اجلاس ہے،اس میں شرکت کا تذکرہ حضرت مہتمم صاحب سے کر چکا تھا،عرض کیا کہ پہلے مدراس جانے کی درخواست لکھتا ہوں،پھر جوایام بچیں گے،اس کی درخواست بعد میں بھیج دونگا،مہتمم صاحب راضی ہو گئے،میں نے بارہ یوم کے لئے رخصت کی

درخواست لکھی،اور مہتمم صاحب کے آگے رکھ دی،انہوں نے میرے سامنے منظوری لکھ دی،مولانا فضل الرحمن کاتب نے بھی ایک ماہ کی درخواست لکھ کر منظوری لے لی،مولانا بہاری صاحب ترد د میں تھے،اور بار بار عذر پیش کر رہے تھے کہ مدرسہ سے باہر شہر ہی میں رہنے کی اجازت مل جائے،مگر ان کی بات نہیں سنی گئی،میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا یہ نہیں مانتے،تو میری طرف سے بھی ایک درخواست لکھ دو،میں نے ان کی درخواست لکھ کر مولانا سے دستخط کراکر مہتمم صاحب سے منظوری لے لی''۔

باوجود پے بہ پے ذہنی اذیتوں سے دوچار ہونے کے وہ علمی کام میں بھی مشغول رہے،امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تجویز کے مطابق''قوانین اسلامی''کی ترتیب کا کام شروع کرایاتو اس کے لئے حضرت مفتی صاحب کو دارالعلوم دیوبند سے رخصت دلاکر مونگیر بلایااور ۱۹۸۶ء میں اسلامی قوانین کے مجموعے کی ترتیب شروع کردی،فقہ کی کتابوں سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تمام مسائل یکجا کئے،اور ان کو دفعہ وار تحریر کردیا،تین چار مہینوں میں ترتیب کا کام پورا ہواتو پھر دیوبند آگئے اور دارالافتاء میں استفتاء کے جوابات لکھنے میں مشغول ہوگئے۔

حضرت مولانا بہاری رحمتہ اللہ علیہ کی وفات(۱۹۹۳ء) کے بعد وہ تنہا سے رہ گئے،مگر ان کا علمی سفر جاری رہا،چند سالوں کے بعد قویٰ مضمحل

ہوئے تو از خود دارالعلوم کی خدمات سے سبکدوشی حاصل کر کے وطن میں مقیم
ہوگئے جہاں ۱۳/ مارچ ۲۰۱۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مفتی ظفیرالدین مفتاحیؒ کی فقہی بصیرت اور جدید مسائل پر ان کی نظر

مولانا مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی
استاذ مدرسہ بدرالاسلام بیگو سرائے

وہ اوصاف حمیدہ جو کسی بھی شخص کو انفرادیت عطا کرتے ہیں اور ابنائے جنس میں اسے ممتاز بناتے ہیں، ان میں فہم وفراست، فکر وتدبّر اور ذہانت وفطانت کو خاص مقام حاصل ہے، یہ صفات حسنہ جب علم شریعت سے مربوط ہوتی ہیں اور انسان جب ان صلاحیتوں کا استعمال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی غوّاصی میں کرتا ہے تو انسان کو تفقہ فی الدین کا مقام حاصل ہوتا ہے، فقاہت اور فقہی بصیرت وہ عظیم نعمت ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے ان منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے جن کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:
من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین۔

اللہ کے ان منتخب بندوں میں فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمد ظفیرالدین مفتاحی کی شخصیت بھی قابل ذکر ہے، فیاض ازل نے آپ کو بھر پور انداز میں فقاہت اور دینی فہم و فراست کی دولت عطا کی تھی، جس کے نتیجے میں آپ کم وبیش نصف صدی تک اپنے فتاویٰ، فقہی مقالات اور فقہی تحریروں کے

ذریعہ امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

حضرت مفتی صاحب کی پوری زندگی پر فقہ وفقاہت کی چھاپ واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے، آپ کے فقہی ذوق کے فروغ میں فتویٰ نویسی کا اہم رول رہا، آپ نے باضابطہ طور پر فتویٰ نویسی کی ابتداء اس وقت کی جب مشرقی یوپی کے مشہور ادارہ مفتاح العلوم مئو ۱۳۶۳ھ م ۱۹۴۴ء میں فراغت کے بعد آپ کو اسی ادارہ میں مدرس مقرر کرلیا گیا، اس ادارہ میں تدریسی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ کار افتاء انجام دینے لگے، آپ کے استاذ محترم جلیل القدر مفتی مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی کی خاص نگرانی فتویٰ نویسی کے مراحل میں آپ کو حاصل رہی، مولانا نعمانی اور محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی با فیض صحبت نے آپ کی فکر ونظر کو فقہی سانچے میں ڈھال دیا۔

مدرسہ معدن العلوم نگرام لکھنؤ کی سہ سالہ تدریس اور دارالعلوم معینیہ سانحہ ضلع بیگو سرائے کی آٹھ سالہ تدریس کے دوران اگرچہ باضابطہ طور پر فتویٰ نویسی کا سلسلہ جاری نہیں رہا، لیکن وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق اس کام کو بھی انجام دیتے رہے، اور ساتھ میں فقہ اور اصول فقہ کی اہم کتابوں مثلاً: ھدایہ، شرح وقایہ، قدوری، المنار، نورالانوار، اصول الشاشی وغیرہ کی تدریس کا سلسلہ مستقل جاری رہا، جس سے آپ کی فقہی بصیرت پروان چڑھتی رہی، سانحہ بیگوسرائے میں تدریس کے درمیان آپ کے گھر بار قلم سے اسلام کا

نظام مساجد،اسلام کا نظام عفت و عصمت جیسی معرکۃ الآراء کتابیں منصۂ شہود پر آئیں،ان کتابوں کو علمی دنیا میں زبردست پذیرائی حاصل ہوئی،اور آپ کے علمی وفکری بصیرت کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی۔یہاں تک کہ ۲/صفر۱۳۷۶ھ/۹ستمبر۱۹۵۶ء میں آپ کا انتخاب ایشیا کے عظیم علمی مرکز دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تصنیف وتالیف کے لئے ہو گیا،اس شعبہ سے جماعت اسلامی کے دینی رجحانات جیسی معتدل فکر وخیال کی حامل کتاب منظر عام پر آئی،اسی درمیان مہتمم دارالعلوم دیو بند حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اور معزز ممبر شوریٰ مولانا منظور نعمانی صاحبؒ ودیگر اکابر کی شدت سے یہ رائے ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند پہلے مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ کے ہزاروں ہزار فتاوے جو ابتک محض رجسٹر کی زینت بنے ہوئے ہیں،انہیں فتاویٰ دارالعلوم کے نام سے بہتر انداز میں مرتب کروایا جائے،اس وقیع علمی کام کے لئے حضرت مہتمم صاحب ودیگر اراکین مجلس شوریٰ کی نظر انتخاب حضرت مفتی ظفیرالدین صاحب مفتاحیؒ پر پڑی اور۸/ذیقعدہ۱۳۷۶ھ کو اس اہم ترین فقہی ذخیرہ کی ترتیب کے لئے آپ کو منتخب کرلیاگیا،چنانچہ آپ نے بھر پور محنت اور مکمل تن دہی سے اس کا م کو انجام دینا شروع کیا،اور اس مہارت کے ساتھ انجام دیاکہ ہر ہر صفحہ سے آپ کی فقہی بصیرت کی عکاسی ہوتی ہے،مفتی صاحب نے جن فتاویٰ میں حوالہ درج نہیں تھا،کتب فتاوی سے حوالہ تلاش

کرکے اسے درج کیا،ایک ایک مسئلہ کے لئے بعض اوقات متعدد حوالے درج کئے،جن فتووں میں حوالہ تو درج تھالیکن کتاب کا نام صفحہ نمبر وجلد نمبر موجودنہیں تھااسے بھی آپ نے درج کیا،آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا حوالہ بھی بقید صفحہ وجلد وباب درج کیا،ناقلین کے عدم توجہ سے بعض حوالہ کی عبارتیں اصل فتوی میں غلط درج ہو گئی تھیں،انہیں اصل کتابوں سے ملا کر صحیح درج کیا،اگر کسی فتوی میں کوئی تاریخی واقعہ مذکور تھا تو تاریخ کی امہات الکتب سے ملاکر اس کا حوالہ درج کیا،ہر فتوی کے لئے مناسب عنوان بھی درج کیا،اس طرح حضرت مفتی عزیزالرحمن عثمانی کے کل بتیس ہزارچھے سو اٹھائیس فتوے کی بہترین ترتیب مفتی ظفیرالدین صاحبؒ کی جانفشانی کے نتیجے میں ۱۳۷۸ھ میں مکمل ہوئی،گویا اتنا بڑافقہی کارنامہ محض دس سال کے عرصے میں تکمیل پذیر ہوا،جب کہ اس دوران دوسرے امور بھی انجام فرماتے رہے۔

تکمیل تر تیب کے بعداور اشاعت سے قبل آپ نے فتاویٰ دارالعلوم کے شروع میں ۶۴/صفحات کا ایک طویل مقدمہ تحریر فرمایا،جس میں فقہ وفتاوی کی تاریخ،افتاء کی اہمیت اور اسکی تاریخ،مفتی کے اوصاف وفرائض،اور فقہ وفتاوی سے متعلق دوسرے ضمنی مسائل پردل پذیر بحث کی گئی ہے۔

اس مقدمہ کی ہرہر سطر سے مفتی صاحب کی فقہی بصیرت کی بھر پور عکاسی ہوتی ہے،خود مفتی صاحبؒ اپنی خودنوشت ”زندگی کا علمی سفر“میں لکھتے ہیں کہ:اس مقدمہ کو تمام اہل علم نے پسند کیامولانانعمانی ودیگر حضرات نے اسے بہت سراہا،بلکہ ان کی رائے تھی کہ اضافہ کر کے اس کو مستقل کتاب کی شکل دے دی جائے۔

ترتیب فتاوی کے ضمن میں جس قدر فقہی ذخائر کو کھنگالنے کی ضرورت پڑی اس سے آپ کی فقہی بصیرت میں زبردست اضافہ ہوا،اس کا اعتراف دارالعلوم کے ذمہ داروں کو بھی تھا۔چنانچہ ۲۹ / محرم۱۳۷۷ھ کو مہتمم صاحب کاحکم آیاکہ مرتب فتاوی کیساتھ کار افتاء بھی انجام دیں گے،لہٰذاآپ باضابطہ دارالعلوم کے دارالافتاء میں فتوی نویسی کاکام انجام لگے،مفتی صاحبؒ اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:ابتدائے کار میں بعض مسائل پر رائے کا اختلاف ہوا،مگر اللہ کی مہربانی سے تحقیق کے بعد میری رائے قابل ترجیح ٹھہری اور دوچار دفعہ کے بعد مفتی مہدی حسن صاحبؒ اور نائب مفتی صاحبؒ پورا اعتماد کرنے لگے،میری نگاہ مفتی عزیزالرحمن صاحب کے تمام فتاوے کے مطالعہ کے بعد وسیع تر ہو گئی تھی،ترتیب فتاوی میں ان تمام فتاویٰ کو غور سے پڑھنا میری ذمہ داری تھی۔

دارالعلوم کے دارالافتاء کے سینیر مفتی کی حیثیت سے آپ نے

ہزاروں ہزار مسائل کے تشفی بخش اور مدلل ومفصل جوابات تحریر فرمائے۔خاص طور پر نئے مسائل پر آپ کی گہری نظر تھی،نت نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے آپ ہمیشہ سرگرداں رہتے تھے،مختلف جہتوں سے اس پر غور کرتے تھے،مقاصد شریعت کو بھی پیش نظر رکھتے تھے،پھر تحقیق وجستجو کے مراحل سے گزرنے کے بعدجب کوئی رائے قائم کرلیتے تھے تو حیرت انگیز طور پر وہ تمام اکابر کا اعتماد حاصل کرلیتی تھی،افسوس کہ ہزاروں ہزار صفحات پر بکھرے ہوئے آپ کے تحریر کیے ہوئے فتاوے اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکے،ان کی طباعت کی کوشش ہم جیسے سینکڑوں شاگردوں کے لئے علمی فرض ہے،انشااللہ طباعت کے بعد آپ کے فتاوے نئے مسائل کے حل کے لئے سنگ میل ثابت ہونگے،جس طرح آپ کے معاصر مفتیان کرام کے فتاوے مثلاً،فتاویٰ محمودیہ،نظام الفتاویٰ،فتاوی نظامیہ وغیرہ کو اللہ تعالی نے مقبولیت عطافرمائی،توقع کی جا سکتی ہے کہ اس طرح حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاوے کو بھی بے نظیر مقبولیت حاصل ہوگی،قابل ذکر ہے کہ دارالافتاء سے انتساب اور دارلعلوم دیوبند میں فتوی نویسی کے حوالے سے حضرت مفتی صاحبؒ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی اورحضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ سے بھی سینئر تھے،یہ حضرات مفتی صاحب کے بعد دارالافتاء سے منسلک ہوئے تھے،لیکن چونکہ حضرت مفتی

ظفیرالدین صاحب کو دارالعلوم کے اعلی مفاد میں دارالافتاء سے کتب خانہ منتقل کردیا گیااسلئے مذکورہ حضرات کی طرح ان کے کار افتاء میں تسلسل نہ رہ سکا،البتہ انقلاب دارالعلوم کے بعد ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۸ء تک مسلسل سترہ سالوں تک کار افتاء انجام دیتے رہے،اور ہزاروں ہزار مشکل مسائل کی گرہ کشائی فرمائی اور جس مسئلہ پر آپ الجواب صحیح لکھ دیتے تمام مفتیان کرام کواس کی صحت کا یقین ہو جاتا۔

اسی دوران جب حالات حاضرہ میں امت کی رہنمائی اور نت نئے مسائل کے حل کے لئے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیاکاقیام عمل میں آیا تو اس کے بانی جنرل سکریٹری مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے خاص طور پر آپ کو اس کا رکن رکین مقرر فرمایااور اس کے تمام سمیناروں میں جب تک صحت نے اجازت دی شرکت فرماتے رہے اور اس پلیٹ فارم سے نئے مسائل پر درجنوں مقالات تحریر فرمائے،جو مجلہ فقہ اسلامی میں طبع ہوکر اس کے علمی وقار میں اضافہ کا سبب،امت کی رہنمائی اور نئے علماء ومفتیان کرام کی تربیت کاباعث بنے۔

آپ کی اس تبحر علمی اور تفقہ فی الدین اور امت کے مسائل کے تئیں بے پناہ فکر مندی کی وجہ سے قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی وفات کے بعد اسلامک فقہ اکیڈمی کاصدر منتخب کیا گیاجس پر آپ تا حیات فائز رہے،اور

آپ کی صدارت میں اکیڈمی کا کاروان علم وفقہ محو سفر رہا،اسی طرح آپ آل انڈیامسلم پرسنل لا بورڈکے رکن تاسیسی کی حیثیت سے بورڈ کے خاص علمی مشیر رہے،اور احوال شخصیہ سے متعلق اسلامی قانون کی دفعہ وار ترتیب کی حیثیت اول رکھنے اور اس کا خاکہ مرتب کرنے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے،جوبعد میں مجموعۂ قوانین اسلامی کے نام سے شائع ہوئی۔

جدید مسائل کے حل میں آپ دارالعلوم میں انفرادی شان کے مالک تھے،اس کے اثرات ان طلبہ میں بھی محسوس کئے جاتے تھے جو دارالافتاء میں آپ کی نگرانی میں تمرین فتویٰ نویسی کرتے تھے،دارالافتاء کے طلبہ کی متعدد درسی کتابیں آپ سے منسلک ہوا کرتی تھیں،خاص طور پر درمختار کی تدریس کی خدمت آخر تک انجام دیتے رہے،دوران درس طلبہ کو نئے مسائل کے حل کی اساس بھی بتاتے اور ان میں مضبوط فقہی شعور پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔درمختاراور فتاویٰ عالمگیری کا سلیس اردو ترجمہ آپکی فقہی بصیرت کا شاہد عدل ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنی خداداد صلاحیت فقہی بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیشہ امت کے مسائل کے حل کے لئے کوشاں رہے اور تن تنہا اتنا عظیم کارنامہ انجام دیاکہ بسا اوقات اکیڈمیاں انجام نہیں دے پاتی ہیں۔

حضرت الاستاذ مفتی ظفیرالدین صاحب مفتاحیؒ

اپنی تصنیفات کے آئینے میں

جناب مولانا اشتیاق احمد صاحب
استاذ دارلعلوم دیو بند

گرامی قدر محسن ومربی حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیرالدین صاحبؒ (۱۹۲۶ء تا ۲۰۱۱ء) میں خدائے وہاب نے بہت سی خوبیاں جمع فرمادی تھیں، علم کی گیرائی وگہرائی بلکہ شرعی علوم کی ہمہ گیری میں بے مثال تھے، خلوص و للّٰہیت، سادگی ومسکنت اور نرم خوئی وبے ساختگی آپ کی طبیعت میں رچ بس گئی تھی، اصابت رائے کی دولت سے بھی مالامال تھے، دینی وملی فکر مندی سے بہرہ ور تھے، عزلت نشینی کے عادی تھے خورد نوازی میں ضرب المثل تھے، جہد مسلسل اور علم و تحقیق سے عشق آپ کا امتیاز تھا، ان سب کے ساتھ قلم کی تیز گامی، تحریر کی شستگی، سادگی اورآسان نویسی میں اپنی مثال آپ تھے، الفاظ وتراکیب کی پیچیدگیوں سے آپ کی تحریر پاک وصاف تھی، آپ نے اپنی تحریر میں تکلف کوراستہ نہیں دیا، حضرت مولانانورعالم خلیل امینی مدظلہ العالی حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریر کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے

ہیں: آپ پڑھتے اور سنتے جایئے، آپ کو محسوس ہو گا کہ آپ کو آپ کی بات آپ ہی کی زبان میں کہی جارہی ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے طالب علمی کے زمانے میں ہم لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ میں نے لکھنے کیلئے کسی تکلف کو راہ نما نہیں بنایا، بس بلاارادہ اور بے تکلف اپنی بات کو اپنی زبان میں کسی آورد اور گہری سوچ کے بغیر لکھنے کا میں نے اپنے آپ کو عادی بنایا، لفظوں اور ترکیبوں کی تحسین وتزئین کی کبھی نہیں سوچی اور نہ اس پر توجہ دی، نہ اسکو مسئلہ بنایا۔[42]

تصانیف کی خصوصیات

حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریر کی جملہ خصوصیات وامتیازات کا لکھنا مجھ جیسے کوتاہ ہمت اور کم علم کیلئے بہت مشکل ہے، علاوہ ازیں جملہ تصانیف کا جائزہ پیش کرنا بھی ایک مختصر سے مقالے میں ناممکن ہے، اسلئے سر دست منجملہ سر دست امتیازات وخصوصیات لکھنے پر اکتفا کروں گا، راقم الحروف کی نگاہ میں مطالعہ کے دوران حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریر میں درج ذیل باتیں نظر آئیں:

---

[42] - پس مرگ زندہ ص ۹۱۹

۱۔ جامعیت

حضرت مفتی صاحبؒ کی جملہ تصانیف میں جامعیت کی صفت بدرجۂ اتم موجود ملتی ہے، آپ نے ہر تصنیف میں موضوع کا حق ادا فرمادیا ہے، موضوع کے ہر پہلو پر کماحقہ مواد اکٹھا مل جاتا ہے اور بات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ متعدد تصانیف پر تبصرہ لکھنے والے اہل علم اور اصحاب قلم نے اعتراف کیاہے کہ اس موضوع پر اسلامی کتب خانوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اس بات کی تحقیق کیلئے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا انظر شاہ کشمیری، اور مولانا عبدالماجد دریاآباد ی کی تحریراور تبصرے دیکھے جاسکتے ہیں، جامعیت کی شہادت کے لئے خود حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریر ناظرین کے پیش نظر کی جاتی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ اپنی پہلی تصنیف کی تیاری کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"میں نے یہ طے کرلیا کہ "مساجد" کے موضوع پر ایک عمدہ کتاب مرتب کرنی ہے، خواہ جتنی بھی محنت کرنی پڑے، سب سے پہلے میں نے پورے قرآن کی تلاوت مسجد کو سامنے رکھ کر شروع کردی اور پورا قرآن پڑھ گیااور جہاں جہاں مسجد سے متعلق کوئی آیت سمجھ میں آئی تفسیر دیکھ کر اس کو نوٹ بک میں جمع اور نقل کرتا گیا، اسی طرح پوری مشکوٰۃ کامطالعہ کیا اور مسجد سے متعلق حدیث جمع کرنے کی سعی کی، اس سلسلہ میں ہدایہ، عالم گیری کا بھی

مطالعہ کیا،ان کتابوں سے فقہی جزئیات یکجا کرتا گیا،اب ان تمام نوٹ بک کو سامنے رکھ کر ترتیب سے مسجد پر لکھنا شروع کیا،یہ میری پہلی تصنیف تھی[43]

مذکورہ بالا اقتباس سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنی تالیفات میں جامعیت وکمال پیدا کرنے کے لئے کتنی جتن کیا کرتے تھے؟

۲۔تصنیف سے پہلے اور بعد میں اکابر سے ربط،مشورہ اور رہنمائی

حضرت مفتی صاحبؒ اپنی تصانیف سے پہلے بھی معاصر اکابر اوراہل علم سے ربط اور مشورہ کرتے رہتے تھے،اور تکمیل کے بعد بھی ان کی خدمت میں پیش کرکے ان کی آراء سے مستفیض ہوتے تھے،ان میں سر فہرست بزرگوں میں حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ،مولانا عبدالصمد رحمانیؒ،مولانا منت اللہ رحمانیؒ،مولانا اویس نگرامی،حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ،حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ،حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ،حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ،حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ،حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ،حضرت مولاناعبدالرحمن صاحبؒ،حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ،وحضرت قاری محمد طیب صاحبؒ وغیرہ حضرات ہیں۔

---

43 ۔زندگی کا علمی سفر ص۱۶،۲۶

۳۔ سادہ اور سنجیدہ اسلوب

حضرت مفتی صاحبؒ سادگی کا نمونہ تھے،اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گاجو تھوڑی دیر بھی ان کے ساتھ رہاہو،یہ سادگی اور شستگی ان کی تحریر میں بھی تھی،وقت کے عظیم ترین اہل علم وقلم حضرت مولانا علی میاں ندویؒ،مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس پہلو کی بھی شہادت دی ہے،اور ہر قاری بلا امتیاز کسی بھی تصنیف کامطالعہ کر کے خود محسوس کرسکتا ہے۔

۴۔ تسلسل اور عمدہ ترسیل سے آراستہ تحریر

حضرت مفتی صاحبؒ کی تصانیف میں سادگی کے ساتھ تسلسل اور بے ساختگی ہوتی ہے،اور قاری پر ہر بات اثر ضرور کرتی ہے،کہیں سے بے ربطی محسوس نہیں ہوتی ہے،یا جس مقصد کیلئے کتاب لکھی گئی ہے،وہ مقصد اچھی طرح پورا ہوتاہے،یہی ترسیل وابلاغ کی وہ خوبیاں ہیں جن کو کامیاب مصنف کی علامت کہا جاسکتا ہے،ہر ایک کو یہ نعمت میسر نہیں ہوتی۔

ع تانہ بخشد خدائے بخشندہ

۵۔ قلم کی تیز گامی

حضرت مفتی صاحبؒ بڑے موفق تھے،آپ نے بہت لکھا اور

بہت خوب لکھا آپ بڑے زود قلم اور زور نویس واقع ہوئے تھے،بڑی بڑی تصانیف چند دنوں میں تیار فرما لیتے تھے،ایک مرتبہ فرمایا کہ دارالعلوم آنے کے بعد پہلی تصنیف صرف بیس دن میں مکمل ہوئی،ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے جب بھی ملاقات ہوتی فرماتے کوئی نئ تصنیف لائے ہیں یا نہیں؟اس لئے کہ اکثر ملاقات کے بعد کوئی نہ کوئی نئ کتاب ضرور پیش فرماتے تھے،بعض کتابوں پر حواشی،عنوان بندی اور تحقیق وتعلیق یا کسی موضوع پر جمع وترتیب کے لئے متعدد اہل قلم سے کہا گیا لیکن کام نہ بنااور جب وہ کام حضرت مفتی صاحبؒ کے سپرد ہواتو آپ نے چند دنوں میں مکمل فرمادیا۔

۶۔تصنیف کا محرک

حضرت مفتی صاحبؒکی اکثر تصانیف کا کوئی نہ کوئی محرک ضرور ہے،مثلاً: بزرگوں کا مشورہ یا وقت کا تقاضہ،یا کسی علمی گوشے میں کمی کا احساس وغیرہ،کتابوں کے مقدمے، پیش لفظ اور تقریظوں میں ان کی صراحت موجود ہے۔

۷۔تصنیف کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا

حضرت مفتی صاحبؒ نے پچاس سے زائد رسائل اورکتابیں تصنیف فرمائیں اور بعض اہل علم کے بقول:آپ نے تنہا اتنا کام کیا ہے جواکیڈمیاں نہیں کرپاتی ہیں، اس کے باوجود آپ نے کسی کتاب کو ذریعۂ معاش

نہیں بنایا،اور نہ ہی ”حق تصنیف“وصول کیا،آپ چاہتے تو لاکھوں کی دولت اکٹھا کر لیتے،حضرت مفتی صاحبؒ اس صفت میں اپنے تمام معاصرین میں ممتاز ہیں،آپ کے طرز کو دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ آپ اپنا قلم محض اللہ تعالی کے لئے اور اس کے دین کی صحیح ترجمانی کے لئے اٹھا تے تھے،حضرت مفتی صاحبؒ ”ان اجری الا علی رب العالمین“ کی نبوی صفت سے متصف معلوم ہو تے ہیں۔

تصانیف کی زمرہ بندی:

حضرت مفتی صاحبؒ کی جملہ تصانیف کو تاریخ اور محرکات کے لحاظ سے تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(الف)۔دارالعلوم آنے سے پہلے کی تصانیف،

(ب)۔دارالعلوم کے ایماء پر تصانیف،

(ج) دیگر تصانیف (جو دارلعلوم دیوبند میں رہ کر تیار کی گئیں اور متعدد مطابع اورادارہ جات سے شائع ہوئیں)

(الف)۔دارلعلوم دیوبند آنے سے پہلے حضرت مفتی صاحبؒ نے رسائل،مجلات اور اخباروں میں مضامین ومقالات خوب لکھے اور متعدد علمی مجالس میں مقالات پڑھے،جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر میں کتب خانہ کے افتتاح کے موقع سے پڑھا گیا مقالہ جب حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الاسلام قاری

محمد طیب صاحبؒ نے سنا تو متاثر ہوکر دارالعلوم دیوبند آنے کی دعوت دی، گویا دارالعلوم دیوبند آنے کا سبب بھی آپ کا شگفتہ وشائستہ قلم ہی بنا، غرض یہ کہ دارالعلوم دیوبند آنے سے پہلے آپ کی کتابیں طبع ہو چکی تھیں، یہ ضخیم بھی ہیں اور قابل قدر وافتخار بھی، ان سے میری مراد، اسلام کا نظام مساجد، اسلام کا نظام عفت وعصمت اور مصائب سرور کونین (اسوۂ حسنہ) ہیں۔

ا۔ اسلام کا نظام مساجد

یہ کتاب حضرت مفتی صاحبؒ کی پہلی تصنیف ہے، آپ نے معدن العلوم نگرام ضلع لکھنؤ میں تصنیف شروع کی اور وہیں مکمل ہوئی، اس کی متعدد قسطیں رسالہ "برہان" دہلی میں شائع ہوئیں، اور مکمل کتابی شکل میں ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کی، طباعت کے بعد کافی مقبول ہوئی، بڑے بڑے اہل قلم نے اس پر تبصرے لکھے، مواد اور اسلوب کی خوب خوب داد دی، مولانا گیلانیؒ اور مولانا انظر شاہ کشمیریؒ نے اس کی انفرادیت وجامعیت کا اس طرح اعتراف فرمایا کہ اردو، فارسی، اور عربی تینوں زبانوں میں اتنی ضخیم اور جامع کتاب ہم نے نہیں دیکھی۔

اس کتاب کو حضرت مفتی صاحب کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ نے بھی بڑے آب وتاب کے ساتھ شائع کیا، مولانا مرحوم نے یہ کتاب راقم الحروف کو اپنے دستخط کے ساتھ عنایت فرمائی، اللہ

تعالی ان کی مغفرت فرمائے،وہ علم اور اہل علم کے بڑے قدر داں تھے،اور اپنے استاذ کی بڑی خدمت کرتے تھے،حیدرآباد میں حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا اور ان باتوں کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا۔

۲۔اسلام کا نظام عفت و عصمت

حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ دوسری ضخیم تصنیف ہے،جو بے حد مقبول ہوئی،اس کا انگریزی اور فارسی دونوں زبانوں میں ترجمہ ہوا،فارسی ترجمہ ایران سے شائع ہوا،اور انگریزی ترجمہ کویت کے ایک تاجر نے چھاپا،یہ ترجمہ بھی بہت عمدہ ہے،اس کا ایک نسخہ حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس بھیجا،اسکے نام میں صرف اتنی تبدیلی ہو گئی کہ ”مفتاحی“کے بجائے ”ندوی“لکھ دیا،ہندوستان میں اس ترجمہ کو ڈاکٹر منظور عالم صاحب نے بھی قاضی پبلیشرز دہلی سے چھاپا۔اس کا ہندی ترجمہ بھی ہوا،لیکن ابھی طبع نہیں ہو سکا ہے،

حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ کتاب دارالعلوم معینیہ سانحہ مونگیر (موجودہ بیگوسرائے)میں تصنیف فرمائی اور ندوۃالمصنفین دہلی سے شائع ہوئی،آج بھی یہ کتاب بہت مقبول ہے،مغرب زدہ طبقہ اس کو پڑھ کر عریانیت سے تائب ہو جاتا ہے۔

۳۔مصائب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم(اسوۂ حسنہ)

یہ کتاب بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے دارالعلوم معینیہ سانحہ میں تصنیف فرمائی، لیکن اس کی اشاعت دارالعلوم دیوبند آنے کے بعد ہوئی،اس پر حضرت مولانا گیلانیؒ کا مقدمہ ہے،مولانا گیلانیؒ کو اس کی طباعت پر بہت خوشی ہوئی،دیگر اہل علم کی بھی عمدہ آراء سامنے آئیں،کتاب کا عنوان ہی اس کی تفسیر ہے،

(ب)۔دارالعلوم دیوبند آنے کے بعد آپ نے نہایت ہی تیز گامی کے ساتھ کتابیں تصنیف کیں،بعض کتابیں تو دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام کے ایمااور حکم سے تصنیف فرمائیں،دراصل آپ شعبۂ تصنیف وتالیف ہی کیلئے بلائے گئے تھے،سب سے پہلے مولانا ابوالاعلی مودودیؒ کے نظریات کے رد میں ایک کتاب وجود میں آئی۔

ا۔جماعت اسلامی کے دینی رجحانات

اس وقت مولانا مودودی زندہ تھے اور ان کی جماعت کے لوگ بہت ہی سر چڑھے ہوئے تھے،خود دیوبند میں مولاناعامر عثانی نے ”جماعت اسلامی“کومعقول بنانے اور اہل علم کو اس سے متاثر کرنے کا بیڑا اٹھا رکھاتھا،ان کا سب سے بڑا اسٹیج ان کا ”ماہنامہ تجلی“تھاایسے ماحول میں حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی اور مولانا مودودی اور ان کی جماعت کی ترجمان شخصیات کی کتابوں سے ان کے افکار ونظریات لکھے اور ان کو نہایت ہی سادہ انداز میں رد کیا،اور آیات واحادیث اور فقہ وعقائد کے ام المراجع سے ان کا

غیر معقول ہونا سمجھایا۔

اس کے مندرجات پر متعدد اہل علم سے مناقشہ کے بعد یہ کتاب طبع ہوئی اور کافی مقبول ہوئی، مختلف جہات سے اہل علم اور ارباب قلم نے مصنفؒ کو داد تحسین سے نوازا فللّٰہ الحمد۔

۲۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند

علمی تصانیف میں سب سے بڑا علمی کارنامہ فتاوی دارالعلوم کی ترتیب ہے، حضرت مفتی عزیزالرحمن صاحبؒ مفتی دارالعلوم دیوبند کے فتاوی کی ترتیب کا جب شوریٰ نے فیصلہ کرلیا تو اس کے لئے سب سے موزوں شخصیت حضرت مفتی صاحبؒ ہی کی معلوم ہوئی، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب کے ساتھ جب یہ خدمت بھی سپرد ہوئی تو اس کو بھی رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر قبول فرمالیا، اوردونوں کام زورو شور سے کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے اور خارجی اوقات میں دوسرے مقالات ومضامین بھی لکھتے رہے اور کتابیں بھی تصنیف کرتے رہے، جو مختلف جگہوں سے طبع ہوتی رہیں۔

فتاوی دارالعلوم میں کئی کام اہم ترین تھے، ایک تو پرانے رجسٹروں کو پڑھنابڑا مشکل تھا، سوسال کے بوسیدہ کاغذوں پر اور وہ بھی کچی سیاہی سے لکھے ہوئے حروف، ان کو پڑھنا اور سمجھنا بہت دشوار تھا۔ دوسرے سوالات کی تلخیص بہت نازک مرحلہ تھا، عموماً مستفتی

کام کی بات کم اور اپنی کہانی زیادہ لکھتے ہیں،ان میں سے کام کے جملے منتخب کرنا،تیسرے جواب کی ترتیب بھی مشکل تھی،ایک ہی جگہ مختلف ابواب کے مختلف مسائل جمع رہتے تھے۔چوتھا مرحلہ جو سب سے اہم تھا،وہ جواب کے مطابق فقہی عبارتیں تلاشنا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے دوسرے مشاغل کے ساتھ میں اس مصروفیت کو بھی قبول فرمالیا،اور نہایت ہی تیزی سے کام کو آگے بڑھایا،چنانچہ:۱۳۸۱ھ میں پہلی جلد طبع ہوئی،بعض کرم فرماؤں نے حضرت مفتی صاحبؒ کانام ٹائیٹل پر لکھنے میں رکاوٹ پیدا کی،لیکن حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس سازش کو سمجھ لیااور مفتی صاحبؒ کانا م جلدکے سرورق پر لکھے جانے کا حکم فرمایا۔

پہلی جلد کی طباعت کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کاحوصلہ خوب بلند ہوا،اور دوسرے سال دوسری اور تیسری جلد طبع ہوگئی،پھر تیسرے اور چوتھے سال ایک ایک جلد طبع ہوئی،اس طرح پانچ جلدوں کاکام پورا ہوا،چھٹی جلد دوسال بعد ۱۳۸۷ھ میں اور ساتویں جلد ۱۳۹۰ھ میں آٹھویں جلد ۱۳۹۱ھ میں،نویں جلد۱۳۹۴ھ میں دسویں ۱۳۹۷ھ میں،گیارہویں جلد ۱۴۰۰ھ میں اور بارہویں جلد۱۴۰۲ھ میں طبع ہوئی۔

ترتیب فتاوی کاکام موقوف

بارہویں جلد کے بعد فتاوی کی ترتیب کاکام موقوف ہوگیا،دارالعلوم کا ہنگامہ اس کا اصل سبب بنا،حضرت مفتی صاحبؒ کا کمرہ لٹ گیا،سارے مسودات ضائع ہو گئے، بارہویں جلد کا مسودہ کاتب کے پاس تھا اس لئے بچ گیا،جو بعد میں طبع ہوا،یہ جلد ''نذر کے بیان''پر پوری ہو ئی،اس کے بعد اس کی طرف کوئی توجہ نہ ہوئی۔

۳۔تعارف مخطوطات دارالعلوم دیوبند

حضرت مفتی صاحب مرحوم نے اپنے قلم سے دارالعلوم دیوبند کی اتنی زیادہ خدمت کی ہے کہ اس کی مثال دارلعلوم کی تاریخ میں مجھے نہیں ملتی،ایک طرف فتاوی کی ترتیب دوسری طرف کتب خانہ کی ترتیب اور تیسری طرف مخطوطات کاتعارف یہ آخرالذکر کارنامہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

دنیا بھر کے کتب خانوں میں دارالعلوم دیوبند کا کتب خانہ بڑی اہمیت کا حامل ہے،لیکن ایک گوشہ سے کمی محسوس کی جارہی تھی کہ یہاں کی مخطوطات کاتعارف سرے سے موجود ہی نہ تھا،حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے اس کمی کو بھی بڑی اچھی طرح پورا کیا،اور ضخیم دوجلدوں میں تعارف مکمل فرمایا،دارالعلوم نے اپنے مکتبہ سے اسے شائع کیا۔

جب یہ کارنامہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ملا خطہ فرمایاتوحضرت مفتی صاحبؒ کو داد تحسین دی اور ندوۃالعلماء لکھنؤ کے کتب خانہ کے مخطوطات کے تعارف کے لئے حضرت مفتی صاحبؒ کو خصوصی رخصت دلاکر ندوہ بلایا،چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ نے وہاں رہ کر تین مہینے میں تعارف مکمل فرمایا،جبکہ چار سال سے ایک شخصیت سے یہ کام نہ ہو سکا تھا،تکمیل کے بعد جب حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے واپسی کی اجازت چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ ”میں نے آپ کو واپس کرنے کے لئے نہیں بلایا تھا،بہر کیف حضرت مفتی صا حبؒ دیوبند واپس ہوئے۔راقم الحروف مسلم پرسنل لا ء کے اجلاس کے موقع سے۱۹۹۸ء میں حضرت مفتی صاحبؒ کے خادم کی حیثیت سے جب ندوۃ العلماء گیاتو حضرت مفتی صا حبؒ کومعلوم ہواکہ مخطوطات کاتعارف چھپ گیاہے،تو کتب خانہ تشریف لے گئے،اور مطبوعہ نسخہ کو اچھی طرح الٹ پھیر کر دیکھااور بہت خوش ہوئے،لیکن اس پر حضرت مفتی صاحبؒ کانام نہیں تھا،میں نے حضرت مفتی صاحبؒ کی بے نفسی کا اچھی طرح مشاہدہ کیااور نام کے طبع نہ ہونے پر کسی طرح کا افسوس کرتے نہیں دیکھا،بلکہ ذکر بھی نہیں کیا،چونکہ اس سے پہلے میں نہیں جانتا تھا کہ یہ آپ ہی کا کارنامہ ہے،اس لئے مجھے بتانے کے لئے فرمایاکہ ”یہ تعارف مخطوطات میرا ہی تیار کردہ ہے، اوربس۔

۴۔رسالہ دارالعلوم دیوبند کا اداریہ

حضرت مفتی صاحبؒ نے مسلسل سترہ سال تک دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامے کا اداریہ تحریر فرمایا،اس سے پہلے رسالہ بلا اداریہ ہی طبع ہوتا تھا،اس زمانے میں اس کے ایڈیٹر جناب ازہر شاہ قیصرؒ تھے،حضرت مفتی صاحبؒ نے بتایا تھا کہ اداریہ کے آخر میں علامت کے طور پر میں ''ظفیر''لکھ دیا کرتا تھا،تاکہ بعد میں تلاشنے اور جمع کرنے والوں کو سہولت ہو۔

۵،۶،۷۔صدسالہ'' کے موقع سے حضرت مفتی صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کے تعارف کے سلسلے میں چار نمایاں کام انجام دیئے،

(الف)ایک تو دارالعلوم دیوبند کی صدسالہ خدمات کی نمائش کیلئے مختلف تحریریں مرتب کیں،مثلاً،طلبہ کی تعداد،ان کے وطن،ابنائے دارالعلوم کی خدمات ،حدیث ،تفسیر اور فقہ وغیرہ،پھر ہر میدان میں نمایاں کارنامے انجام دینے والے علماء کی فہرست وغیرہ،یہ سب چیزیں کتابی شکل میں شائع ہوئیں اور ان کی الگ الگ نمائش بھی لگائی گئی،جس سے ناظرین نے دارالعلوم کو سمجھا۔

(ب)۔''مشاہیر دارالعلوم دیوبند'' یہ بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مہتمم صاحبؒ کی ایماء پر مرتب فرمایا،جو کتابی شکل میں دارالعلوم نے شائع کیا۔

(ج)۔دارالعلوم دیوبند۔''قیام اور پس منظر''یہ بھی اسی موقع کی تصنیف ہے،

(د)۔ دارالعلوم دیوبند ایک عظیم مکتب فکر، یہ بھی صد سالہ کے موقع سے مرتب ہوئی اور شائع ہوئی۔

آخر الذکر دونوں رسالوں کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا،اس سے اس رسالہ کی افادیت کا دائرہ وسیع ہوا۔

(۸)۔ دینی عقائد: دارالعلوم دیوبند آنے کے بعد یہ دوسری تصنیف ہے،اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: یہ بھی حضرت مہتمم صاحبؒ کے ہی مشورہ سے ہوا، علم کلام وعقائد کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا،اور اقتباسات جمع کئے[44]

(ج)دارالعلوم میں رہ کر دیگر تصانیف کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مفتی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں رہ کر اپنے کو بہت مصروف رکھتے تھے،لازم ذمہ داری کے علاوہ بھی لکھتے پڑھتے رہتے تھے،مقالات ومضامین تو اکثر رسالوں اور اخباروں کی زینت بنتے تھے،ان رسالوں میں سے چند قابل ذکر ہیں:

(۱)رسالہ دارالعلوم دیوبند،(۲)برہان دہلی(۳)تبیان پاکستان(۴)الفرقان لکھنؤ،(۵)صدق جدید لکھنؤ(۶)نئ زندگی الہ آباد(۷)الہلال پٹنہ (۸)الجمعیۃ دہلی(۹)نقش دیوبند(۰۱)الفیصل حیدرآباد وغیرہ۔

---

44 ۔زندگی کا علمی سفر ص ۱۳۰

مقالات کے علاوہ کتابیں بھی ہیں،ساری کتابوں کا تفصیلی تعارف کرانااو ران کی خصوصیات کا لکھنا اس مختصر سے مقالہ میں دشوار ہے،اس لئے ان کے ناموں کی فہرست لکھنے پر اکتفاکیا جاتاہے:

۱۔جرم وسزاکتاب وسنت کی روشنی میں،

۲۔نظام تربیت

۳۔اسلام کانظام تعمیر سیرت (نسل کشی)

۴۔اسلامی حکومت کا نقش ونگار

۵۔اسلام کا نظام امن

۶۔مسائل حج وعمرہ

۷۔حکیم الاسلام اور ان کی مجالس

۸۔تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانیؒ

۹۔تذکرۂ مولاناعبدالرشید رانی ساگری

۱۰۔امارت شرعیہ۔دینی جدوجہد کاروشن باب

۱۱۔امارت شرعیہ۔کتاب وسنت کی روشنی میں ،

۱۲۔درس قرآن(مکمل قرآن مجید کی درسی انداز کی مختصر تفسیر)

۱۳-اسلام کا نظام حیات

۱۴۔حضرت نانوتویؒ۔ایک مثالی شخصیت

۱۵۔تفسیر حل القرآن پر عنوانات وحواشی

۱۶ -ہندوستان میں نظام تعلیم وتربیت"(گیلانی)پر عنوانات کااضافہ

۱۷۔کشف الاسرار ترجمہ درمختار(ازابتداء تاکتاب الطلاق)

۱۸۔تعارف مخطوطات ندوۃالعلماء،لکھنؤ

۱۹ –مجموعۂ قوانین اسلامی(پہلا مسودہ آپ نے تیار کیا)

۲۰۔مشاہیر علمائے ہند کے علمی مراسلے

۲۱۔شیخ الہندؒ کی علمی زندگی ۲۲۔نفقۂ مطلقہ کاشرعی حکم

۲۳۔نفقۂ مطلقہ اور اسلام

۲۴۔ایک جامع کمالات شخصیت(تذکرہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ)

۲۵ -اسلام کانظام تعلیم وتربیت

۲۶۔حیات مولانا گیلانیؒ

۲۷ -اسلام کانظام معشیت

۲۸۔تاریخ المساجد

۲۹۔زندگی کا علمی سفر

۳۰۔تاریخی حقائق

۳۱۔جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند کااجمالی تعارف

۳۲۔اسلامی زندگی کے آثارو نقوش

۳۳۔جنگ آزادی کا ایک یاد گار سفر

۳۴۔ تحریک مودودیت یا جماعت اسلامی

یہ چونتیس کتابیں ہیں،اوپر گیارہ کتابوں کا تفصیلی تذکرہ گزر چکا ہے،اس طرح تصانیف کی کل تعداد پینتالیس (۴۵)ہوگئی اور اگر فتاویٰ کی بارہ جلدوں کوایک کے بجائے بارہ گنا جائے توکل تعداد چھپن (۵۶) ہوجائے گی۔
راقم الحروف نے یہ تعداددارالعلوم کے کتب خانے،دارالعلوم میں طلبہ کی ضلعی اور صوبائی لائبریریوں اور حضرت مفتی صاحبؒ کے گھر جاکر آپ کے فرزند ارجمند مولانا احمد سجاد صاحب قاسمی زید مجدہ' کے تعاون سے تیار کی ہے تصانیف کی صحیح تعداد کیا ہے؟ یہ خود حضرت مفتی صاحبؒ کو بھی یاد نہیں تھی،حضرت مفتی صاحبؒ نے نہ تومسودات محفوظ رکھنے کا التزام کیا اور نہ مطبوعات کو جمع کرنے کا اس لیے یہ کہاجا سکتا ہے کہ ممکن ہے اور بھی کتابیں ہوں،رہے مقالات ومضامین تو اس کی بھی صحیح تعداد معلوم کرنا بہت مشکل ہے،پھر بھی سیکڑوں کی تعداد میں آپ کے فرزند ارجمند نے جمع فرمالیا ہے،اللہ کرے! ان سب کی طباعت کاسامان ہوجائے،تاکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی روح خوش ہواور یہ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہو(آمین ؔ)

فقیہ کبیر حضرت اقدس مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ

مولانا مفتی نثار خالد صاحب دیناجپوری
استاذ جامعۃ الامام انور دیوبند

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علیٰ اھلہا۔

شوال ۱۴۰۸ھ کی بات ہے کہ میں ایک رسمی طالب علم بن کر مادر علمی دارالعلوم دیوبند موقوف علیہ کے سال میں داخل ہوا، یہ سال کافی محنت اور دلچسپی کے ساتھ درسیات کے پڑھنے اور اس میں اپنے آپ کو لگائے رکھنے کا ہوتا ہے جیسا کہ حضرات اہل علم پہ مخفی نہیں ہے، اسلئے اپنی تمامتر کوشش یہی رہا کرتی تھی کہ اس سال کوئی وقت ضائع نہ ہو، زیادہ تر اوقات سب سے الگ تھلگ اپنے اسباق کے پڑھنے اور مطالعہ میں لگا رہتا تھا، البتہ ہفتہ عشرہ میں کبھی کبھار مخدم زادۂ محترم اخی المعظم والمکرم حضرت العلام مولانا و مفتی اختر امام عادل صاحب قاسمی زید مجدہٗ وفضلہٗ کی خدمت میں ان کے کمرہ میں حاضری دیتا اور ان سے مل کر اپنے دل و دماغ کی پریشانی اور ذہنی تشنگی دور کرتا، اور علمی رہنمائی حاصل کرتا، حضرت مفتی صاحب اس وقت وہاں معین مدرس تھے اور وہ سب سے زیادہ اپنے اساتذہ میں جن کے تذکرہ میں رطب اللسان رہا کرتے وہ حضرت اقدس مفتی باکمال فقیہ بے مثال مولانا مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کی ذات گرامی تھی، اکثر ایسا ہوا کہ میں حضرت مفتی صاحب موصوف کی خدمت میں ہوں اور انہوں نے اپنے استاذ

محترم کا ذکر لذت انگیز شروع کر دیا، حضرت مفتی صاحب کے اس تذکرۂ مسلسل نے استاذ مکرم حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ سے غائبانہ انس ومحبت پیدا کر دیا پھر قدرت خداوندی کی دستگیری سے ٹھیک دو سال بعد یعنی ۱۴۰۱ھ میں ناچیز کا داخلہ شعبۂ افتاء میں ہوا تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہوا آپ سے میں نے در مختار پڑھی۔

حضرتؒ کی خود نوشت آپ بیتی

حضرت مفتی صاحب کی خود نوشت "زندگی کا علمی سفر" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں بحیثیت مفتی فائز ہوئے تو شعبۂ افتاء کی دو کتابیں (۱) در مختار (۲) اور رسم المفتی کی تدریس آپ سے متعلق کی گئی، کئی سال تک آپ نے دونوں کتابیں بحسن وخوبی پڑھائیں پھر صدر مفتی حضرت مولانا ومفتی نظام الدین صاحبؒ کے ایماء پر رسم المفتی استاذ مکرم حضرت مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاط نائب مفتی دارالعلوم کے حوالہ کر دی اور تاوقت اخیر در مختار پڑھا تے رہے۔

اس زمانہ میں حضرتؒ کو خوب دیکھا اور سنا جتنا سنا تھا اس سے زیادہ پایا، حضرتؒ میں غایت درجہ کی سادگی وبے نفسی تھی، بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے یعنی "دریا پی گئے اور ڈکار تک نہیں لی" کا مصداق تھے ظاہری وضع وقطع، رفتار

وگفتار، لباس وپوشاک سے کسی کو یہ باور کرنا مشکل تھا کہ آپ کو علوم نقلیہ وعقلیہ میں کافی مہارت ودست رس حاصل ہے۔

دارالعلوم کی خدمت کے لئے انتخاب

حضرت مفتی صاحبؒ شاندار مضمون نگاراور صاحب طرز ادیب تھے بالکل یکسو رہتے، لکھتے پڑھتے رہتے تھے، قدرت کی طرف سے اس کا عمدہ ذوق پایا تھا جو قابل صدرشک تھا۔بات صاف صاف ہوتی جملے چھوٹے چھوٹے اور سادہ ہوتے، جس موضوع پر لکھتے اسکی تہ اور گہرائی میں اتر کر لکھتے، اسکا کوئی گوشہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔

ان کے تدریسی دور کے آغاز یعنی ۱۳۷۵ھ کی بات ہے جب آپ مدرسہ معینیہ سانحہ بیگوسرائے میں خدمت پر مامور تھے ایک دن امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی علیہ الرحمہ سے ملنے خانقاہ رحمانی مونگیر تشریف لے گئے، مولانا رحمانیؒ نے ملتے ہی فرمایا بہت خوب ہوا آپ آئے، فلاں تاریخ کو کتب خانہ جامعہ رحمانی کی نئی عمارت کا افتتاح ہے جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (جن کے آپ مرید ودست گرفتہ تھے) اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم تشریف لا رہے ہیں، اس موقعہ پر آپ ضرور تشریف لائیں، حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک درخواست کے ساتھ یہ دعوت منظور کرلی کہ کتب خانہ کی اہمیت وافادیت پر ایک مقالہ تیار کرکے لاؤنگا اسے پیش کرنے

کی اجازت ملنی چاہئے، حضرت مولانا رحمانیؒ کی طرف سے مقالہ اس شرط کے ساتھ پیش کرنے کی اجازت ملی کہ مقالہ پہلے مجھے دیکھا دیا جائے۔ مدرسہ معینیہ سانحہ آکر حضرت والاؒ نے مقالہ لکھا پھر کیا ہوا، آپ کی آپ بیتی "زندگی کا علمی سفر" کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو: "مقالہ کی تیاری میں لگ گیا، اللہ کے فضل و کرم سے ایک اچھا خاصا تاریخی مقالہ تیار ہو گیا، مقررہ تاریخ کو میں اس وقت مونگیر پہونچا جب سارے معزز مہمان آچکے تھے اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ بہت مشغول ہو چکے تھے میں نے حاضر ہو کر حضرت کو سلام کیا اور عرض کیا یہ مقالہ ہے میں نے تیار کر لیا ہے۔ فرمایا اب میرے لئے دیکھنے کا موقع کہاں رہا بہر حال مقالہ جیب میں رکھیں[45]

اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ ناامید ہو گئے یقین ہو گیا کہ اب مقالہ نہیں پڑھا جائیگا، لہذا کتب خانہ کے ہال میں بیٹھنے کے بجائے مسجد کی چھت پر جا بیٹھے، جہاں بولنے والے مقررین کی آوازیں جا رہی تھیں پروگرام شروع ہوا پہلی نشست ختم ہوئی، جب دوسری نشست بعد نماز عصر شروع ہوئی تو نائب امیر شریعت نے آپکو مقالہ پیش کرنے کیلئے مائک پر آواز دی، آپ مائک پر آئے اور مقالہ پڑھنا شروع کیا، وہ مقالہ کیا تھا، جادو تھا جو تمام لوگوں کے دل و دماغ پر اپنا اثر ڈالے چلا جا رہا تھا؛ حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے:

---

45 ۔ زندگی کا علمی سفر، صفحہ ۹۰۱

"میں اسٹیج پر چڑھا، مقالہ پڑھنا شروع کیا، تھوڑی دیر میں میں نے محسوس کرلیا کہ یہ مقالہ علمائے کرم اور عوام دونوں کافی پسند فرمارہے ہیں اور لوگوں پر ایک سکتہ کا عالم چھایا ہوا ہے، مقالہ طویل تھا تا آنکہ مغرب کی اذان ہوگئی، مغرب کی نماز کے بعد حضرت نے پھر یاد فرمایا اور حکم دیا کہ مقالہ پورا کریں، آگے یہ بھی فرمایا کہ علماء کا اصرار ہے کہ پورا مقالہ پڑھا جائے، چنانچہ پورا مقالہ پڑھا[46]

حضرتؒ نے اپنی افتاد طبع کے مطابق یہ مقالہ بھی کافی محنت وعرق ریزی سے تیار کیا تھا اور اس میں ایسی معنویت و جاذبیت پیدا کردی تھی کہ علمائے کرام اور خواص بھی آپ کی سحر آفریں تحریر کا اثر لئے بغیر نہیں رہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہما دونوں اسی دن آپ کے قدر دانوں میں ہوگئے اور دونوں نے باہم مشورہ سے طے کرلیا کہ انہیں دارالعلوم دیوبند بلالینا ہے، سچ کہا ہے جس نے کہا،

ع قدر گوہر شاہ داند یابداند جوہری

چنانچہ نبض شناش حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰/ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ کو ایک مفصل خط آپ کے نام روانہ کیا جس میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تبلیغ میں تصنیف وتالیف کا کام کرنے کی دعوت دی، حضرت حکیم الاسلامؒ کا وہ گرامی نامہ فقط دعوت نامہ نہیں تھا بلکہ اس میں مذکورہ شعبہ میں کام کرنے والے کی کیسی لیاقت

---

46 - صفحہ ۱۰۹

وصلاحیت اوراستعداد کی پختگی چاہیئے وہ سب حضرت مہتمم صاحبؒ کے حکیمانہ اسلوب تحریر میں موجود تھا،اس کی ایک جھلک حضرت مفتی صاحبؒ کے نوک قلم سے لکھے چند جملوں میں ملاحظہ کریں، حضرت مہتمم صاحبؒ کے اس مکتوب گرامی کو بغور پڑھیں اس میں کتنی شرطیں لگائی گئی ہیں:

"(۱)صاحب قلم خوش تحریر ہو(۲)مسائل شرعیہ کو دلنشیں انداز میں بیان کر سکتا ہو (۳)زمانے کے تقاضہ کاپاس ولحاظ ہو(۴)اسلوب بیان اچھا ہو (۵) مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے نظریات سے باخبر ہو(۶)مخالف تحریرات سے انصاف واعتدال کے ساتھ غلطی اخذ کرکے اس پر سنجیدگی سے گرفت کرسکتا ہو(۷)معاندین کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کا شرعی مواد کی روشنی میں جواب دینے کی اہلیت رکھتا ہو(۸)اکابر واسلاف کے ذوق وفکر سے واقف ہواور اسکی رعایت کر سکتا ہو وغیرہ وغیرہ"[47]

حضرت حکیم االاسلامؒ کے گرامی قدرخط میں اس طرح کی کڑی شرطیں تھیں کہ جن کا عامتاً مجموعی طور پر کسی ایک عالم دین کے اندر پایا جانا بہت مشکل تھا،مگر حضرت قاری صاحبؒ کو مفتی صاحبؒ کے بارے میں کافی حسن ظن تھا،چنانچہ اسی گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس سلسلے میں مختلف شخصیتوں کے نام کے ساتھ جناب کا اسم گرامی بھی

---

47 ۔ صفحہ ۱۱۶

سامنے آیا بندہ کا حسن ظن تو ذات سمائی کی نسبت جو ہے وہ ہے اور یہی اس کا باعث ہوا ہے [48]

حضرت مفتی صاحبؒ اس وقت مدرسہ معینیہ سانحہ کی کشتی کے ناخدا اور روح رواں تھے اس لیے جواباً ایک خط بنام مہتمم دارالعلوم حضرت قاری محمد طیب قدس سرہ روانہ کرکے خاموش اپنے کام میں لگے رہے، پھر حضرت مہتمم صاحبؒ کا دوسرا خط مورخہ ۲۴/ محرم ۱۳۷۶ھ کو مفتی صاحب کے نام آیا جس میں واضح لفظوں میں لکھا تھا کہ آپ کا تقرر شعبۂ تبلیغ میں فرائض مذکورہ سابقہ (تصنیف وتالیف) پر بہ مشاہرہ ماہوار پچھتر روپئے منظور کیا گیا ہے، پچاس فیصدی ایڈوانس ملے گا اس لیے مجموعی یافت سر دست ایک سو بارہ روپیے آٹھ آنہ ہوگی۔[49] اس طرح کسی انٹر ویو کے بغیر آپ کا تقرر عمل میں آیا۔

یہ قصہ ۱۴/ محرم ۱۳۷۶ھ کا ہے، حضرتؒ ایک ماہ کی تاخیر سے ۳/ صفر ۷۶ھ مطابق ۹/ ستمبر ۱۹۵۶ء کو دارالعلوم پہونچے اور حضرت حکیم الاسلامؒ سے ملاقات کی، وہ بیحد خوش ہوئے جیسا کہ کوئی مہربان باپ اپنے

---

48 - صفحہ ۱۱۵ زندگی کا علمی سفر

49 - صفحہ ۱۱۷ زندگی کا علمی سفر

بچھڑے ہوئے بیٹے کی ملاقات پر خوش ہوتا ہے،ایک دن کے بعد یعنی ۴/صفر سے آپ باضابطہ حلقۂ ملازمین مین شامل کر لئے گئے۔

کام کا آغاز

حضرت مفتی صاحبؒ ۱۰/مئی ۱۹۴۷ءہی کو شیخ الاسلام حضرت مولاناسید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہو چکے تھے اور مسلسل دس سال تک یعنی ۴۷ھ سے لیکر ۵۶ھ تک انہی کی تعلیمات وارشادات پر عمل کرتے رہے،حضرت والا کی خود نوشت (زندگی کا علمی سفر) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شیخ مدنیؒ سے تسبیحات ستہ سے لیکر پاس انفاس تک تعلیم پائی تھی۔[50]

حضرت حکیم الاسلامؒ نے اسی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے مرشد محترم حضرت شیخ الاسلام کو مودودی جماعت سے سخت بعد ونفرت ہے،اس لیے آپ سب سے پہلے جماعت اسلامی کے رجحانات وخیالات پر کوئی کتاب تحریر فرمائیں[51]

چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ نے جماعت اسلامی کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا، موافق و مخالف ساری کتابیں پڑھیں،پھر تقریباً دوماہ کا عرصہ

---

50 ۔ مختصراً صفحہ ۱۷۲

51 ۔ صفحہ ۱۲۹ زندگی کا علمی سفر

گزرنے نہیں پایا تھا کہ حضرت نے ایک کتاب ”جماعت اسلامی کے دینی رجحانات“ کے نام سے ترتیب دی اور حضرت مہتمم صاحب کو دیکھایا حضرت مہتمم صاحبؒ کو کتاب خوب پسند آئی، کتابت وطباعت کا حکم ارشاد فرمایا، پھر جب کتاب چھپ کر منظر عام پرآئی تو حضرت شیخ الاسلامؒ نے دیکھا اور حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے۔

شعبۂ تبلیغ سے دارالافتاء میں

آپ اس شعبہ میں مختلف موضوعات وعنوانات پر کام کرتے رہے تا آنکہ اسی سال بعد رمضان مجلس عاملہ دارالعلوم دیوبند کی میٹنگ (منعقدہ٦/ ذیقعدہ ٧٦ھ)میں آپ کو اس شعبہ سے دارالافتاء میں مرتب فتاوی کی حیثیت سے منتقل کرنے کا فیصلہ کیاگیا۔چنانچہ آپ٨/ذیقعدہ ٧٦ھ کوشعبۂ تبلیغ سے دارلافتاء آگئے اور ترتیب فتاوی کاکام شروع فرمایا،اسی اثناء میں ٨/ محرم ٧٧ھ میں حضرت حکیم الاسلامؒ کا حکم ہواکہ مرتب فتاوی (یعنی ظفیرالدین)ترتیب فتاوی کے ساتھ فتویٰ نویسی کاکام بھی انجام دیں گے،اب حضرت والاؒ مرتب فتاوی کے ساتھ دارلافتاء کے مفتی بھی ہو گئے،یہاں یہ بات عرض کردینا نامناسب نہیں ہے کہ فراغت کے بعد جب آپ مفتاح العلوم مئو میں معین المدرس تھے تو آپ فتویٰ بھی لکھتے تھے،حالانکہ آپ نے باقاعدہ شعبۂ افتاء میں نہیں پڑھاتھا .مگر آپ کی صلاحیت پر آپ کے اساتذہ واکابر کو

اعتماد تھا .اس لیے آپ مفتاح العلوم میں آنے والے سوالوں کا جواب لکھتے اور اپنے محبوب ومحترم استاذ محدث کبیر حضرت مولانا اعظمیؒ اور انکی غیر موجود گی میں اپنے دوسرے استاذ مولانا عبدالطیف نعمانی ؒ کو دیکھا دیا کرتے .ان دونوں بزرگوں کی نگرانی میں فقہ وفتاوی کی کتابوں کا مطالعہ اور سوالات کے جواب لکھنے کی سعی مسلسل نے آپ کو ایک کہنہ مشق اور قابل اعتبار مفتی بنا دیا تھا .اس لیے جب آپ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں آئے اور فتویٰ نویسی آپ کے سپرد ہوئی تو آپ گو دوسروں کی بہ نسبت نوعمر تھے.پھر دارالعلوم میں نووارد بھی تھے،دارالافتاء میں حضرت مفتی مہدی حسنؒ اور مفتی جمیل الرحمن جیسے آزمودہ اور پختہ کارحضرات موجود تھے .تھوڑے دنوں کے لئے دوری رہی، بعض مسائل میں اختلاف بھی ہوا . مگرپھر سارے حضرات آپ پر اعتماد کرنے لگے۔اللہ پاک نے آپ کے کاموں میں بڑی برکت دی،اور ان کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔

. حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی رکن شوریٰ دارالعلوم وصدر شعبۂ دینیات مسلم یونیور سیٹی علی گڈھ نے آپ کے مرتب کردہ فتاویٰ کی ابتدائی دونوں جلدوں کو دیکھ کر لکھا کہ:

"محسوس ہوتاہے کہ اس عظیم امر اور اہم کام کی انجام دہی کے لئے مولانا

موصوف سے بہتر اور کسی شخص کا انتخاب نہیں ہو سکتا۔[52]

کتب خانۂ دارالعلوم کے گیسوئے برہم کی استواری وآراستگی

دارالعلوم دیو بند کا کتب خانہ بہت بڑاہے جس میں مختلف علوم وفنون کی کم و بیش تین لاکھ کتابیں ہیں .آج سے چار پانچ دہائی قبل یہ کتب خانہ بیحد زبوں حالی وخستگی کا شکار تھا کتابیں غیر مرتب تھیں کسی کو کوئی کتاب دیکھنی ہوتی توتلاش بسیار کے بعد بمشکل ملتی .کافی دقتوں کا سامنا ہوتا جیسا کہ خود حکیم الاسلام حضرت قاری صاحبؒ نے ایک خاص موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ:کتب خانہ کا حال اچھا نہیں ہے.جب کوئی اہل علم آیا اس نے شکایت کی .ممبران شوریٰ جب کسی کتاب کو طلب کرتے ہیں تودوتین دنوں سے پہلے نہیں ملتی[53]

اس لئے ۱۳۸۱ھ میں تمام دفاتر کی جانچ پڑتال کے لئے ایک جائزہ کمیٹی بنی جس نے شوریٰ کو یہ رپورٹ پیش کی کہ کتب خانہ دارالعلوم سب سے زیادہ زبوں حالی وبے ترتیبی کا شکار ہے .لہٰذاکتب خانہ کی جملہ کتابوں کی جدید انداز میں کوئی ایسی ترتیب دی جائے کہ کوئی کتاب تلاش کرنے میں دقت نہ ہو .چنانچہ اس اہم اورمحنت طلب کام کے لئے بھی اراکین شوریٰ کی نظر انتخاب آپ ہی پر پڑی،چنانچہ ماہ صفر ۸۲ھ میں آپکا تبادلہ دارالافتاء سے

---

[52] ۔ مقدمۂ فتاوی دارالعلوم

[53] ۔زندگی کا علمی سفر

کتب خانہ میں ہو گیا جو بظاہر ترقی سے تنزلی کی طرف سفر تھا لیکن آپ نے کمال بے نفسی کے ساتھ اس کو قبول کرلیا اور کتب خانہ دارالعلوم کی کتابوں کی ترتیب ایسے جدید انداز اور نئے ڈھنگ سے دی کہ آج دارالعلوم کا ہر فاضل اور کتب خانۂ دارالعلوم سے استفادہ کرنے والا ہر فرد اپنے کو حضرت ؒ کے احسان تلے محسوس کرتا ہے۔

مخطوطات کا تعارف

کتابوں کی ترتیب کے دوران آپ نے دیکھا کہ مطبوعہ کتابوں کے ساتھ بہت سارے نادر قلمی نسخے بھی ہیں جو مطبوعہ کتابوں میں ملے ہوئے تھے.اس سلسلے میں آپ نے دو کام کئے(۱) پہلا کام تو یہ کیا کہ اس کے لئے علاحدہ جگہ متعین کی اور یہ سارے نسخے خاص نہج پر وہیں رکھے گئے (۲) دوسرا کام یہ کیا کہ ہر ایک کا مفصل تعارف لکھا جو بعد میں، تعارف مخطوطات کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوا۔

شعبۂ مطالعۂ علوم قرآنی کی نگرانی (۸۴ تا ۸۷ھ)

اسی اثنا میں کہ آپ ترتیب فتاویٰ کے محنت طلب کام میں لگے ہوئے تھے کہ اراکین دارالعلوم دیو بند نے فارغین دارالعلوم میں سے ذہین فضلاء کے اندر علوم قرآنیہ کا ذوق اور مہارت پیدا کرنے کیلئے مطالعۂ علوم قرآنی

کا شعبہ کھولنے کا فیصلہ کیا جس کی نگرانی حضرت مفتی صاحبؒ کو سونپی گئی،حضرت والا نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا،یہ شعبہ ۱۳۸۴ھ میں قائم ہوا بعض وجوہات سے ۸۷ھ میں بند ہو گیا،اس چار سال کے عرصہ میں جن نامور فضلاء نے حضرت والا سے استفادہ کیا ان میں اس وقت کے نامور عالم دین،بڑے باپ کے بیٹے،بے باک خطیب ومقرر حضرت العلامہ مولانا محمد ولی رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر،معروف عالم وصاحب قلم حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ بانی وناظم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد اور مولانا محفوظ الرحمن صاحب شاہین جمالی چترویدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

رکن ادارت ماہنامہ دارالعلوم

شعبۂ علوم قرآنی کی آپ نگرانی فرمارہے تھے کہ دارالعلوم دیو بند کا ترجمان ماہنامہ دارالعلوم میں ذمہ داران دارالعلوم نے ایک بہت بڑی کمی محسوس کی کہ اس میں اداریہ نہیں ہے،بس مضامین ہیں جو حضرت مولانا ازہر شاہ قیصر کی تہذیب وترتیب کے مطابق شائع ہوتے ہیں،چنانچہ اس ادارت کے لئے جن اصحاب قلم حضرات پر نظر انتخاب پڑی ان میں سر فہرست حضرت کی ذات گرامی تھی،اس سلسلہ میں حضرت والا کی خود نوشت کتاب زندگی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

”مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ اداریہ ہونا چاہئے چنانچہ صفر۸۵ھ کی شوریٰ دفتر اہتمام میں ہو رہی تھی مجلس میں مجھے بلایا گیا، ممبران نے پوچھا آپ رسالہ دارالعلوم پڑھتے ہیں ،میں نے اثبات میں جواب دیا،پوچھامضامین کیسے ہوتے ہیں ؟میں نے کہا عوامی ہوتے ہیں تا کہ ہر کوئی پڑھ لے،پوچھا اس میں اداریہ ہوتا ہے؟میں نے کہا نہیں ہوتا ہے،پوچھا ہوناچاہئے یا نہیں؟میں نے کہا یہ فیصلہ آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے،آگے شوریٰ کے اہم رکن قاضی زین العابدین صاحبؒ نے کہا کہ آپ کو ہم لوگوں نے اس وقت اس لئے زحمت دی ہے کہ آپ کو شریک ادارت کرلیا جائے،آپ پابندی سے اداریہ لکھیں آنے والے اور شائع ہونے والے مضامین کی اصلاح بھی کریں اور جو کمی ہو اس کو پورا کریں،اس پر حضرت نے شوریٰ کے اراکین سے جو کہا وہ بھی انہی کے قلم سے سنیے،کہ: ان تمام کاموں کے لئے میں آمادہ ہوں اور انشاء اللہ پوری ذمہ داری سے کرونگا،بس اتنی درخواست ہے کہ ٹائٹل پر مدیر کے خانہ میں میرا نام نہ لکھا جائے،یہ تھی حضرتؒ کی کمال بے نفسی کہ سارے کام کریں گے مگر نام نہیں چاہئے،خود حضرت فرماتے تھے کہ کام ہونا چاہئے، نام کی ضرورت ہی کیا ہے؟

دراصل ٹائٹل پر علامہ کشمیریؒ کے صاحبزادے مولانا ازہر شاہ قیصرؒ کا نام ہوتا تھا، اس لئے وہ خواہ مخواہ اس تنازع میں پڑنا نہیں چاہتے

تھے،الحاصل آپ ماہنامہ دارالعلوم کا اداریہ ۸۵ھ سے ۱۴۰۲ھ تک مسلسل سترہ سال تک بے نام ونمود کیا،اور سلف صالحین کی یاد تازہ کردی،حضرت کا اداریہ رسالہ کی جان ہوتا تھا،حضرت نے خود لکھا ہے کہ

"میرے اداریہ کو اللہ تعالیٰ نے خوب مقبول بنا رکھا تھا لوگ ہر ماہ اس کے منتظر رہتے اور کتنوں نے یہ بتایا کہ اداریہ ہی کی وجہ سے یہ رسالہ منگواتا ہوں۔[54]

نگرانی الداعی ومولانابدرالحسن

مذکورہ بالا علمی کاموں کے ساتھ آپ ایک زمانہ تک دارالعلوم دیوبند کے عربی ترجمان مجلہ الداعی کے بھی نگراں رہے،اسی طرح حجتہ الاسلام حضرت نانوتوی ؒ کی تالیفات وتصنیفات کی تحقیق وتسہیل کے لئے جب اراکین دارالعلوم نے مولانا بدرالحسن قاسمی کو منتخب فرمایا توآپ ان کے سر پرست مقرر ہوئے،اور ہر جگہ آپ کے علمی کمالات کا ظہور ہوا،مگر حیرت ہوتی ہے کہ ایسے صاحب کمال اور محقق عالم دین سے دارالعلوم نے بلند درجات کی کتابیں کیوں متعلق نہ کیں؟ آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سعیدالرحمن صاحب

---

[54] ۔ صفحہ ۱۴۹

ندوی اعظمی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم ندوۃالعلماء لکھنؤ نے اپنے ایک مضمون میں حیرت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

"مفتی صاحب مرحوم نے ہر اعتبار سے ایک کامیاب استاذ انشاء پرداز اور افتاء میں مہارت کے ساتھ جملہ دینی واخلاقی صفات کے ساتھ زندگی گزاری، دارالعلوم دیوبند میں اتنی طویل المدت قیام کے باوجود بحیثیت استاذ نمایاں نہ ہو سکے جبکہ وہ تعلیم وتربیت کے ذوق سے نہ صرف واقف تھے بلکہ وہ اس فن میں پوری طرح مسلح تھے۔[55]

اجلاس صدسالہ اور حضرت والا کی خدمات

جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ مطابق مارچ ۱۹۸۰ء کو جب اجلاس صدسالہ ہوا اس موقع پر فراہمی مالیات کے شعبہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں میں آپ بھی تھے، حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی مدیر رسالہ الداعی نے اپنی کتاب "پس مرگ زندہ" میں لکھا ہے کہ:

" شمالی بہار کے ضلعوں میں خصوصی چندہ کی وصولی کا کام مولانا بہاریؒ و قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ ومفتی ظفیرالدین صاحبؒ کے سپرد ہوا۔[56]

---

[55] ۔ نقوش اسلام مئی ۲۰۱۱ء

[56] ۔ پس مرگ زندہ صفحہ ۲۷۲

اس قافلہ کے سالار تو علامہ بہاریؒ تھے پر یہ دونوں ان کے دست وبازو بنے رہے اور خوب چندہ کیا، پھر آپ واپس دارالعلوم آکر اسکی تیاری میں لگے، حضرت مفتی صاحبؒ بہترین انشاء پرداز زبان وقلم کے مرد آہن تھے، اسلئے فوت شدہ علماء دیو بند کے حالات وتذکرے مرتب کئے جانے کی بات آئی تو قرعہ حضرت والا کے نام آیا اور آپ نے مشاہیر علماء دیو بند کے نام ایک کتاب مرتب کرکے اراکین شوریٰ کو پیش کی، اس کے علاوہ آپ کی دو کتابیں (۱)دارالعلوم دیوبند قیام اور پس منظر(۲)دارالعلوم دیوبند ایک عظیم مکتب فکر بھی اس موقع پر منظر عام پر آئیں جو بے حد پسند کی گئیں۔

اجلاس صد سالہ کے بعد......

اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند کی پوی زندگی میں دو عظیم سانحے پیش آئے جن کا کسی کو وہم وگمان تک نہ تھا:

دارالعلوم دیوبند کے بعض اراکین حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی صاحبزادۂ اکبر حضرت حکیم الاسلامؒ کے مہتمم بننے کے خواہاں تھے اور بعض اس کے پرزور مخالف تھے، یہ اختلاف ایسا سنگین ہوا کہ بالآخر دارالعلوم کے دروازے بند ہو گئے، علماء وطلباء سے دارالعلوم خالی کردیا گیا، یہ سلسلہ کم وبیش پندرہ دن تک رہاپھر فیصلہ ہوا اور دارالعلوم دیوبند کے دروازے کھول دیئے گئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے لئے یہ زمانہ بڑی مشکلات وپریشانیوں کا تھا،ایک طرف مشفق شیخ ومہربان مرشد حضرت حکیم الاسلامؒ کی ذات عالی کی محبت ودیوانگی،دوسری طرف دارالعلوم دیو بند کی خدمت وملازمت کا مسئلہ،لیکن حضرت مفتی صاحب ؒ کی خاص صفت کم آمیزی وخاموشی،تدبر وہوشمندی نے کام کیا،پوچھے جانے پر ایک دفعہ آپ نے کہا کہ دارالعلوم دیو بند ایک دارالسلطنت ہے ہم اس کے ماتحت ہیں حکمراں آتے اور بدلتے ہی رہتے ہیں اور رہیں گے۔

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر جب آپ کو آپ کے بعض بزرگوں اوردوستوں نے دارالعلوم دیوبند چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے مرشد اول حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور مرشد دوم حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ دونوں باہم مشورہ کرکے مجھے دارالعلوم معینیہ سانحہ سے دارالعلوم دیو بند لائے تھے اور حضرت قاری صاحب ؒنے فرمایا تھاکہ دیوبند میں اہل علم کو جمنا چاہئے،لہٰذامیں نے طے کرلیا کہ جب تک خود ارباب دارالعلوم اور اس کی مجلس شوریٰ مجھے علیٰحدہ نہیں کرتی مجھے از خود علیٰحدہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ بھی ایک طرح کی ناشکری ہوگی[57]

---

57 - زندگی کا علمی سفر صفحہ ۱۹۹

بحیثیت مفتی دارالافتاء میں

اس طرح حضرتؒ نے دارالعلوم سے الگ ہونے کو پسند نہیں فرمایا، پھر تو قدرت خداوندی نے یاوری کی اور آپ اپنے اس ایثار وقربانی کی بدولت بحیثیت مفتی دارالافتاء میں منتقل کردیئے گئے اور فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے اس اختلافی دور میں مظاہر علوم چلے جانے کی وجہ سے جو جگہ خالی ہو چکی تھی، آپ کے ذریعہ اس خلا کو پر کیا گیا، آپ کو یہ اعزاز ۱۴۰۳ھ کو ملا جس کا شکریہ ادا کرنے جب آپ دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ کے پاس گئے تو مہتمم صاحب نے مسکراکر فرمایا کہ یہ آپ کی صلاحیت کی وجہ سے کیا گیا ہے، دارالافتاء میں آپ جیسے با صلاحیت مفتی کی ضرورت تھی۔

جب دارالافتاء میں اپنے فرائض منصبی اداکرنے آئے تو اس وقت صدر مفتی حضرت الاستاذ مفتی نظام الدین صاحبؒ تھے، انہوں نے آپ کی بڑی قدر کی، آپ لکھتے ہیں کہ جب میں دارالافتاء پہونچا تو مفتی نظام الدین صاحب نے مجھے اس جگہ بیٹھایا جہاں مفتی محمود صاحبؒ بیٹھا کرتے تھے اور باصرار بیٹھایا اور فرمایا کہ نام کے نیچے مفتی دارالعلوم ضرور لکھا کریں [58]

---

[58] ۔ زندگی کا علمی سفر

آپ اس کے بعد سے تاوقت رخصت دارالعلوم کے مفتی رہے، آپ کے فتاویٰ کا سالانہ اوسط تقریباً دو ہزار ہے، جبکہ آپ نے ۱۴۰۳ھ تا ۱۴۲۹ھ فتوے لکھے ہیں، اس اعتبار سے آپ کے فتاوے کی تعداد کم و بیش چون ہزار (۵۴۰۰۰) ہو جاتی ہے۔

حضرت والا کے فتاوے پر ان کے اکابر، شیوخ نیز معاصر مفتیوں کا جو اعتماد تھا وہ اپنی جگہ خود حضرت والا اپنی جگہ منجھے ہوئے تھے، محنت اور وقت نظر سے فتویٰ لکھتے تھے، اسلئے آپ کو بھی اپنے فتوں کی معنویت پر یقین تھا، حضرت لکھتے ہیں، میرے فتاویٰ کی حیثیت اس وقت سامنے آئے گی جب وہ مرتب ہو کر چھپ کر لوگوں کے سامنے آئیں گے، اللہ تعالیٰ وہ وقت یقینا لائے گا مایوس نہیں ہوں [59]

تیسرا ہنگامہ اور حضرت والا کی آزمائش

قدرت الٰہی کا قانون ہے کہ وہ اپنوں کو بھٹی میں تپاتے ہیں، فتنوں کا سامنا کراتے ہیں پھر کندن بنا کر مخلوق کے سامنے لاتے ہیں، حضرتؒ کے ساتھ ایسا بارہا ہوا، ایک دفعہ دارالعلوم کے ذمہ داروں اور جمیعتہ الطلباء کے درمیان کشمکش پیدا ہوئی اور طول پکڑ گئی نوبت بایں جار سید

---

59 - صفحہ ۱۸۵، زندگی کا علمی سفر

کے زندہ باد کے نعرے لگنے شروع ہو ئے،مولانا ارشد مدنی زندہ باد جمعیتہ الطلبازندہ باد۔پھر بہت کچھ ہوا جو ہونا نہیں چاہئے تھا،مگر مفتی صاحب سبھوں سے الگ تھلگ اپنے کمرہ میں بیٹھے رہے نہ ادہر نہ ادہر،نہ صرف یہ کہ اپنے دامن کو اس فتنہ کے چھینٹو ں سے بچایا بلکہ اپنے تمام عزیزوں کو سمیٹ کر اپنے کمرہ میں لائے،کمر ہ کا دروازہ اور کھڑکیاں بند کروادیں اور اپنی چارپائی پر لیٹے خدا خدا کرتے رہے،حسب معمول دوسرے دن دارالافتاء پہونچے تو مہتمم صاحب نے حکم دیا کہ فی الوقت آپ ایک ماہ کی رخصت لیکر دیوبند چھوڑدیں،حضرت والانے حکم کی تعمیل کی اور دیوبند چھوڑکر مدراس پہونچے،وہاں آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کا اجلاس تھا جس میں پہلے ہی سے امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی ؒشرکت کے لئے پہونچے ہوئے تھے،آپ حضرت مفتی صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مسکرا کر پوچھا کہ غازیوں میں رہے یا شہیدوں میں؟تو حضرت والا نے جواب دیا کہ شہیدوں میں رہے نہ غازیوں میں بلکہ ہم جلاوطن لوگوں میں سے رہے۔

مختلف جگہوں میں اپنا وقت رخصت گزار کر جب دارالعلوم واپس پہونچے توآپ کو اپنا کل اثاثہ ندارد ملا،جس کا آپکو بیحد غم تھامگر کرتے ہی کیا خاموش اپنا غم پی گئے،دوسری مصیبت یہ آئی کہ آپ کو تحقیقاتی کمیٹی کا سامنا کرنا پڑا،کچھ شر پسندلوگوں نے حضرت مفتی صاحب ؒکونئے انتظامیہ کا

مخالف باور کرایاتھا،اس لئے تحقیقاتی کمیٹی کے بعض افراد نے دارالعلوم کے مفاد کے پیش نظر آپ سے بڑے مشکل اور پیچیدہ سوالات کیے، اور قصداً چند ایسی باتیں بھی کیں کہ غصہ آجائے،یہ داستان خود حضرت کے قلم سے سنئے:

”مولانا عثمان صاحب نائب مہتمم سوالات کرتے رہے اور

خاکسار پوری متانت و سنجیدگی سے ہر سوال کا مختصر مگر بھرپور جواب دیتا رہا، مولانا اکبر آبادی پہ محسوس ہوا کہ بہت تفکر ہے اور غمزدہ ہیں،بالکل خاموش ایک کنارہ پر انہیں حضرات کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے مجھے محسوس ہوا کہ ان پر تفکر کی ایک خاص کیفیت ہے اس لئے کہ ان لوگوں میں زیادہ تعلق علمی لائن سے ان کو ہی مجھ سے تھا،میرے جوابات کے درمیان مولانا معراج صاحب کچھ ایسی باتیں بالقصد مجھ سے پوچھتے رہے جس کی وجہ سے مجھے غصہ آجائے اور میں کچھ کا کچھ بول دوں لیکن میں نے طے کرلیا تھا کہ غصہ میں نہیں آنا ہے خواہ کیسا ہی سوال کیوں نہ ہو،یہی وجہ تھی کہ مولانا معراج صاحب کی باتوں پر زیادہ توجہ نہیں دی،نہ میرے لب ولہجہ میں ذرا بھی تلخی آئی اور کہنا چاہئے کہ مولانا اپنے مقصد میں قطعاً ناکام رہے۔[60]

حضرتؒ کے لئے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا مگر سچ ہے کہ

جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون۔ تحقیقاتی کمیٹی کا فیصلہ حضرتؒ کے

---

[60] ۔ زندگی کا علمی سفر صفحہ ۱۹۵

حق میں ہوا، مخالفوں کی کچھ نہ چلی، پھر آپ اپنے کار ہائے سپردہ میں لگ گئے اور تا وقت رخصت لگے رہے۔

خلافت واجازت

حضرت مفتی صاحبؒ نہ صرف یہ کہ ایک فقیہ ومفتی تھے بلکہ ایک عبادت گذار، شب زندہ وار ولی بھی تھے، حضرت کا زہد وتقویٰ اورخداترسی اللہ والوں کی نظر میں جچی تلی تھی اس لئے حضرتؒ کو دارالعلوم دیوبند ہی کی تعلیمی وتدریسی زمانہ میں بیعت وارشاد کی اجازت مل چکی تھی۔

۱۳۹۵ھ کی بات ہے کہ بڑے اللہ والے حضرت مولاناسید محمد علی مونگیریؒ کے پوتے اور خلیفۂ اجل مولانا فضل اللہؒ دیوبند تشریف لائے، حضرت مفتی صاحب اور مولانا دونوں نے ظہر کی نماز مسجد قدیم دارالعلوم میں اداکی پھر اس کے بعد مولانانے مفتی صاحب کو اپنے سامنے بیٹھایااور فرمایاکہ یہ شیخ سنو سیؒ کا جبہ ہے اسے آپ میری طرف سے قبول فرمائیں، آپ کو میں بیعت وارشاد کی اجازت دیتا ہوں، آپ نے اپنی بے نفسی کی وجہ سے عذر فرمایا تو مولانا نے فرمایا کہ آپ ہی اس کے لائق ہیں، چنانچہ مفتی صاحب نے اس جبہ کو اپنے سر پر رکھا اور قبول کیا۔اسی کو کہا گیا ہے، مرد حقانی کا نور، پیش ذی شعور، نہیں چھپتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کو بیعت وارشاد کی اجازت تو مل گئی مگر

یہ تو آپ کے شیخ ومرشد نہیں تھے،لہٰذا آپ شش وپنج میں تھے کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دی جائے یا نہیں؟ ڈر بھی رہے تھے کہ ڈانٹ نہ پڑ جائے،باالآخر ہمت باندھ کر مہینوں بعد اس کی اطلاع دی تو مرشد وشیخ حضرت مہتمم صاحب ؒنے بھی اجازت دی،حضرت حکیم الاسلام ؒکااجازت نامہ مفتی صاحب کی کتاب زندگی میں چھپ چکا ہے،سنیے:

"حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دام مجدہ اپنے طریقہ کے ایک شیخ اور بے نفس بزرگ ہیں،ان کی توجہ اور اجازت ہی بلا شبہ فضل خداوندی ہے،اس پیش کش کوآپ نے قبول فرمایا،انشاء اللہ یہ خود برکت کا باعث ہوگی۔آپ کے مجاہدہ سے زیادہ یہ شہادت اور پیش کش بلا شبہ وقیع ہے،فضل خدا ندی ہے اس بنا پر میں بھی آپ کو اجازت دیتا ہوں جو بھی اللہ کانام پوچھے آپ بتلا دیا کریں۔

لیکن اس اجازت وخلافت کے باوجود حضرت مفتی صاحب ؒنے ہمیشہ اخفا سے کام لیا،اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے نوازے اور درجات بلند فرمائے،انہوں نے اسلاف کی تاریخ تازہ کردی،

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مفتی صاحب کے اسلوب تحریر کی خصوصیات

مفتی تنظیم عالم قاسمی
استاذ حدیث دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

جن اساتذہ کے میرے اوپر عظیم اور ناقابل فراموش احسانات ہیں،ان میں میرے محسن ومربی، نہایت قابل قدر استاذ حضرت مولانا ومفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کانام سر فہرست ہے، ریاست بہار اور پھر سجاد لائبریری کی مناسبت سے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لینے کے بعد ہی سے حضرت سے استفادے کے مواقع ملتے رہے، بعد نماز عصر ان کی عمومی مجلس ہوتی، بغرض ملاقات اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاتا اور بہت سے علمی موتیاں اپنے دامن میں سمیٹ کر واپس آتا؛ لیکن ۱۹۹۸ء میں شعبۂ افتاء میں در مختار جلد ثانی کا درس لینے کا موقع جب ہاتھ آیا تو باضابطہ استفادے کی راہیں ہموار ہوئیں، تعلقات مزید استوار ہوئے اور ان کی علمی تربیت سے زندگی کو سنوارنے کے قیمتی لمحات میسر آئے، میں نے ان کی صحبت سے جو بھی اکتساب فیض کیا وہ میرے مقدر کی بات تھی، تاہم ان کی شفقتیں اور عنایتیں اخیر دم تک ملتی رہیں؛ بلکہ جنوب

ہند کی مشہور دینی درسگاہ دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد میں آج تدریسی خدمات کا سلسلہ ان ہی کی عنایتوں کی ایک کڑی ہے۔

اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کی آواز، انداز، گفتار و کردار، ان کی علمی مجلسیں، دار الحدیث تحتانی میں سجاد لائبریری کے افتتاحی و اختتامی پروگراموں میں ان کے خاص لب و لہجہ کی دلسوز تقاریر، در مختار کے اسباق اور نہ جانے کیا کیا چیزیں اب تک ذہن میں گردش کررہی ہیں،جو موت تک میرے لئے ناقابل فراموش ہیں :

میرے دل وار فتۂ حیرت کو ہے اب تک
اس نازش صدناز کی ایک ایک ادا یاد

راقم الحروف کو سب سے زیادہ جس چیز نے متأثر کیا وہ ان کا تواضع اور سادگی تھی، ہمہ جہتی صلاحیتوں، خوبیوں اور گوناگوں علمی کمالات کے باوجود نہایت متواضع اور سادہ مزاج تھے، پُر تکلف اور بھاری بھر کم لباس، مرعوب کن وضع قطع، بارونق قیام گاہ وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں تھا، جو اور جیسا بھی لباس وپوشاک میسر آیا پہن لئے، کھانے کی جو چیزیں دسترخوان پر حاضر ہوگئیں کھالئے، اٹھنے بیٹھنے کی جیسی نشستگاہ مل گئی، بیٹھ گئے، قیام کے لئے جیسا

کمرہ دے دیا گیا، ٹھہر گئے، ان ظاہری چیزوں پر کبھی آپ نے توجہ نہیں کی؛ اس لئے کہ ان کا یقین تھا کہ معنوی جوہر ہی مردوں کا کمال ہے، ظاہری مرعوبیت میں دوام نہیں ہوتا، بہت جلد یہ چیزیں فنا ہوجاتی ہیں اور حقیقی چہرہ کھل کر سامنے آجاتا ہے، مرنے کے بعد جو چیزیں ناقابل فراموش ہوتی ہیں وہ انسان کی اپنی صلاحیت، علمی کارنامے، اوصاف و کمالات ہوتے ہیں، ان ہی چیزوں کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنانا چاہئے، حضرت کے مزاج میں سادگی اس قدر رچی بسی تھی کہ بڑے بڑے کانفرنسوں اور اجلاس کو مخاطب کرتے ہوے بھی روز مرہ کی سادگی میں ذرہ بھی تبدیلی نہیں آتی، یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ان کے علمی حقائق اور ان کی عظیم شخصیت سے ناآشنارہ گئے اور صحیح طرح ان کو نہیں پہچان سکے۔

ظاہری سادگی کی طرح ان کا باطن بھی سادہ تھا، حسد، کینہ، بغض، عداوت و دشمنی نے کبھی ان کے دل کو داغدار نہیں کیا، لوگ ان سے دشمنی اور حسد کرتے ہوں، مگر ان کے دل ودماغ میں حسد کی کوئی جگہ نہیں تھی، عام طور پر علماء کے طبقے میں یہ بیماریاں پائی جاتی ہیں اوراگر کسی کو خدا نے قدرے صلاحیت سے نوازا ہے تو پھر ان کے ترفع اور نازو نخرے کا کیا کہنا، ان

کی زبان، انداز، طریقہ گفتگو سب کچھ بدل جاتا ہے، ملاقات اور ٹھیک طرح سے گفتگو کے لئے ان کے پاس اب وقت نہیں رہتا؛ لیکن قربان جایئے حضرت مولانا ومفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ پر، پہلی بار ان کے پاس جانے والا شخص بھی اجنبیت محسوس نہیں کرتا تھا، پہلے سے وقت لئے بغیر بھی اگر کوئی شخص ان کی خدمت میں پہنچ جاتا اور وہ تصنیف و تالیف یا کسی اہم سے اہم کام میں مصروف ہوتے تو بھی کبیدگی پیدا نہ ہوتی، خندہ پیشانی اور بشاشت سے ملتے، پوری توجہ سے بات سنتے، مخلصانہ مشورہ دیتے اور ان کی ضرورت پوری کرتے، دوران گفتگو اگر کوئی بات خلاف طبع ہوجاتی تو بھی اخلاق کریمانہ میں کوئی فرق نہ آتا اور ہمیشہ بہتر سے بہتر انداز میں ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔

حضرت اپنے زمانے کے معروف علماء اور علمی شخصیتوں سے گہرے مراسم رکھتے تھے اور ان کے مشورے اور ملاحظات کو بالکل طالبانہ انداز میں قبول کرتے، اصاغر اوراکابر کا باہمی ربط روشن مستقبل اور کامیابی کے لئے نہایت ضروری ہے جو موجودہ زمانے میں نایاب ہوچکا ہے۔

آپ کی کتابوں اور تحریرات کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی اس میں ان کے اخلاص کے ساتھ ان کی محنت کا بڑا دخل ہے، ایک مرتبہ اپنی مجلس میں کتاب

"اسلام کا نظام مساجد" کا تذکرہ کرتے ہوے فرمایا کہ میں نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے پوری مشکوٰۃ حرف بحرف پڑھی کہ شاید مساجد سے متعلق کسی غیر متعلقہ باب میں ذکر آگیا ہو، جو مطالعے میں نہ آئے اور موضوع سے متعلق کوئی اہم بات رہ جائے؛ اس لئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض احادیث معمولی مناسبت سے باب کے علاوہ دوسری جگہ ذکر کردی جاتی ہیں، پھر ان کا اعادہ باب میں نہیں کیا جاتا، عام طور پر مصنفین متعلقہ ابواب پڑھنے کے بعد دستیاب مواد پر اکتفا کرلیتے ہیں اور بہت سے ارباب اتنی بھی زحمت نہیں کرتے؛ بلکہ کتاب جلد منظر عام پر لانے کے شوق میں چند تحریروں کو سرسری طور پر پڑھنے کو کافی سمجھ لیتے ہیں جس سے کتاب میں جامعیت پیدا نہیں ہوتی، حضرت کا انداز یہ نہیں تھا، وہ کتاب کو جلد منظر عام پر لانے کے بجائے بتاخیر مگر جامعیت کے ساتھ لانے کے قائل تھے: اس لئے موضوع سے متعلق ہر ممکن تحریر کو حاصل کرتے اور مکمل غور سے پڑھنے کے بعد لکھنے بیٹھتے: اس لئے جس موضوع پر بھی ان کی کتاب منظر عام پر آئی ہے وہ نہایت جامع اور بصیرت افروز ہے، کتاب پڑھنے کے بعد متعلقہ موضوع پر تشنگی باقی نہیں رہے گی۔

ان کی تحریر کی اہم خوبی یہ ہے کہ ان کے مزاج کی طرح ان کی تحریر بھی سادہ اور عام فہم ہوتی، بے جا تکلفات، صنائع و بدائع، بناوٹی تزئین و تحسین کی طرف کبھی انہوں نے توجہ نہیں دی، اس سے تحریر بوجھل ہوجاتی ہے اور پڑھنے والے اکتاہٹ کے شکار ہوجاتے ہیں، حضرت کا خیال تھا کہ اپنی فکر کو سیدھے سادے الفاظ میں کسی تصنع اور بناوٹ کے بغیر پیش کردینے کا نام ہی ادب ہے اور یہی اچھی اور کھری تحریر ہوتی ہے، جتنے بھی کثیر التصانیف علماء کرام ہیں تقریبا تمام حضرات نے اسی اصول کو اختیار کیا ہے، اس سے تحریر میں روانی اور سلاست پیداہوتی ہے، طویل تحریر بھی پڑھتے ہوے کوئی شکستگی محسوس نہیں ہوگی، گہری سوچ اور تعبیرات کے لئے طویل غور و فکر سے تحریر کی روح ختم ہوجاتی ہے اور آمد کے بجائے آورد کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جو ایک مصنف کے لئے بہت بڑا عیب ہے، حضرت کے لکھنے میں بے تکلفی اور بے ساختگی تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ بہت جلد اور خوشنما لکھتے، پڑھے لکھے اور اَن پڑھ ہر ایک کے لئے ان کی تحریر قابل استفادہ ہوتی؛ چنانچہ ان کی آج جو بھی کتابیں مطبوعہ ہیں، کسی لغت اور تکلف کے بغیر عوام ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

ان کی تحریر کی جاذبیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی نگارش

چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہوتی، سادہ لب و لہجے میں جب جملے بھی مختصر اور چھوٹے ہو ں تو تحریر میں جاذبیت اور کشش پیدا ہوتی ہے؛ اس لئے کہ جملوں کی طوالت سے سامعین جلد اکتاہٹ اور الجھن کے شکار ہوجاتے ہیں، اس سے حقیقی مفہوم تک رسائی پیچیدہ ہوجاتی ہے؛ اسی لئے معروف ادباء اورمقبول اصحاب تصنیف کی تحریر عموما مختصر اور چھوٹے چھوٹے جملوں سے مرکب ہے، حضرت مفتی صاحب کی تحریر بھی اسی طرز پر مختصر جملوں پر مشتمل ہوتی، خواہ کتاب لکھنے بیٹھیں یا مختصر مضمون، ہر تحریر میں اس کا لحاظ رہتا، تسلسل کے ساتھ موتی کی لڑیوں کی طرح ایک جملہ سے دوسرا جملہ جڑا رہتا، آپ پڑھتے جایئے، چاشنی ولطافت سے آپ کو خود بخود سرور حاصل ہوتا جائے گا، ان کی کوئی بھی کتاب اگر آپ ہاتھ میں لیں تو معنویت اور اسلوب دونوں اعتبار سے اس قدر پسند آئے گی کہ کتاب ختم کرکے ہی دم لینے کا جی چاہے گا۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

لکھنے کی طرح وہ بولتے بھی تھے،تو بہت چھوٹے چھوٹے جملے اور آسان

اردو میں، اس کے ساتھ اسلوب کلام میں محبت بھی جھلکتی، جس سے دل چاہتا کہ وہ بولتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔ ۲۰۰۲ء کی بات ہے، اس وقت میں مدرسہ مدینۃ العلوم بیجاپور کرناٹک میں مدرس تھا اوردار العلوم دیوبند میں مختلف افتتاحی واختتامی پروگراموں میں کی ہوئی تقاریر کو مرتب کیا تھا، بازار میں تقریر کی کتابوں کی اتنی بہتات ہے کہ اب کسی تقریر کی کتاب کے لئے نام رکھنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے، میں نے تقاریر کے اس مجموعہ کا نام ''تہلکہ خیز تقاریر'' طے کیا تھا، تاہم حضرت سے مشورہ کے لئے حاضر ہوا تو فرمایا کہ یہ نام تو بہت ثقیل ہے، کل آنا کوئی اچھا نام بتائیں گے، کل حاضر ہوا تو فرمایا کہ اس مجموعے کا نام رکھو ''اسلامی تقریریں'' اس نام میں جو سبک اور سلاست ہے، اہل ذوق سے مخفی نہیں ہے، میں یہ نام سن کر خوش ہوا اور نظر انتخاب پر بڑی حیرت ہوئی، چنانچہ میں نے یہی نام رکھا اور لوگوں نے اسے کافی پسند کیا۔

صحیح بات یہ ہے کہ حضرت مولانا ومفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کی علمی صلاحیت پر سادگی غالب تھی اور اسی سادگی کے سبب لوگ ان کے علم سے واقف نہ ہوسکے، تصنیفی وتالیفی ذوق اورستھرا قلم کے ساتھ فقہ و فتاوی پر بھی درک حاصل تھا، مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کے دار

الافتاء میں 1993ء میں مفتئ دار العلوم کی حیثیت سے منتخب کئے گئے، مختلف موضوع پر روزانہ آٹھ تا دس استفتاء آپ کے حصے میں آتے اور بحسن خوبی آپ اس کا جواب لکھا کرتے، فتاوی دار العلوم کی ترتیب کا کام آپ کو جب سپرد کیا گیا تو آپ نے اسے 12 جلدوں میں بڑی عرق ریزی اور محنت سے مرتب کرکے ترتیب کا کام مکمل فرمایا، ہر مسئلہ پر عنوان لگانا، اسے در مختار یا کسی معتبر کتاب سے محول کرنا، پھر بوقت ضرورت قیمتی حاشیہ تحریر کرنا، مسئلہ کی نوک وپلک درست کرنا اور بھی تعلیق و تحشیہ سے متعلق بہت سے امور جن کے لئے فقہ پر گہری نظر ہونے کے ساتھ شب و روز محنت اور دقت نظر کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت نے بڑی خوش اسلوبی سے یہ کام انجام دیا جو بلا شبہ ان کی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ ہے، کتاب الطلاق مرتب کرتے ہوئے جب کہیں وقوع طلاق کا حکم لگانا ہوتا تو لکھتے "طلاق واقع ہوگئی" اورفرماتے کہ یہ جملہ "طلاق پڑجائے گی" سے زیادہ مؤکدہ ہے؛ کیوں کہ دوسرے جملہ میں بیمار دلوں کے لئے تاویل کی گنجائش موجود ہے۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی جس کا آج کل فقدان ہے، حضرت مفتی صاحبؒ میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا، وہ ہم طالب علموں اور چھوٹوں کے

کام پر بڑا خوش ہوتے، اس کو سراہتے اور اس سے بہتر کام کی ترغیب دیتے،
جب کوئی شخص اپنی کتاب پر تقریظ، پیش لفظ یا مقدمہ وغیرہ لکھنے کی درخواست
کرتا تو نہایت مصروفیت کے باوجود امید سے زیادہ حوصلہ افزا تحریر عنایت
فرماتے، اگر کوئی شاگرد یا جاننے والا شخص ایک پوسٹ کارڈ بھی آپ کی خدمت
میں لکھتا تو بالضرور اس کا جواب لکھتے اور اس پر اپنی غیر معمولی مسرت ظاہر
فرماتے: اس لئے کہ یہ بھی حوصلہ افزائی کا ایک اہم طریقہ ہے ----
طلبۂ دار العلوم کے درمیان ان کی جتنی بھی تقریریں سننے کا موقع ملا اس میں
بھی حوصلہ افزائی کا عنصر غالب رہتا، ایک خاص لب و لہجے میں وہ طلبہ کو مایوس
ہونے کے بجائے روشن مستقبل کی فکر اور جہد مسلسل پر ابھارتے اور فرماتے
تمہارے اندر سب کچھ بننے کی صلاحیت موجود ہے، پیچھے مڑنے کے بجائے ہمیشہ
اگلی منزل پر نظر رکھو۔

حضرت پیدائشی اعتبار سے رحم دل تھے، کوئی شخص اگر سفارش
لکھوانے جاتا تو فوری سفارش لکھ دیتے اور فرماتے کہ میری دو سطر تحریر سے
اگر کسی کو نفع پہنچ سکتا ہے تو اس میں مجھے پس و پیش نہیں کرنا چاہئے، دار
العلوم میں کوئی طالب علم اگر کسی مسئلہ میں پریشان رہتا اور اس کے لئے کوئی

سفارشی نہ ہوتا تو وہ حضرت کی خدمت میں پہنچ جاتا اور وہاں اسے وقیع سفارش مل جاتی؛ بلکہ بے سہاروں کو سہارا مل جایا کرتا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے تمام علمی خدمات سے صرف نظر کرکے محض ان کی ۲/ درجن کتابوں اور سیکڑوں مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین میں غور کیا جائے تو یہ بجائے خود ایک عظیم کارنامہ نظر آئے گا، جسے انجام دینے کے لئے اہل قلم کی ایک مکمل جماعت درکار ہوتی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی عظمت اور ان کی انفرادیت کے قائل تو دل سے سبھی تھے، تاہم ان کی خدمات اور ان کی بزرگی کا صحیح اعتراف در حقیقت حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ بانی وناظم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد نے کیا، ۲۰۰۲ء میں انہوں نے جلسہ اعتراف خدمات کے نام سے ایک عظیم الشان اجتماع بلایا، یہ اجتماع دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد کے سمینار ہال میں منعقد ہوا، مختلف اہل قلم اور مضمون نگار وں نے حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ پر مضامین و مقالات پڑھ کر سنائے اور اسی مجلس میں انہیں اعتراف خدمات کا ایوارڈ دیا گیا، یہ حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ کی وسعت ظرفی، کشادہ قلبی اور غیر معمولی بصیرت کی بات تھی کہ انہوں نے اپنے محسن

و مربی کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے اور حقیقی اعتراف عظمت کے لئے ایک نئی طرح ڈالی جس میں سارے علماء کے لئے درس اور پیغام ہے، کاش! سارے علماء باہمی عزت و احترام کی فضا ہموار کریں اورایک دوسرے کے کمالات کو انگیز اور اعتراف کرنے کا مزاج بنائیں، اس سے عوام پر غیر معمولی اثر پڑے گا اور علماء کا تقدس پھر لوٹ آئے گا۔

حضرت مفتی صاحبؒ دنیا میں نہیں رہے؛ لیکن ان کی یادیں ان کی باتیں ہمیشہ باقی رہیں گی، اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔بلاشبہ ان کی وفات سے ہر ایک کو احساس ہے کہ

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

گوشۂ تربیت

کامیاب مربی،مشہور فقیہ اور عظیم مصنف

حضرت مولانا سعید الرحمن الاعظمی ندوی دامت برکاتہم
مدیر البعث الاسلامی، مہتمم دارالعلوم ندوۃالعلماء، لکھنؤ

گذشتہ بیسوی صدی چوتھے دہائی کے بالکل ابتداء میں،میں مدرسہ مفتاح العلوم جامع مسجد شاہی مئو میں ابتدائی مکتب میں داخل ہوا تھا،اس وقت میرے اساتذہ میں پرائمری درجہ کے ذمہ دار جناب منشی گدا حسین صاحب فاروقی اور ناظرۂ قرآن مجید کے استاذ قاری عبد المنان صاحب تھے،بہت جلد چند سالوں میں یہ مرحلہ پورا ہوگیا،پھر عربی درجات میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت اس خاکسار کو حاصل ہوئی اور درجۂ اول سے لیکر غالباً سال ششم جلالین،مشکوٰۃ اور ہدایہ کے درجہ تک کی ساری کتابیں ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۷۸ھ تک اپنے سبھی جلیل القدر اساتذہ سے پڑھ لیا تھا،ان میں عربی ادب کی کتابیں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی نوراللہ مرقدہ اور

درسیات کی جملہ کتابیں اپنے والد مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب اعظمیؒ،حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ،حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ،حضرت مولانا شمس الدین صاحبؒ،حضرت مولانا مفتی عبدالباری صاحبؒ،حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ اور بعض دیگر اساتذہ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔فجزاھم اللہ خیراً کثیراً.

مفتی صاحب میرے استاذ میرے مربی

غالباً سال دوم میں علامہ جرجانیؒ کی کتاب ''شرح مأۃعامل'' کے اسباق حضرت مولانا مفتی محمد ظفیرالدین مفتاحیؒ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی،یہ غالباً ۱۹۴۴ء کا زمانہ تھا،بالکل اسی زمانہ میں مولانا مفتی محمد ظفیرالدین صاحب مفتاح العلوم سے سند فراغ لے چکے تھے اور محدث جلیل حضرت مولانا اعظمی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کا معاون مدرس کی حیثیت سے مفتاح العلوم میں تقرر فرمالیا تھا،الحمدللہ ان کے طریقۂ تدریس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا اور ترکیب نحوی کی مشق کرنے اور اعراب کی صحت کا ادراک حاصل ہوا،مولانامفتاحیؒ نے بہت خوبی اور وضاحت کے ساتھ یہ کتاب ہم کو پڑھائی۔فجزاہ اللہ خیراً کثیراً۔

متعدد مدارس میں تعلیمی وتدریسی سرگرمیاں

مولانا مفتاحیؒ نے اپنا بیشتر تعلیمی سفر مفتاح العلوم میں پورا کیا،محدث جلیل حضرت مولانا اعظمیؒ نے ان کے جوہر کواچھی طرح پہچان لیاتھا،اس لئے ان کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص طور سے متوجہ رہے اورحضرت مولانا سے مفتی صاحب کا علمی اور تربیتی تعلق بہت مضبوط ہوااور اس شجر سایہ دار،بلکہ شجرۂطوبیٰ کے سایہ میں اپنی علمی شخصیت کو پروان چڑھانے میں ہمہ تن مشغول ہوگئےاور اہل علم کی صفوں میں ان کا شمار ہونے لگا،،اسی کے ساتھ انہوں نے اپنے استاذ ومربی علامہ اعظمیؒ سے اجازت لیکر دو تین سال تک مدرسہ معدن العلوم نگرام ضلع لکھنؤ میں تدریسی خدمت انجام دیں،۱۹۷۴ء میں دارالعلوم معینیہ سانحہ ضلع مونگیر میں مدرس ہوئے اور عرصۂ دراز تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا،ایک سال ڈابھیل ضلع سورت کی جامعہ اسلامیہ میں تعلیمی خدمت انجام دیں،لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے پھر دارالعلوم سانحہ واپس تشریف لے گئے۔

مفتاح العلوم سے فراغت کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مشورہ سے انہوں نے ۱۹۴۴ء ہی میں درالعلوم ندوۃالعلماء میں داخلہ لیا،اور تقریباًچھ ماہ بحیثیت طالب علم یہاں قیام کرسکے،اس دوران وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ،مولانا محمد ناظم صاحب ندویؒ،مولانا محمد اسحاق

ندویؒ اور مولانا حمید الدینؒ جیسے اساتذہ سے استفادہ کیا اور حضرت مولانا اویس ندوی نگرامیؒ کے مشورہ سے ان کے قصبہ نگرام کے مدرسہ معدن العلوم میں مدرس ہوگئے،اور ایک اچھا تعلیمی اور تربیتی وقت گذارنے کا موقع وہاں ملا۔

دارالعلوم دیوبند میں علمی مشغولیت

۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تصنیف وتالیف سے منسلک ہوکرکئی کتابیں تصنیف کیں،ان میں اسلام کا نظام مساجد،نظام عفت وعصمت،خاص طور سے قابل ذکر ہے،سات سال تک اس شعبہ سے متعلق رہنے کے بعد ۱۹۶۳ء میں درالعلوم دیوبندکے کتب خانہ کے مرتب مقرر ہوئے اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب نو کا بیڑہ اٹھایا،بارہ جلدوں میں حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمن عثمانی دیوبندی کے فتاویٰ کی تدوین کی اور یہ فتاویٰ شائع ہوئے، مفتی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے مختلف علمی اور تدریبی شعبوں کی سرپرستی کی اور اس کے ذریعہ سے بہت سے ذہین اور ہونہار طلبہ کے اندر علمی اور تفسیری مطالعہ کا شوق پیدا کیا،اور انہوں نے ان کی بہترین رہنمائی میں اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا،دارالعلوم کے بہت سے شعبوں کو اپنی صلاحیتوں سے مالا مال کیا،دارالافتاء میں مفتی کا منصب آپ کو عطاکیا گیا،"رسالۂ دارلعلوم" میں اداریہ لکھنے کے فرائض بھی آپ نے انجام دیئے،۱۴۲۹ھ میں دارالعلوم سے سبک دوشی کی درخواست کی اور اپنے وطن

عزیز میں قیام فرمایا۔

مفتی صاحب مرحوم نے ہر اعتبار سے ایک کامیاب استاذ، انشاء پرداز اور افتاء میں مہارت کے ساتھ ساتھ جملہ دینی اور اخلاقی صفات کے ساتھ زندگی گذاری، وہ تعلیم وتربیت کے فن سے نہ صرف واقف تھے، بلکہ وہ اس فن سے پوری طرح مسلح تھے اور حدیث وفقہ کی کتابوں کو درجات علیا میں پڑھانے کی استعداد کامل رکھتے تھے۔ مفتی صاحب کے قابل صد افتخار اساتذہ مفتی صاحب کے اساتذہ کرام میں سر فہرست محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ، جن کی زیر تربیت رہ کر مفتی صاحب نے عالمانہ زندگی کا درس حاصل کیا، مطالعہ کی گہرائی، مسائل میں باریک بینی، ائمۂ اسلام کی حیات وخدمات کا مطالعہ، علم دین کی اہمیت کے ساتھ حسنات دنیا سے پوری واقفیت، یہ ساری چیزیں حضرت محدث جلیل کی تربیت میں رہ کر ان کو سیکھنے کا خوب موقع ملا، ان کے دیگر اساتذہ کرام میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ جیسی نادرۂ روزگار ہستیاں شمار کی جاتی ہیں۔

برادر مکرم حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمن صاحبؒ سے بے

تکلّفانہ مراسم دوران قیام دارالعلوم دیوبند مفتی صاحب مرحوم کا محبانہ تعلق ہمارے برادر اکبر حضرت مولانا حکیم عزیزالرحمن صاحب اعظمیؒ سے بہت بے تکلّفانہ تھا،اکثر یہ حضرات مجلسوں کی زینت بنتے تھے اور اپنے علم وآگہی سے دوسروں کوفائدہ پہونچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے،اور صدق دلی کے ساتھ یہ دونوں حضرات اخیر تک ایک دوسرے سے برادرانہ اور محبانہ تعلق میں مشہور تھے،حکیم صاحب مرحوم اپنی چائے کی مجلسوں میں اکثر مفتی صاحبؒ کو دعوت دیتے اور شرکت کرنے کی درخواست کرتے تھے،مفتی صاحب انتہائی خوشی وانبساط کے ساتھ تشریف لاتے،اور جب تک وقت ساتھ دیتا علمی،دینی اور ادبی معلومات میں تبادلۂ خیال کرتے اور زندہ دلی اور فوائد علمیہ کی ایک بہتر فضا قائم کرکے ایک دوسرے سے جدا ہوا کرتے تھے،مختلف مواقع پر حکیم صاحب مرحوم مفتی صاحب کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اور وہیں ایک لطیف اور مفید مجلس منعقد ہوجایا کرتی تھی،بے تکلّفی کے ساتھ ایک دوسرے کا احترام واعتماد مجلس کی زینت میں اضافہ کا باعث بنتا تھااور جملہ اہل تعلق اس سے مستفید ہوتے تھے،

مفتی صاحب نے تاحیات اپنے بنیادی ادارے مفتاح العلوم مئو سے مخلصانہ تعلق قائم رکھا،حضرت محدث جلیل کے مشورہ سے وہاں کی تعلیمی اور ادبی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا کرتے تھے،جب بھی کوئی اہم موقع

ہو تا، مفتی صاحب وہاں بلائے جاتے تھے، مفتاح العلوم کے ایک عظیم جلسۂ تقسیم اسناد میں جو غالباً ۱۹۵۳ء جامع مسجد کے وسیع میدان میں ہوا، مفتی صاحب نے جلسہ کے تنظیمی امور میں خاطر خواہ حصہ لیااور اپنے استاذومربی حضرت محدث اعظمیؒ کی ہدایات کے مطابق وہاں کی سرگرمیوں میں مشغول رہے، مفتاح العلوم سے فراغت کے بعد جہاں کہیں بھی تعلیمی اور تربیتی اعتبار سے قیام کیا، برابر محدث اعظمیؒ سے رابطہ رکھااور ان کی ہدایات کے مطابق کام کیا، ان کی وفاداری کا حال یہ تھا کہ جب بھی وہ اپنے وطن جاتے یاوہاں سے واپس ہوتے تو مربیٔ جلیل اوراساتذۂ کرام کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے مئو میں بریک جرنی) Breake journey (کرتے، یامزید کچھ وقت گذارنے کے بعد اپنے وطن واپس جاتے، محدث اعظمیؒ سے اپنے خاص الخاص تعلق کی بنا پر ان سے تعلق رکھنے والے ہر فرد سے اور ان کے خاندان کے جملہ افراد سے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کی صدارت

دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران وہاں کے درالافتاء میں مفتیٔ دارالعلوم کے منصب پرفائز ہوئے تو اسلامی فقہ اکیڈمی(انڈیا)کے ذمہ داروں نے ان سے درخواست کی کہ اس اکیڈمی کے رئیس کا منصب قبول فرماکر اپنی ہدایات اور مشوروں سے اس کے لئے ترقی کی راہ عمل تجویز

فرمائیں،اور اپنی تجاویز سے ارکان اکیڈمی کو مستفید فرمائیں،الحمدللہ انہوں نے اس پیش کش کو قبول فرمالیااور تا حیات اکیڈمی کے منصب صدارت پر فائز رہے،اکیڈمی کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہیں اور سیمینار کے انعقاد کے سکریٹری حضرت مولاناعبید اللہ الاسعدی ہیں،جب تک صحت نے ساتھ دیا،مفتی صاحب نے سمیناروں میں شرکت فرمائی اور اپنی نگارشات اور تقریروں سے فقہ اسلامی کی روشنی میں مسائل جدیدہ کا حل تلاش کرنے کی لوگوں کو دعوت دی،آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اہم ترین ارکان میں تھے،اور فقیہانہ بلندی سے مسائل اور بورڈ کے سیمیناروں اور اجلاس کے ایجنڈے پر غور کرکے اپنی رائے دیا کرتے تھے اور بورڈ کے سبھی جلسوں میں شرکت فرماتے تھے۔

ندوۃالعلماء کے جشن تعلیمی کی تیاری میں مفتی صاحب کی سرگرمی

مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب حسنی ندویؒ ۱۹۷۵ء میں ندوۃالعلماء کاپچاسی سالہ جشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور مجلس انتظامی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی توندوۃالعلماء کے کتب خانہ میں موجود مخطوطات کا تعارف لکھنے کیلئے حضرت مولانا کی نظر انتخاب مفتی صاحب مرحوم پر پڑی،اور دارالعلوم کے ذمہ داروں سے خط وکتابت کرنے کے بعد ان کو کم از کم دومہینے تک ندوہ میں قیام کرنے

کیلئے بلایا،اس موقع پر مفتی صاحب سے جب میں ملاتو انہوں نے بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایااور کہا کہ سعید الرحمن!میں اب تمہارا مہمان ہوں،مین نے عرض کیا:میرے لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہوسکتی ہے،چنانچہ ندوہ کے دوران قیام اور پچاسی سالہ اجلاس کی تیاریوں کی مشغولیت کی بنا پر بہت زیادہ خدمت کا موقع نہ مل سکا،مختلف مواقع سے دارالعلوم سے باہراپنی قیام گاہ پر تشریف لے چلنے کی درخواست کیا کرتا تھا،تاکہ وہاں دوپہر کا کھانا نوش فرمائیں اور کھانے کے بعد عصر تک آرام فرمائیں،الحمدللہ اس طرح کے مواقع ان اوقات میں بھی پیش آتے،جب وہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی میٹنگ یا اجلاس کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء،دیگرارکان اور علماء کے ساتھ تشریف لایا کرتے تھے،کئی اہم حضرات سے وہ اپنی خاص شفقت کے ساتھ میرا تعارف کراتے اور انتہائی شفقت کے ساتھ یہ بھی فرماتے کہ سعیدالرحمن میرے شاگرد ہیں،مجھے بہت خوشی ہوتی تھی اور جی چاہتا تھا کہ میں مفتی صاحب کے قدموں میں رہ کر زندگی گذاروں۔

احقر پر مفتی صاحب کی شفقت

اجلاس ندوۃالعلماء کے دوران قیام مفتی صاحب کو یہاں کی آب وہوااور کھانا موافق نہیں آتا تھا،ہم نے گذارش کی کہ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے گھر کا پکا ہوا روکھا سوکھا کھانا آپ کی خدمت میں لایا کروں،لیکن

انہوں نے مجھے اس کی مستقل اجازت نہیں دی،اس لئے موقع کے انتظار میں رہاکرتا تھا،تاکہ مفتی صاحب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کاموقع ملے،انہوں نے مجھے ہر موقع پر بہت دعائیں دیں اور ان کی دعاؤں سے مجھے فائدہ پہنچا،مجھے یاد ہے کہ کئی بار مفتی صاحب نے دارالعلوم ندوۃالعلماء میں کچھ طلباء کے داخلہ کے سلسلے میں مجھے خط لکھا اور میں نے اس کی تعمیل کرنے کی پوری کوشش کی،ندوہ کے تمام ذمہ دار حضرات اور مفکر اسلام حضرت مولاناسید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ مفتی صاحب کا بہت احترام اور خاص خیال فرماتے تھے،کسی موقع سے جب یہاں تشریف لاتے تو ان کے قیام وطعام کا خاص اہتمام فرمانے کا حکم فرماتے اور اکثر مجھ سے فرماتے کہ دیکھو!مفتی صاحب کا خیال رکھنا۔

مفتی صاحب کے خط کا ایک حصہ جو انہوں نے ۱۳۹۲ھ یعنی

آج سے چالیس سال پہلے برادرمکرم حضرت مولانانور عالم صاحب امینی کی خدمت میں بھیجا تھا،اس کا ایک حصہ نقل کرنا یہاں مفید ہوگا ؛اس لیے ان کی کتاب ”پس مرگ زندہ“ سے مفتی صاحب کے خط کا یہ ٹکڑا نقل کیا جارہاہے۔

”عزیزم احمد سجاد سلمہ،فراغت کے بعد گھر گئے تھے،ابھی

شوال میں ان کو”سانحہ“بھیج کر آیاہوں،وہاں وہ میٹرک کی تیاری میں ہیں،اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب فرمائے اور میاں حماد سلمہ،کو جامعہ رحمانی مونگیر بھیجوادیاہے،اس لیے کہ سانحہ سے قریب ہے،میاں احمد سجاد اس کی نگرانی بھی

کریں گے؛البتہ عباد سلمہ کو اپنے ساتھ لایا،وہ یہاں حفظ کررہے ہیں۔
مولاناعلی میاں مدظلہ مولانا سعیدالرحمن سلمہ اور مولاناشمس
تبریز سے سلام مسنون عرض ہے،اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے رہیں،میرا
علمی تعلق ندوہ سے بھی ہے،اس لیے کہ میں وہاں کچھ دنوں طالب علم رہ چکا
ہوں،مولانا شاہ حلیم عطاصاحبؒ اور مولانا ناظم صاحب اور مولانا اسحاق صاحب
دامت برکاتہم،یہ سب ہمارے اساتذہ رہے ہیں،گو ندوہ والے یہ نہیں جانتے۔

طالب دعا

محمد ظفیرالدین،دارالعلوم دیوبند

شب ۶/ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ"

سانحۂ وفات

۲۵/ربیع الثانی۱۴۳۲ھ مطابق ۱۳/مارچ۲۰۱۱ء ۸۵سال اور
۲۵/دن اس دار فانی میں اپنے علم وتقویٰ اور تواضع،وسعت نظر اور بلندیٔ
فکر کی ایک مثال قائم کرکے راہیٔ دار آخرت ہوئے اور علمی دنیا میں ایک
ایسا خلا پیدا کرگئے جو مشکل سے پر ہوتا ہے،اور علم وعمل کی دنیا میں اس کو
ایک بڑے نقصان سے تعبیر کیا جاتا ہے:

مت سہل ہمیں سمجھو،پھرتا ہے فلک برسوں

تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کے درجات بہت بلند فرمائیں،انہوں نے علم وعمل کی جامعیت کے ساتھ اللہ کے دین اور اس کی شریعت اور کتاب وسنت کے علم کو پھیلانے اور اس کے مطابق زندگی گذارنے اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی جو سعی بلیغ کی ہے،اللہ اس کو قبول فرمائیں اور دار آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور جنت الفردوس کی بہاروں سے پوری طرح سرفراز فرمائیں۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا شاید مناسب ہو کہ مفتی صاحب کے مفتاح العلوم مئو کے زمانۂ تعلیم میں حضرت محدث جلیل شیخ الحدیث اور صدرمدرس تھے،اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی علوم اسلامیہ کے درجات علیا میں استاذ ومربی تھے،اور میرے والد ماجد حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمی مفتاح العلوم کے ناظم اور علوم دینیہ اورعقلیہ کے استاذ تھے اور دیگر بڑے اساتذۂ کرام کاذکر اس مقالہ میں واضح طریقہ سے آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو غریق رحمت فرمائیں اور ان کی خطاؤں اورلغزشوں کو معاف فرماکر جنت الفردوس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائیں،آمین،وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین.

حضرت مفتی صاحب

(اپنے عزیزوں اور شاگردوں کے درمیان)

مولانا مفتی ابو بکر قاسمی
مفتی مدرسہ اسلامیہ شکر پور دربھنگہ و مہتمم جامعہ رحیمیہ برہم پور

نحمده ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

حضرت مفتی محمد ظفیرالدین صاحب نوراللہ مرقدہ کون تھے؟ان کا اپنے عزیزوں اور شاگردوں کے درمیان رہنے سہنے کا کیا طریقہ تھا؟ان سب امور سے راقم الحروف کچھ زیادہ واقف نہیں ہے،البتہ میں نے حضرت کو بارہا دیکھاہے،متعدد بار ان کی علمی مجلسوں میں شریک رہاہے،اسی طرح ان کی تصانیف و تالیفات میں سے متعدد کو پڑھا ہے،اور فتاوی دارالعلوم جدید مدلل سے ہمیشہ استفادہ کرتا رہاہے،ان سب کی روشنی میں میں نے حضرت مفتی صاحب کی ذات عالی صفات کو اس چمنستان ہند کا نوبہار بلکہ سدابہار پھول تصور کیا، جس کی رعنائی وتابانی اور مہک سے دوست تودوست دشمن بھی مستفید وفیضیاب ہوں اور جن سے استفادہ اور فیضیابی میں درخت سے انقطاع وعلیحدگی سد راہ نہ بنے،اسی طرح ان سے حصول منفعت کا سلسلہ پس مرگ بھی قائم ودائم رہے، ......سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے:

یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے ☆ بہاراب جو گلشن میں آئی ہوئی ہے

یہ علامہ حالیؒ کا شعر ہے، میں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے حالات کے تناظر میں تھوڑا سا تصرف کر دیا ہے۔

اس آزادہند کی آزادی سے لیکر آبیاری تک قوم وملت کی تاریخ اور رجال واشخاص کے حالات کو پڑھ جایئے ہر جگہ اس چمن ہند کے ثمر دار شجر کو زندہ وتابندہ رکھنے، اسی طرح اسے سینچنے اور پھل دار بنانے میں شمع آزادی کے پروانوں کی وسیع لسٹ میں آپ کو ایک نمایاں نام حضرت مفتی محمد ظفیرالدین کا ملے گا، اس چمن ہند کی جدید کاری اور نو بہاری میں اسی طرح ہر اہم بڑے علمی فقہی دینی وملی کاموں کی انجام دہی اور آئندہ نسل تک ان کاموں کی تبلیغ و اشاعت میں حضرت مفتی صاحبؒ کی شخصیت سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، یہ دارالعلوم دیوبند کا مرتب کتب خانہ ہے، اور ندوۃالعلماء لکھنؤ کی لائبر یر ی کی ترتیب وتزئین آپ کی مرہون منت ہے، اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے وسیع وعریض کتب خانے کے گراں قدر مخطوطات کو پڑھ کر ان کا تعارف زیب قرطاس کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا، لیکن اس جاں گسل، بیش قیمت علمی ودینی کام کو خوش اسلوبی سے حضرت مفتی صاحبؒ کی شخصیت نے انجام دیا،

یہ فتاوی' دارالعلوم دیوبند ہے اس کی بارہ جلدوں کی جدید

ترتیب وتبویب اور حوالجات کی تخریج اوردارالعلوم دیوبند جیسے عظیم علمی ادارہ کے شایان شان مدلل تحشیہ کا عظیم کام آپ ہی نے انجام،دور حاضر کا کون مفتی ہے جو اس بے نظیر علمی کام سے مستفید اور فیضیاب نہ ہوا ہے،اور آئندہ نہ ہوگا،آپ کے اس گراں قدر علمی کام نے بہت سے اہل علم کیلئے کام کے ایک نئے گوشہ کی رہنمائی کی،چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم مدلل ہی کے طرز پر متعدد فتاوی کو مدلل کرکے از سر نو شائع کیا گیا۔

☆مسلمانوں کی عظیم دینی وقومی اور ملی تنظیم مسلم پرسنل لاء بورڈ کے شائع کردہ قوانین کا مستند ومدلل مجموعہ "مجموعۂ قوانین اسلام"کا بنیادی مسودہ بھی آپ ہی کی ذات ستودہ صفات کا مرتب کردہ ہے،جو ہندوستان کے ممتاز علماء اصحاب افتاء اور قانون داں حضرات کی نظر ثانی کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی زیر نگرانی طبع کرایا گیا ہے،[61]

شعبۂ افتاء کی نصابی کتابوں میں فقہ وفتاوی کی مشہور کتاب درمختار ہے جو شرح ممزوج ہونے کے سبب پرپیچ متن اور گنجلک عبارت اپنی مثال آپ ہے،اسکا نہایت ہی سلیس ترجمہ ،آپ کے سیال قلم سے کشف الاستار کے نام سے شائع شدہ ہے،اور کئی جلدوں میں ہے۔

مذکورہ علمی وفقہی کتابوں کے علاوہ اسلام کا نظام مساجد، تاریخ

---

[61] ۔ ملاحظہ ہو پیش لفظ صفحہ ۱۸

مساجد،اسلام کانظام عصمت وعفت،اسلام کانظام امن،اسلام کانظام معشیت وغیرہ وہ بیش بہا کتابیں ہیں جن میں سے ہر ایک دریا بکوزہ کی مصداق ہیں،جو ہر علمی وملی کام کرنے والے کو مطالعہ کی دعوت دیتاہے،ان کے علاوہ درجنوں کتابیں ہیں جن کو دیکھ کر اور پڑھ کر آپ کی عبقریت اور عظیم علمی شخصیت کا اندازہ ہی نہیں بلکہ یقین کیا جاسکتاہے،بلکہ آپ کے علمی تفوق کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔

لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ اس قدر متنوع کاموں کا کرنے والا اور بیش قیمت علمی کتابوں کا عظیم مصنف کبر سنی کے باوجود خشک مزاج نہیں تھا،بلکہ اسوۂ نبوی کا سراپا نمونہ جہاں اپنے اخلاق وعادات کے اعتبار سے مرنجا مرنج تھا وہیں خوش طبع اور ملنسار بھی تھا کھانے پینے پہننے اوڑھنے،رہنے سہنے سب میں آپ کے یہاں نہایت سادگی تھی ہر آنے والے مہمان کی آپ چائے سے مہمان نوازی کیا کرتے تھے،آپ کے یہاں اس باب میں کوئی تکلف نہ تھا،جولوگ مہمان نوازی میں پر تکلف دعوت کا اہتمام کرتے ہیں ان کی دعوت کا دائرہ چاہے جتنا تام ہو مگر عام نہیں ہوسکتا،اس کے برعکس جس کے یہاں سادگی ہوتی ہے ان کی دعوت میں عموم ہوتاہے،چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ کی دعوت میں بھی سادگی کے ساتھ نہایت عموم تھا،بڑے تو خیر بڑے ہیں عموماً چھوٹوں کو بھی آپ کے پاس چائے نوشی اور دعوت شیراز کا موقع مل

ہی جاتا تھا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایسی جامع کمالات اور متنوع صفات شخصیت کا اپنے عزیزوں اور شاگردوں کے درمیان رہنے سہنے کا کیا طریقہ تھا، رہا اپنے شاگردوں اور عزیزوں کی تربیت کا معاملہ تو خصوصیت کے ساتھ اس تعلق سے حضرت مفتی صاحب سے مجھے کوئی خاص قربت نہ رہی، تاہم مجھے اس بات کا شدید احساس ہے کہ جب بھی میں نے انہیں دیکھا ہے نہایت سادگی کے ساتھ دیکھا ہے، جو حدیث نبوی البذاذۃ من الایمان کی رو سے مومن صالح کا خاص امتیازی وصف ہے، آپ کو طلبہ کے درمیان دیکھ کر عام آدمی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ یہ دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم ادارہ کا ایک عظیم دیدہ ور مفتی ہے، اگر کسی کو کوئی علمی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو بلا جھجک آپ کے پاس پہنچ کر پوچھ لیتا اور آپ اسے تشفی بخش جواب دے کر مطمئن کردیتے، اگر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے وقت کسی نئے طالب علم کا داخلہ نہ ہوتا اور وہ مایوس ہوتا تو آپ ہر ممکن کوشش کرکے کبھی خود دارالعلوم میں سفارش کرکے اور کبھی دوسرے علمی مراکز میں بھیج کر اور خصوصی سفارش لکھ کر اس کا داخلہ ضرور کرادیتے، بہت سے اداروں میں تو آپ کا بس سفارشی خط دیکھ کر ہی بلا امتحان طالب علم کا مطلوبہ درجہ میں داخلہ ہوجاتا تھا، مجھے چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس جانے کا زمانۂ طالب علمی میں زیادہ موقع نہیں ملا،

اس لئے میں اس موضوع کا حق تو ادا نہیں کر سکتا، تاہم جو کچھ میں نے بعض احباب سے سنا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس میں سے کچھ قارئین کو بھی سنادوں۔
مدرسہ سراج العلوم بستوارہ ضلع دربھنگہ کے مہتمم مولانا شمس الحق صاحب مظاہری نے اپنا یہ واقعہ سنایا کہ میں مظاہرالعلوم کی زمانۂ طالب علمی میں ملنے کی غرض سے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں سہارنپور سے کبھی کبھی جمعہ جمعرات کو دیوبند جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ جب سہارنپور دارالعلوم شاہ بہلول کے طلبہ کا امتحان لینے کی غرض سے پہونچے تو میرا پتہ معلوم کر کے میرے کمرے میں تشریف لائے، جب طلبۂ مظاہرالعلوم نے دیکھا کہ دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم ادارہ کا عظیم المرتبت مفتی مظاہرالعلوم کے ایک گمنام طالب علم سے ملنے آیا ہے، گو اس کے بعد دیگر طلبہ میرے ساتھ اعزاز واکرام کا معاملہ کرنے لگے، اور میری شہرت و محبوبیت میں اضافہ ہوگیا، اس مختصر سے واقعہ سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے عزیزوں اور ملنے جلنے کے درمیان کس طرح گھل مل کر رہا کرتے تھے، اور اپنے چھوٹوں اور عزیزوں کے ساتھ کس طرح شفقت ومحبت کا معاملہ کیا کرتے تھے، اور ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا کرتے تھے، بڑی کتاب لکھ کر اور بڑی درس گاہ سے سند فضیلت حاصل کر کے تو ہر کوئی بڑا ہونے کا خواب دیکھنے لگتا ہے، اسی طرح دوسروں کے کام سے نام پیدا کرنا بھی آسان ہے، لیکن اس کے

برعکس چھوٹی درس گاہ سے فارغ ہونے کے باوصف نام پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن آپ نے اس وادیٔ تیہ کو طے کرکے اور پرخار جنگل کو پار کرکے علمی شہرت وعظمت حاصل کی تھی، تب جاکر آپ علمائے کبار کے محبوب بنے اور چھوٹوں پر محنت کرکے ان کو بڑا بنانے کا گر آپ نے اپنے اکابر اساتذہ سے سیکھا تھا۔

ڈاکٹر عبدالودود قاسمی نے آپ کی عظیم علمی خدمات کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ، آپ نہایت نرم خو اور رقیق القلب تھے، علماء اور طلبا سب سے برابر کا سلوک اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے، (آگے انہوں نے اپنی زمانۂ طالب علمی کا واقعہ لکھا ہے) کہ میں جن دنوں دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا اکثر مفتی صاحب سے ملنے ان کے کمرے جاتا، ایک دن حضرت مفتی صاحبؒ نے پوچھا کہ عصر کے بعد کیا کرتے ہو؟ میں خاموش رہا انہوں نے کہا کہ عصر کے بعد کا وقت بھی سیر وتفریح میں ضائع مت کرو، کتابت سیکھو، خود حضرت نے مولانا فضل الرحمن صاحب دربھنگہ ہی کے رہنے والے تھے اوردارالعلوم میں کتابت کے استاذ تھے، ان کو میرے متعلق کہا، لہٰذا میں خوشخط سیکھنے لگا، اور بہت ہی کم عرصہ میں فن خوشخطی سے بہت حد تک آگاہ ہوگیا، فراغت کے بعد میں دربھنگہ آگیا، پھر ایک عرصہ کے بعد تحقیقی کام کے سلسلہ میں جب دارالعلوم جانا ہواتو حضرت مفتی صاحب سے بھی ملا، حضرت نے

میری خوب رہنمائی کی اور بہت سارے مواد فراہم کرادیئے[62]

حضرت مفتی صاحبؒ جب کبھی اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے فقہی اجلاسوں میں شریک ہوتے تو شعبۂ افتاء کے کسی طالب علم کو اپنے ساتھ بطور خادم کے ضرور رکھتے،بظاہر وہ آپ کا خادم ہوتا لیکن آپ اس طرح اپنے ساتھ اس نوجوان فاضل کو سیمینار میں شریک رکھ کر اور علمائے کبار اور فقہائے عظام کی علمی وفقہی مجالس میں شریک رکھ کر اس کی علمی تربیت فرمایا کرتے تھے،اور آئندہ کیلئے اس کے دل میں کچھ کرنے کاجذبہ موجزن کرتے،اور اس کے حوصلوں کو بڑھایاکرتے تھے،

جامعہ ربانی کے مہتمم مولانااختر امام عادل صاحب کو بھی میرے علم کے مطابق حضرت مفتی صاحب نے اپنے ساتھ فقہ اکیڈمی کے بعض فقہی اجلاسوں میں اپنے ساتھ شریک رکھاہے،وغیرہ۔

مذکورہ واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ عزیزوں کے درمیان کیسے رہتے اور ان کی کس طرح تربیت فرماتے تھے،ایک مرتبہ آپ اپنی لڑکی کے یہاں تشریف لے گئے،اس نے ابا کے لئے اچھے پر تکلف کھانے کا اہتمام کیا،آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب میں تمہارے یہاں نہیں آؤنگا،وہ ڈر گئیں اور پوچھا ابا کیا تکلیف ہوگئی؟فرمایا کہ

---

62 ۔بحوالہ قومی تنظیم پٹنہ ۱۵ / مئی ۲۰۱۱ء صفحہ ۱۰

تم نے تکلف سے کام لیا، تکلف اجنبیوں کے لئے کیا جاتا ہے، میرے لئے جو ہو حاضر کر دیا کرو اس میں لطف ہے محبت ہے، پیٹ بھر کر کھانے کو جی چاہتا ہے، جب بیٹی نے آئندہ اس پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیا تو آپ نے غلطی معاف کر دی۔

کتنے لوگ جو حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں رہے اور ان سے استفادہ کیا علمی دنیا میں آفتاب وماہتاب بن کر چمکے، دور حاضر کے بڑے مفتیوں اور علمائے کبار میں کون ہیں جس نے دارالعلوم دیوبند میں رہ کر آپ سے کسب فیض نہ کیا ہوگا، آپ کے یہاں ایمان وکفر سے متعلق فتوی نویسی میں بہت زیادہ احتیاط تھا، آپ اس قسم کے فتوی کا جواب مستفتی کے سوال کو پڑھ کر اصول کی رو سے نہیں لکھا کرتے تھے کیونکہ اس باب میں بعض بڑے علماء سے غلطیاں ہوجایا کرتی ہیں، اور بہت سے بد ظن اور مفسد قسم کے لوگ غلط بیانیاں کرکے اکابر علماء کو کفر کے کٹہرے میں کھڑا کر دیتے ہیں، اس لئے حضرت مفتی صاحب نے اس سلسلہ کے سوالوں کا جواب شخصیات وجزئیات کا نہایت تحقیق وتدقیق کرکے لکھا کرتے تھے، بعض لوگ اپنے شاگردوں کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے لیکن آپ عزیزوں اور شاگردوں کی بھی علمی وفقہی آراء کا بہت لحاظ کرتے تھے ان کا بغور مطالعہ کرتے تھے اگر ان کی آراء وقیع ہوتی تو بدل وجان خندہ پیشانی سے اس قبول کرتے اور اگر قابل رد ہوتی تو بحسن وخوبی اس کو

ترک کردیتے،اور صاحب رائے کو اس کی غلطی سے خوش اسلوبی کے ساتھ واقف کرادیتے، آپ دیوبند میں رہتے ہوئے طلبہ کی بہت سی انجمنوں کی سرپرستی کیا کرتے تھےاور آپ کا گراں قدر مشورہ طلبہ کیلئے مہمیز کاکام کیا کرتا تھا،میں سمجھتاہوں کہ جامعہ ربانی کاقیام اور اس کے بانی کا مفتی سے مہتمم بننا غالباً آپ ہی کے مشورہ کا نتیجہ ہے،حضرت مولانا اختر امام عادل کا شمار حضرت مفتی صاحب کے دور آخر کے ذہین ومطیع اورخاص شاگردوں میں ہوتا ہے،استاذ اور شاگرد دونوں ایک دوسرے کے محبوب ہی نہیں بلکہ عاشق زار تھے،مولانا اختر امام عادل کو جامع اور عالمگیر شخصیت بنانے میں حضرت مفتی صاحب کی تعلیم وتربیت اور دعا ومشورہ کا خاص دخل ہے،میں نے حضرت مفتی صاحب سے براہ راست استفادہ تونہیں کیا ہے تاہم زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد بھی ہر جگہ ان کی عارضی ودائمی قیام گاہ میں پہنچ کر ان کی چائے پی ہے، آخر میں ان کے نماز جنازہ میں بھی شریک رہا، اسی طرح کفن میں مستور انکی نعش مبارک کا آخری دیدار کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا،اسی طرح قبر کھودنے میں بھی تھوڑاسا شریک رہا،جب مٹی ڈال کر فارغ ہواتو ان کے بچوں نے دور دراز سے آئے ہوئے لوگوں کے لئے پرتکلف کھانے پلاؤ گوشت کا انتظام کر رکھاتھا،اس کو تناول کرنے کا بھی پہلی ہی فرصت میں موقع ملا،حیات سے وفات تک ہرجگہ سادگی کو دیکھ کر میرے ذہن ودماغ میں سیدنا ابوذر غفاری رضی

اللہ عنہ کی وفات وحیات کانقشہ گردش کرنے لگا،بطور خاص ان کی تکفین وتدفین سے فراغت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق انکی اہلیہ نے نماز جنازہ میں شریک صحابہ بشمول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جو بکری ذبح کرکے نہایت پر تکلف کھانا کھلایا تھا،وہ واقعہ بھی یاد آنے لگا،بہر حال حیات و وفات دونوں میں صحابیٔ رسول حضرت ابوذر کی مماثلت کے سبب اللہ رب العزت سے دعا گوہوں کہ اللہ تعالی حضرت مفتی صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائے (آمین)اور انہیں کروٹ کروٹ چین وسکون عطا فرماکر ان کے درجات بلند فرمائے،اور جنت کے اعلیٰ درجہ میں ان کو جگہ عطافرمائے،آمین یارب العالمین۔

(۱)،بڑے عالم کی پہچان یہ ہے کہ اس میں چار صفات ہوں (۱)تقریر(۲)تحریر(۳)تدریس(۴)مناظرہ میں ماہر ہواور حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ کے بقول عالم کامل کی پہچان کے لئے پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ چندہ کرنے میں بھی ماہر ہو۔

(۲)۔بعض لوگوں نے حضرت مفتی صاحب کے متعلق جو یہ کہا ہے اور لکھاہے کہ دارالعلوم دیوبند کے نمایاں اساتذہ میں آپ کو نہیں لیا گیا ہے،مجھے اس جملہ سے اختلاف ہے کیونکہ سب سے مشکل کام فتوی نویسی ہے،اس سے کم مشکل تدریس ہے،اس سے کم تقریر کرنا ہے،اور سب سے آسان کام تنقید کرناہے۔

مشاہدات و تأثرات

آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین

صاحب مفتاحیؒ مفتی دارالعلوم دیوبند جن کی وفات کو ابھی چند ہی سال گذرے ہیں، ان مقتدر علماء کرام میں ایک نمایاں مقام کے حامل تھے جن کی پوری زندگی علمی و دینی خدمات کی آئینہ دار ہوتی ہے، حضرت مفتی صاحب کی تعلیم اگر چہ مشرقی یوپی کے معروف مدرسہ جامعہ مفتاح العلوم میں ہوئی تھی اور مفتاحی آکا لاحقہ مفتی صاحب کے نام کا جزو بن چکا تھا لیکن فراغت کے بعد ابتدائی چند برسوں کے علاوہ ان کی پوری زندگی دارالعلوم دیوبند میں مختلف علمی خدمات میں گذری، جن میں سب سے نمایاں کارنامہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب و تدوین ہے، حلقۂ دیوبند میں حضرت مفتی صاحبؒ کا تعارف مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے نام ہی سے ہوا، اس خدمت کے علاوہ کتب خانہ دارالعلوم کی خدمت اور بحیثیت مفتی دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاءسے وابستگی بھی آپ کی وقیع خدمات میں شامل ہے، ان تمام تر مشاغل کے ساتھ تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا، اور ملک کی متعدد علمی و فقہی تنظیموں اور اداروں کے

ساتھ فعال اور ذمہ دارانہ تعلق بھی بر قرار رہا،اسلام کا نظام مساجد،اسلام کا نظام عصمت وعفت آپ کی وہ شاہکار تصانیف ہیں جن کا اعتراف معروف اہل قلم اور اہل علم نے کیا ہے،ان کے قلم سے وجود میں آنے والی کتب کی تعداد غالباً پچاس کے لگ بھگ ہے،جو ان کے نام کو ایک عظیم مصنف ومؤلف کی حیثیت سے زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے،مفتی صاحب بہت سلیس زبان لکھتے تھے،ان کے فتاویٰ بھی واضح ہوتے تھے،تحریر بھی خوبصورت تھی،نماز باجماعت کا بے حد اہتمام کرتے تھے۔

میری ان سے واقفیت کا آغاز اس وقت ہوا جب میں ۱۹۶۱ء میں مفتاح العلوم مئو میں داخل ہوا،مفتی صاحب وہاں کے قدیم فضلاء میں تھے اور مفتاح العلوم کی فضاؤں میں وہاں کے جن مستفیدین کا نام تذکرے میں آتا تھا ان میں مفتی صاحب سب سے نمایاں سمجھے جاتے تھے،اس وقت تک ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی تھیں،لیکن اس وقت تک میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا،البتہ دل میں شوق ملاقات تھا،

ملاقات کا اتفاق دارالعلوم دیوبند آنے کے بعد ہوا،دارالعلوم میں میرا داخلہ ۱۹۶۲ء میں ہوا،اس وقت یہاں حضرت مولانا سلطان الحق صاحبؒ سابق ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کی باغ وبہار مجلس میں علماء واعیان کی شرکت ہوتی تھی،ہمارے بزرگ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب بنارسیؒ،حضرت مولانا سلطان الحق صاحبؒ کے رفیق درس تھے،اس مناسبت سے میری حاضری بھی مولانا کی مجلس میں ہونے لگی،وہاں کے حاضر باشوں میں دیگر علماء کے علاوہ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ بھی تھے،اس طرح ان

سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا، ہمارا علاقہ بھی ان کے علاقہ سے قریب ہی ہے اور کچھ مفتاحی کی نسبت، اس لئے ان سے ایک مناسبت قائم ہوگئی۔

آپ کا حلقۂ احباب خالص اہل علم کا حلقہ تھا، گفتگو علمی اور معلومات افزاء ہوتی تھی، مزاج میں سادگی اور وقار کے ساتھ بذلہ سنجی بھی تھی، مجموعی اعتبار سے ان کی شخصیت یادر کھے جانے کے لائق اور آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ ہے۔

پیکر طول عمر و حسن عمل

حضرت مولانا غلام محمد وسطانوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
رئیس جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین محمد بن عبداللہ وعلی آلہ الطاہرین اما بعد فقد قال اللہ تبارک وتعالی:الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم ا حسن عملاً،وھوا لغفو رالرحیم.[63]

(وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ عمل میں کون بہتر ہے،وہ بخشنے والے اور مہربان ہیں)

وقد ورد فی الخبر عن النبی الصادق الأبر عن عبداللہ بن بسرأن اعرابیاً قال:یا رسول اللہ!من خیرالناس؟ قال:من طال عمرہ وحسن عملہ.[64]

(حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی،دیہاتی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:جس کی عمر طویل اور عمل اچھا ہو)

---

63 ۔ سورۃ الملک:۲

64 ۔ السنن للترمذی:۳/۷۹۲،رقم الحدیث۸۲۳۲

اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہر ذی روح کو موت کامزہ چکھنا ہے، ”کل نفس ذائقۃالموت“ موت عدم محض یافقط سلب حیات کانام ہے،جیسا کہ بعض جاہل فلاسفہ نے خیال کیا ہے،بلکہ موت ایک مستقل وجودی مخلوق ہے،موت اس صفت وجودی کانام ہے جو صفت حیات کی ضد ہے،یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے،جب کہ یہودیوں کایہ عقیدہ ہے کہ صرف حیات اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے،باقی موت تو شیطان نے نافرمانی کرکے پیدا کردی ہے،اسلام نے اس باطل عقیدہ کا رد کیا ہے۔

مقصد موت وزیست

قرآن کریم کی جو آیت اوپر پیش کی گئی،اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ہماری اور آپ کی موت وحیات کا مقصد،حسن عمل کی جانچ اورابتلاء ہے،کہ کون شخص قیامت کے دن حسن عمل کے ساتھ دربار الٰہی میں حاضر ہوکر کامیاب وکامران ہوتا ہے؟اور کون اس جانچ وابتلاء میں خائب وخاسر ہوتا ہے؟معلوم ہوا کہ انسانی زندگی محل عمل یاظرف عمل ہے اور حسن عمل ہی اس کی سرخروئی اور سرفرازی کا سبب ہے۔

حسن عمل پر گامزن کرنے والا اہم کردار

انسان کو حسن عمل پر آمادہ کرنے اور اس کا عادی بنانے میں

جہاں توفیق خداوندی اور تربیت والدین کا اہم کردار ہوتا ہے،وہیں اس میں اس کا اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے تعلق کا بھی انتہائی اہم اور مؤثر رول ہوا کرتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا تعلق اپنے اساتذہ سے

حضرت مولانا مفتی ظفیرالدین صاحبؒ مفتاحی کا اپنے اساتذہ سے بڑا والہانہ وغایت درجہ خود سپر دگی کا تعلق تھا،آپؒ خود فرماتے ہیں:عقل و شعور آجانے کے بعد جہاں میں نے درسیات میں اپنی وسعت بھر محنت کی،وہیں الحمدللہ میں نے اپنے اساتذۂ کرام اور دوسرے اصحاب فضل وکمال سے بھی علمی رابطہ قائم کیا اور زندگی کے ہر موڑ پر ان سے رہنمائی ورہبری کی درخواست کی،یہ میری خوش بختی تھی کہ انھوں نے میری درخواست منظور کی اور رہنمائی کا فریضہ ادا کیا،یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ان کی توجہ میرے حال پر نہ ہوتی توشاید میں کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتا اور اب تک جو بھی کام ہوئے ہیں نہ ہوپاتے۔[65]

حضرت مفتی صاحبؒ کے اساتذہ میں جن مشہور ومعروف اور نامور شخصیتوں کا تذکرہ اور ان سے آپ کا تعلق،آپ کی تحریروں میں بکثرت

---

65 - مشاہیر علماء ہند کے علمی مراسلے ص ۱

موجود ہے،ان میں سے ایک حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی اور دوسرے حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رحمہااللہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے ان اکابراساتذہ کرام کا بڑا احترام واکرام فرمایا کرتے تھے،ان کے ذکر خیر سے آپ کی زبان ہمیشہ تر رہا کرتی تھی اور آپ زندگی کے ہر موڑ پر ان سے رہنمائی و رہبری حاصل کیا کرتے تھے،چنانچہ آپؒ خود فرماتے ہیں:

میرے محترم اساتذہؒ کرام،ارباب علم اور صاحب فضل وکمال علماء عظام ہیں،ان بزرگوں اور مقدس نفوس نے قدم قدم پر سنبھالا دیا،عقل وخرد اور علوم وفنون کے پر کیف ونشاط انگیزباغوں کی سیر کرائی،تہذیب وتمدن اور شائستگی کی شاداب وخوش گوار وادیوں کو طے کرایااور گھٹنے کے بل چلنے والے بے مایہ انسان کوانگلی پکڑ کرچلنا سیکھایا جس کانتیجہ یہ ہوا کہ یہ صداقت وحقانیت کے تابناک میناروں تک پہونچنے کی قوت میسر آئی،ضلالت وگمراہی کی گھاٹیوں سے نکل کر نور ہدایت کی شاہراہ تک آیااگر کبھی شیطانی وساوس نے قدموں میں جنبش پیدا کرنے کی کوشش کی تو دل ودماغ کی لازوال عزیمت ابھر آئی،جو ان تقدس مآب بزرگوں کی تحریروں اورتقریروں سے قلب ودماغ میں بس چکی تھی اور جب کبھی بھی خیالات وتصورات کی دنیا میں انقلاب آیا

توان بزرگوں کے چند جملوں نے دل کے عزائم کو نور سے بھر دیا[66]

حضرت مفتی صاحبؒ کے اس قطعۂ تحریر کے ایک ایک جملے سے اپنے اساتذہ کرام اور بزرگوں کے ساتھ کس قدر تعلق اوراحسان شناسی عیاں ہوتی ہے،یہی وہ وصف ہے جو حقیر کو عظیم اور ذرے کو آفتاب وماہتاب بنا دیتاہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا تعلق اپنے بزرگوں سے

حضرت مفتی صاحب کا اپنے زمانے کے جن مشاہیر ہند سے تعلق رہا ان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ،حضرت العلامہ مولانا سید سلیمان ندوی،حضرت مولانا سید مناظرا حسن گیلانیؒ،حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ،حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ،حضرت مولانا سیدمنت اللہ صاحب رحمانیؒ،حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانیؒ،حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ،حضرت مولا شاہ حلیم اللہ صاحب عطاؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ،حضرت مولانا محمد ادریس صاحب ندوی صاحب نگرامیؒ،حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلویؒ،حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ،حضرت مولانا عبدالماجد

---

66 ۔ مشاہیر علمائے ہند کے علمی مراسلے:ص۴

دریابادیؒ، حضرت مولانا شیخ محمد زکریا صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا قاضی زین العابدین میر ٹھیؒ، حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ اور حضرت مولانا سید محمد قادری (چھپرہ) رحمہم اللہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان مشاہیر علمائے ہند سے آپ کا جو خصوصی تعلق قائم تھا، اس کا کچھ اندازہ آپ ہی کی مرتب کتابیں "مشاہیر علمائے ہند کے علمی مراسلے" سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

درس عبرت

حضرت مولانا مفتی ظفیرالدین صاحبؒ بڑے عالم دین، نامور فقیہ، زبردست مصنف و مرتب، اپنے اکابرین کے معتمد و منظور نظر، دارالعلوم جیسی عظیم الشان درسگاہ کے سینئر مفتی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تاسیسی اور مجلس عاملہ کے رکن رکین، اسلامک فقہ اکیڈمی کے صدر عالی قدر، امارت شرعیہ بہار، جھارکھنڈ واڑیسہ کے معزز رکن شوریٰ اور مختلف دینی درسگاہوں کے سر پرست اور نہ جانے کتنے ارباب افتاء و اہل قلم کے استاذ و مربی تھے، مقام غور و فکر یہ ہے کہ بیک وقت اتنی ساری خوبیاں آپ میں کیسے پیدا ہوئیں، جبکہ آپ کی پیدائش دربھنگہ شہر سے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں "پورہ نوڈیہا" میں ہوئی تھی، بظاہر اس کا ایک ہی جواب ہے کہ جب آدمی جہد مسلسل وسعی پیہم کا عادی بن جاتا ہے، اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی سرپرستی میں دینی خدمات کو اپنی سعادت سمجھتا ہے، علمی کاموں میں ان کی رہنمائی ومشاورت کو اپنے اوپر

فرض کر لیتا ہے،،اخلاص وللہیت،بے لوثی وبے غرضی کے ساتھ تعلیم وتعلم میں ہمہ تن مشغول ہوجا تاہے،تو اللہ پاک اس سے دین کا بڑا کام لیتا ہے،اور اس کی عمر میں برکت کے ساتھ ساتھ اسے حسن عمل کی توفیق بھی عطا کرتے ہیں،جس کی وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "خیر الناس من طال عمرہ وحسن عملہ" کا مصداق بن کر دربار خداوندی میں پہنچ جاتا ہے،حضرت مفتی صاحب کی شخصیت اس کا مصداق صادق ہے۔

آج مرحوم ومغفور مفتی صاحبؒ کی سی صفات کے حامل علماء دین دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں،ضرورت ہے کہ ہم آپ کے نقش قدم پر چلیں،انکی صفات وعادات کو اپنائیں،اپنے اساتذہ وبزرگوں سے اپنے تعلقات کو مضبوط ومستحکم بنائیں،ان کی ہدایات وخطوط کے مطابق اپنی خدمات کو انجام دیں،کیوں کہ موجودہ زمانے میں امت کو اس کی بڑی سخت ضرورت ہے۔

اللہ تعالی مفتی صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائے،انکی تمام دینی خدمات کو شرف قبولیت عطافرماکراپنی رضا وخوشنودی کا ذریعہ بنائے۔آمین۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

(بندہ غلام محمد وستانوی۔۱۴۴۳/۵/۲۲ھ)

ایک عظیم سبق آموز شخصیت کی رحلت

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم
صدرالمدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

۳۱/مارچ ۲۰۱۱ء بروز پنجشنبہ حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ مفتی دارالعلوم دیوبند کی وفات ہوگئی، اِنّا للّٰہ واِنا اِلیہ راجعون، اس اندوہناک حادثہ کی خبر سنتے ہی پورا دارالعلوم غم والم میں ڈوب گیا، حضرت مفتی صاحب مرحوم کی وفات صرف ان کے پس ماندگان کے لئے ہی نہیں؛ بلکہ دارالعلوم اور مسلمانان ہند کے لئے بھی عظیم ترین حادثہ ہے، علمی و فقہی میدان میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو نعم البدل عنایت فرمائے! (آمین)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو بڑی خصوصیات سے نوازا تھا، وسعتِ علم، اصابت رائے، خلوص وللّٰہیت، دینی وملی فکر مندی اور قلم کی تیز گامی میں بے مثال تھے، آپ بڑے سادہ نفس، متواضع، مسکین مزاج اور عزلت نشینی کے عادی تھے، علمی بے پناہ گہرائی وگیرائی کے باوجود ذرہ برابر بڑائی و خود رائی کی خو بو محسوس نہ ہوتی تھی، خورد نوازی میں ضرب المثل تھے، طلبہ کو آپ سے رابطہ کرنے میں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا، آپ کے سبق کی پابندی بھی بے

مثال تھی، تحریر شستگی، سادگی اور آسان نویسی کا نمونہ تھی، مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا علی میاں ندویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا مدنیؒ اور حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ وغیرہ بزرگوں نے آپ کی تصانیف کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے، آپ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ کے خصوصی شاگرد تھے، چالیس کے قریب تصانیف آپ کی یاد گار ہیں، فتاویٰ دارلعلوم دیو بند کی بارہ جلدوں میں ترتیب آپ کی علمی شاہ کار ہے، آپ نے دارالعلوم دیو بند میں موجود مخطوطات کا تعارف دو جلدوں میں تحریر فرمایاہے،، ترپین (۵۳) سال تک آپ دارالعلوم میں رہے، مختلف جہات کی خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ سب کو قبول فرمائے۔(آمین)

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی سرتاسر علمی تھی، آپ کے اندر لکھنے پڑھنے کا انہماک قابل رشک تھا، علم وتحقیق اورتصنیف وتالیف کے میدان میں رہنے والوں کے لئے آپ کی زندگی میں، اوقات کی حفاظت، عزلت نشینی اور قلم کی تیز گامی میں بہت بڑا نمونہ موجود ہے، آپ نے خود نوشت سوانح "زندگی کا علمی سفر" میں پوری طالب علمی، تدریسی اور قلمی زندگی کو لکھ دیاہے، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ عنایت فرمائے، آمین، ثم آمین،

حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب۔شخصیت اور کارنامے

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب فتح پوری دامت برکاتہم
(ممبئی) مفتی اعظم مہاراشٹر

ہمارے وہ اکابر جنہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کی روز مرہ کی زندگی کا مشاہدہ کیا حسب توفیق ان سے علمی استفادے کی سعادت حاصل ہوئی اپنے مؤمنانہ اوصاف اور کردار کی پختگی اور صلابت کے باوجود مزاج اور افتاد طبع کے اعتبار سے عموماً ہر ایک سے جداگانہ پہچان اور الگ الگ رنگ تھامگر یہ قدر مشترک سب میں نظر آتی ہے کہ وہ اسلاف کی روشن روایات کے امین اور صحیح معنوں میں ان کے علمی وارث ہیں۔

حضرت مفتی ظفیرالدین صاحب مفتاحی علیہ الرحمہ بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے،آپ میں سادگی اور وضعداری بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی،ہٹو بچو والی خوبو سے کوسوں دور تھے،ہر ایک سے اپنائیت سے ملنا ان کا امتیازی وصف تھا،دارالعلوم دیوبند میں راقم الحروف کی طالب علمی کا دورانیہ بہت مختصر رہا اس وقت تک بحیثیت ایک مصنف کے آپ تمام حلقوں میں معروف ہوچکے تھے،فتاویٰ دارالعلوم کی ترتیب آپ ہی سے متعلق تھی اور کئی جلدیں

طبع بھی ہو چکی تھیں تاہم سر راہ دعا سلام کے علاوہ نہ کبھی مجلس میں حاضری کا کوئی موقع ملا نہ تعارف اور جان پہچان کی کوئی صورت پیدا ہوئی،احقر یوں بھی نہ کسی علمی خانوادے کا فرد تھا نہ کوئی ایسا خاندانی پس منظر رکھتا تھا کہ اس کے حوالے سے اکابر کی توجہات یا تقرب حاصل کرنے کی ہمت کرتا،اس لئے بھی دوسرے اکابر کی طرح حضرت مفتی صاحب کی مجلس میں حاضری کی جرأت کبھی نہ ہو سکی۔

اس کے باوجود طالب علمی کی رسمی تکمیل کے بعد جب جب دیوبند جانا ہوااور حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کیلئے گیاتو ہمیشہ آپ اس طرح پرتپاک انداز سے ملے گویا برسوں سے جانتے ہوں،اپنائیت،شفقت،اور خلوص ومحبت کا جو مظاہرہ کسی بوریہ نشین بزرگ صاحب علم سے ممکن ہے یاد نہیں آتاکہ کبھی اس میں کوئی کمی محسوس ہوئی،ہم تو حضرت کو زمانۂ طالب علمی ہی سے جانتے تھے اور آپ کے علمی اور عملی کمالات سے بھی آشناہو چکے تھے،مگر تعارف کبھی نہ ہواتھا،لیکن آپ کے برتاؤ اور سلوک کا انداز ایسا تھا کہ شاید آپ سے ہمارا دیرینہ تعلق ہے،علمی و عملی کمالات سے متصف وہ اکابر جو اپنی ہمہ گیریت کی وجہ سے معروف ہوئے اور عوام وخواص میں سے ہر طالب فیض نے ان سے بقدر حوصلہ استفادہ کیا ان کی مثال شجر سایہ دار کی ہے جو ہر تھکے ماندے مسافر کیلئے راحت کا سبب ہوتا ہے،اسلئے یہ حضرات زمان ومکان کی

قیود سے ماوراء ہوتے ہیں اور ان کی ذات خود ان کی شناخت بن جاتی ہے،حضرت مفتی صاحب کی تصنیفات اور علمی فیوض سے بھی ہر خطے اور ہر علاقے کے طلبہ مستفید ہوئے،اور ان کی تحریریں آئندہ نسلوں کے لئے بھی رہنمائی کا سامان بن کر تادیر استفادے کا ذریعہ ثابت ہوں گی،تاہم رسمی تعلق کا ذکر بھی ضروری ہے۔

جو مختصراً یہ ہے کہ آپ کا تعلق ضلع دربھنگہ صوبۂ بہار کے ایک معزز ذی علم گھرانے سے تھا،آپ کے والد کانام شمس الدین تھا جو ریلوے میں ملازم تھے اورامیر شریعت خامس حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب ؒ آپ کے چچا زاد بھا ئی تھے۔

تعلیم کی ابتداء گھر سے ہوئی،کچھ عرصہ مدرسہ محمودیہ میں اس کے بعد مدرسہ وارث العلوم چھپرہ میں امیر شریعت مولانا عبدا لرحمن صاحب کی زیر سرپرستی متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مفتاح العلوم مئو میں داخل ہوئے جہاں اس وقت محدث اعظمی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ،شیخ الحدیث شمس الدین صاحب ؒ،شیخ الحدیث مولانا ایوب صاحب ؒ،اور مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ جیسے اکابر طالبان علوم دینیہ کے لئے مرجع بنے ہوئے تھے،محدث اعظمی کو افراد سازی میں خاص ملکہ حاصل تھا ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ نوجوان علماء بذات خود علمی مآخذ تک رسائی حاصل

کریں تاکہ ان کی صلاحیتیں کما حقہ اجاگر ہو سکیں،اس غرض سے آپ تنبیہ بھی کرتے اور مناسب رہنمائی بھی فرماتے،چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت ممبئ تشریف لائے ہوئے تھے احقر نے چند احادیث کے متعلق کچھ سوالات کئے، حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے پہلے تو خفگی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ خود کیوں نہیں دیکھتے کیا ہم ہمیشہ بتانے کیلئے بیٹھے رہیں گے،اس کے بعد بڑی شفقت کے ساتھ مراجع کی نشان دہی بھی فرمائی،حالانکہ مجھے حضرت سے شرف تلمذ بھی حاصل نہ تھا۔

حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ تو محدث اعظمی کے بلا واسطہ شاگرد تھے کئی سال تک آپ نے مفتاح العلوم میں رہ کر تعلیم مکمل کی اور اس دوران اپنے اساتذہ بالخصوص حضرت محدث اعظمیؒ سے بھر پور علمی استفادہ کیا،حضرت محدث اعظمیؒ نے آپ کی صلاحیتوں کا جائزہ لے کر مکمل اور ایسی رہنمائی فرمائی جس کی وجہ سے آپ کا علمی سفر بہت آسان ہوگیا اور آپ علمی و عملی کمالات کی بلندیوں تک پہنچ سکے۔

فراغت کے بعد ایک سال مفتاح العلوم میں درس وتدریس کی خدمات بھی انجام دیں،پھر کچھ عرصہ کے لئے ندوۃالعلماء میں داخل ہوئے وہاں اس وقت شاہ حلیم عطاصاحبؒ، مفکراسلام حضرت مولاناابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا اسحاق سندیلویؒ وغیرہ اکابر موجود تھے جن سے آپ نے استفادہ کیا مگر

ندوہ کا قیام مختصر رہا،یہیں سے آپ نگرام کے مدرسہ معدن العلوم میں بحیثیت استاذ تشریف لے گئے،نگرام کے علاوہ آپ دارالعلوم معینیہ سانحہ مونگیر اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بھی مدرس رہے،اس دوران آپ نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھااور بحیثیت مصنف آپ کی یہ شہرت ہی دارالعلوم دیوبند میں تقرری کا سبب بنی،چنانچہ ۱۹۵۶ء مطابق ۱۳۷۶ھ میں آپ دارالعلوم کے شعبۂ تصنیف وتالیف سے منسلک ہوئے پھر دارالعلوم ہی کے ہوکر رہ گئے،اس دوران اسلام کانظام مساجد اور نظام عفت وعصمت وغیرہ کئی مفید اور علمی کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں،حضرت مفتی صاحب کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد بھی کم نہیں لیکن ان کے علاوہ بہت کچھ اب تک غیر مطبوعہ بھی ہے،خدا کرے کہ یہ علمی سرمایہ ضائع ہونے سے محفوظ رہے اور طبع ہوکر اہل علم کے ہاتھوں تک پہونچ سکے۔

☆مفتی صاحب کی تصنیفات میں ایک خاص فکری ربط پایا جاتاہے،چنانچہ اسلام کا نظام مساجد اور نظام عفت وعصمت کے علاوہ نظام تعمیر سیرت،نظام تعلیم وتربیت،نظام معشیت اور اسلامی حکومت کے نقش و نگاریہ اہم اور مستقل تصانیف ہیں جن کے ذریعے حضرت مفتی صاحب کی علمی بصیرت،آپ کے روشن افکار اور مطالعہ کی پختگی سے بخوبی آگاہی حاصل ہوتی ہے، ہر کتاب میں متعلقہ موضوع سے متعلق اسلامی احکام اور ان کی جامع

ترتیب کے علاوہ اس فکر کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جس کے ذریعہ احکام کی غرض وغایت اور افادیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

☆آپ نے خالص فقہی موضوعات کو بھی اپنی تصانیف کا موضوع بنایا،مسائل حج وعمرہ اور جرم وسزاکتاب وسنت کی روشنی میں اسی قبیل کی تصانیف ہیں،جو حضرت مفتی صاحب کے فقہی و علمی رسوخ کا بین ثبوت ہیں،در مختار اور اس کی شرح ردالمحتار فقہ حنفی کی بنیادی کتابیں اور فتاویٰ کا اہم مستد ل ہیں،مفتی صاحب نے کتاب الطلاق تک در مختار کا ترجمہ بھی کیا ہے،مگر آپ کا سب سے اہم کارنامہ فتاویٰ دارالعلوم کے نا م سے دارلعلوم کے مفتیٔ اول حضرت مفتی عزیزالرحمن صاحب عثمانی قدس سرہ کے فتاویٰ کی ترتیب ہے،حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ مختصر اور جامع ہوتے تھے،جو فتاویٰ صرف عوام کے لئے ہوتے ان میں صرف مفتیٰ بہ قول نقل کردیتے تھے حوالہ صرف اہل علم کیلئے ہوتا تھا۔

فتاویٰ دارالعلوم کے نام سے پہلے بھی ایک سلسلۂ فتاویٰ غالباً حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے زیر سرپرستی مرتب اور شائع ہو چکا تھاجس کی ترتیب یہ تھی کہ ہر باب میں حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ عزیزالمفتیین کے عنوان سے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے فتاویٰ امدادالمفتیین کے نام سے یکجا کئے گئے تھے،دارالعلوم کی انتظامیہ نے ۱۳۸۳ھ میں آپ کو مرتب کتب

خانہ کے منصب پر فائز کیا اور اسی دوران حضرت مفتی عزیزالرحمن صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ کی ترتیب کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی، مفتی صاحب مرحوم نے بڑی مہارت کے ساتھ انہیں صرف مرتب ہی نہیں کیا بلکہ فقہی مراجع و مآخذ سے جزئیات تلاش کرنے کے بعد ہر فتویٰ کو مدّل کرنے کا کارنامہ بھی انجام دیا، چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم جدید کے حاشیہ میں کتاب اور متعلقہ ابواب نیز صفحات کی تعیین کے ساتھ جو جزئیات درج ہیں وہ حضرت مفتی ظفیرالدین صاحب کی کاوش ہے اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ اب جس قدر اسے پڑھ کر استفادہ آسان ہے مفتی صاحب کا یہ کارنامہ اس سے کئی گنا زیادہ دشوار تھا مگر آپ نے اسے بڑی مہارت اور چابک دستی سے انجام دیا، چنانچہ فتاویٰ کی بارہ جلدیں مکمل آپ ہی کی مرتب کردہ ہیں، حضرت مفتی صاحب کی اس کاوش کی اہمیت کا صحیح معنوں میں وہی اہل علم اندازہ کرسکتے ہیں جو فقہی جزئیات کے تلاش وتتبع میں دن رات ایک کرتے ہوئے راتوں کی نیندیں قربان کرنے میں راحت محسوس کرتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ یہ آپ کا عظیم کارنامہ اور آپ کی علمی عظمت کی شہادت کیلئے کافی ثبوت ہے اگر آپ کچھ اور نہ لکھتے تو یہی ایک کارنامہ آپ کی علمی بقاء کیلئے بہت تھا۔

☆آپ نے اپنی تصانیف میں دارالعلوم دیوبند اور بعض دوسری دینی تحریکوں کو بھی موضوع بنایااور اس کا حق بھی ادا

کر دیا ہے، چنانچہ ”دارالعلوم کا قیام اور اس کا پس منظر“اور تعارف مخطوطات دارالعلوم یہ دونوں کتابیں قیام دارالعلوم کے پس منظر اور مخطوطات کے تعارف کے ساتھ ساتھ دارالعلوم سے آپ کی جذباتی وابستگی کو بھی ظاہر کرتی ہیں، بہار میں امارت شرعیہ کی خدمات کی قدروا ہمیت سے وہ لوگ اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں جنہوں نے امارت کے نظام کو قریب سے دیکھا اور سمجھا ہے، حضرت مفتی صاحب نے دینی جدوجہد کا روشن باب امارت شرعیہ کے نام سے بہار کے باہر بسنے والے مسلمانوں کو بھی امارت کے کارناموں سے باخبر کرنے کی کامیاب جدوجہد فرمائی اور مستقبل کیلئے ایک بہترین علمی ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔

☆جماعت اسلامی کے متعلق اکابر دیوبند کے نظریات سے ہم سب واقف ہیں یہ تحریک اپنی ظاہری چمک دمک کے پس منظر میں کتنی خطرناک ہے اس کا اندازہ ان تمام اہل علم کو ہے جنہوں نے غیر جانب داری کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا اور سنجیدگی سے اسے سمجھنے کی کوشش کی، مفتی صاحب نے جماعت اسلامی کے دینی رجحانات کے عنوان سے اس سلسلے میں ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرماتے ہوئے ملت اسلامیہ پر عظیم احسان فرمایا ہے۔

☆حضرت مفتی صاحب دارالعلوم سے وابستگی کے بعد مختلف شعبوں سے وابستہ ر ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی انتظامیہ نے پورے اعتماد کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کو یکے بعد دیگرے مختلف ذمہ داریاں سونپیں اور دارالعلوم کے

درو دیوار شاہد ہیں کہ آپ نے ہر مرحلے میں کامیابی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں پوری کیں، چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں شعبۂ تصنیف وتالیف سے وابستہ ہوکر ۱۳۸۳ھ اس شعبہ میں رہے ۸۳ھ میں آپ کو مرتب کتب خانہ کے عہدے پر فائز کیا گیا اس کے بعد ۱۳۸۴ھ میں "شعبۂ مطالعہ علوم قرآنی" کے بھی نگراں مقرر ہوئے، اسی دوران ۱۳۸۵ھ میں رسالۂ دارالعلوم کی مجلس ادارت کے رکن مقرر کیے گئے اور اداریہ لکھنے کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی اور تقریباً سترہ سال تک آپ نے پابندی کے ساتھ اہم موضوعات پر کامل غورو فکر کے بعد جو اداریے تحریر فرمائے اگر انہیں یکجا کیا جائے تو یہ بھی ایک بیش بہا علمی ذخیرہ ثابت ہو گا۔

حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازاتھا

جہاں آپ کامیاب مدرس اور صاحب طرز مصنف تھے، فتاویٰ دارالعلوم کی ترتیب نے آپ کی فقہی بصیرت اور پختگی کو بھی اجاگر کردیاجس کے بعد آپ فقہ وفتاویٰ میں بھی مرجع عوام وخاص بنے، چنانچہ دارالعلوم کے منتظمین نے ۱۹۹۳ء میں آپ کو مفتیٔ دارالعلوم کے منصب کیلئے منتخب فرمایا اور کچھ عرصہ بعد غالباً حضرت الاستاذ مفتی نظام الدین صاحب کے بعد ہی آپ دارالعلوم کے صدر مفتی مقرر ہوئے اور آخر تک اسی منصب پر فائز رہتے ہوئے پیرانہ سالی کے عوارض کی بناء پر ۲۲/اگست ۲۰۰۸ء کو خود سبکدوشی لے کر وطن مالوف

تشریف لے گئے، تاآنکہ ۵/مارچ ۲۰۱۱ء مطابق ۲۵/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ کو یہ روشن ستارہ دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہوکر اپنے پیچھے ایک علمی خلا چھوڑ کر گیا، اللہ تعالیٰ ملت کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔

☆مفتی صاحب کی فقہی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے ، آپ نے اپنے پسماندگان میں علماء کی ایک بڑی تعداد چھوڑی ہے، جنھوں نے دارالافتاء میں داخل ہوکر حضرت سے علمی استفادہ کیا اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ماہر اور صاحب بصیرت مفتی ہونے کی حیثیت سے اس دور کے اکابر کو بھی آپ پر کامل اعتماد تھا، چنانچہ جب حضرت مولانا منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ کی ایماء پر مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے مجموعۂ قوانین اسلامی کی ترتیب کا کام شروع ہوا تو اس کی ترتیب سے لیکر نظر ثانی تک تمام مراحل میں آپ نے بنفس نفیس خود بھی حصہ لیا اور دوسرے شریک کار علماء کی رہنمائی بھی فرمائی، اور اس غرض سے آپ کئی ماہ تک خانقاہ رحمانیہ مونگیر میں قیام پذیر رہے، ندوۃ العلماء کے جشن زریں کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کی ترتیب کیلئے اکابر ندوہ نے آپ ہی کا انتخاب کیا اور اسی غرض سے کئی ماہ تک آپ لکھنؤ میں قیام پذیر بھی رہے۔

☆فقہ اکیڈمی کو بھی روز اول ہی سے آپ کی رہنمائی حاصل رہی اور علالت کے باوجود آپ عہدہ صدارت کی ذمہ داریاں آخر تک سنبھالتے

ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے،دوسال پہلے جب جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ میں فقہ اکیڈمی کا سیمینار ہواتو آپ دارالعلوم سے سبکدوش ہوکر وطن تشریف لے جاچکے تھے مگر سیمینار میں شرکت کیلئے بطور خاص ہانسوٹ تشریف لائے اور آخر میں خطاب بھی فرمایا،جو حضرات وہاں موجود تھے سب کو احساس تھا کہ یہ الوداعی خطاب ہے اور شاید اب یہ چراغ سحر بجھنے ہی والاہے،آپ کا درد مندانہ لہجہ اور قیمتی نصیحتیں اب بھی کانوں میں گونج رہی ہیں،ایک مسافر جو منزل کے قریب پہنچ چکاتھا اپنے پیچھے آنے والوں کو بہ زبان حال راستے کے نشیب وفراز سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بھی بتا رہاتھا کہ میں تو اب کچھ عرصہ کا مہمان ہوں مگر میں نے جو علمی راستہ طے کیا ہے تم لوگ اس سے انحراف نہ کرنا۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

☆اپنی سادگی اور درویشانہ زندگی کے باوجود حضرت مفتی صاحب علمی خدمات کے تمام شعبوں میں انتہائی اہم مقام کے حامل نظر آتے ہیں،علوم کی رسمی تکمیل کے بعد جہاں آپ تدریس کے میدان میں نمایاں دیکھائی دیتے ہیں وہیں تصنیف وتالیف کے شعبے میں بھی بلند مرتبت ہیں،تصنیفات بھی متنوع ہیں جن میں ایک خاص فکری ربط پایا جاتا ہے،اسلامی احکام کی آپ اس طرح ترجمانی کرتے ہیں کہ متعلقہ موضوع میں جو اصولی

ہدایات ہیں اور ان سے جو نظام تشکیل پاتاہے وہ سب بخوبی واضح ہوجائے، علمی خدمات میں فقہ وفتاویٰ کا موضوع سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس کا حق اسی وقت ادا ہوتا ہے جب انسان خون جگر جلانے اور راتوں کی نیند قربان کردینے کا حوصلہ رکھتا ہو، حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی کردیکھایا اور اتنا ہی نہیں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس مقام تک پہونچے کہ دارالعلوم کے صدر مفتی مقرر ہوئے۔

ایک عظیم اسلامی مفکر

☆ان کی تصانیف انہیں اسلامی مفکر بھی ثابت کرتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان کے پاس کوئی ایساحلقہ نہ تھاجورات دن آپ کی مفکرانہ عظمت کی قصیدہ خوانی کرتا اور اس طرح وہ دور حاضر کے اسلامی مفکر تسلیم کرلئے جاتے تاہم علم کے ایسے بے لوث خدمت کرنے والوں کی عظمت کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ تو اپنا ڈھنڈورہ نہیں پیٹتے مگر قدرت خود دنیا والوں کو ان کی عظمت کے تسلیم کرنے پر مجبور کردیتی ہے، حضرت مفتی صاحب کے حالات زندگی اسی محور پر گردش کرتے نظر آتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی مصروفیات ایسی رہیں کہ عام طور سے لوگ اس امر سے ناواقف ہیں کہ سلوک وتزکیہ یعنی احسان اور تصوف کے مقامات بھی آپ طے کر چکے تھے، چنانچہ سب سے پہلے آپ شیخ الاسلام حضرت

مدنیؒ سے وابستہ ہوئے اور حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیب نوراللہ مرقدہ سے بیعت کی،اور حضرت قاری صاحبؒ سے ہی آپ کو اجازت بیعت بھی حاصل ہوئی لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی مصروفیات میں پیری مریدی کے مشغلہ کا اضافہ نہیں کیا،اس سے بھی ان کے مزاج کی سادگی اور استغناء کا اندازہ کیاجاسکتاہے۔

فکری اعتدال

مفتی صاحب کے مزاج میں جو اعتدال تھا وہ بھی انہیں بہتوں سے ممتاز کرتاہے،ان کی مرنجا مرنج شخصیت تھی جس نے انہیں اس طوفان میں بہنے سے محفوظ رکھا جودارالعلوم کی تاریخ کا ایک اندوہناک سانحہ ہے باوجود یہ کہ حضرت قاری صاحبؒ سے منسلک تھے اور اسے آپ نے چھپایا بھی نہیں اس کے باوجود دونوں جانب کے اکابر سے آپ کے تعلقات خوشگوار رہے،اور آپ پورے علمی وقار کے ساتھ اپنے علمی مشاغل میں مصروف رہ کر اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے،اور اسی ماحول میں منصب افتاء پر آپ کی تقرری ہوئی اور اس کے بعد ہی آپ صدر شعبہ بھی مقرر کئے گئے اور جب سبکدوش ہوئے تو مکمل احترام اور وقار کے ماحول میں اپنی پیرانہ سالی کے عوارض کی وجہ سے خود سبکدوشی لی،مفتی صاحب کی زندگی کا یہ دور بعد والوں کیلئے عملی سبق ہے۔

☆حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ کی تعداد بظاہر مختصر ہے،مگر جوہے ان میں بڑی تعدادا یسے اہل علم کی ہے جو پورے انہاک کے ساتھ علمی خدمات میں مصروف ہیں،چنانچہ دارالعلوم ندوۃالعلماء کے موجودہ مہتمم اور البعث الاسلامی کے مدیر حضرت مولانا سعیدالرحمن اعظمی صاحب حضرت مفتی صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں،تو دارالعلوم کے دارالافتاء میں داخل ہوکر آپ سے استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے،جس نے دارالافتاء میں تقرری کے بعد آپ کے سامنے زانوئے تلمیذ تہہ کیا اور آپ سے فتاویٰ نویسی کی باب میں بقدر حوصلہ استفادہ بھی کیا اور ان تلامذہ میں ایک کثیر تعداد ایسے علماء کی ہے جو مختلف مقامات پر علمی وفقہی خدمات کی ادئیگی میں مصروف ہیں اور جہاں ہیں ممتاز مقام کے حامل ہیں،اگر یہ سب پورے انہاک اور خلوص کے ساتھ اپنے علمی سفر میں گامزن ہیں اور ملت نے ان کی قدر شناسی کی تو امید ہے کہ ہم قحط الرجال کے اندیشے سے محفوظ رہیں گے،کیونکہ ان نوجوان علماء میں ایسے قیمتی ہیرے بھی پائے جاتے ہیں جومناسب ماحول ملنے کی صورت میں اسلاف اور اکابر کی جانشینی کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں،اللہ کرے ہماری یہ متاع گراں مایہ حالات کے تھپیڑوں میں گم ہوکر نہ رہ جائے۔

☆مفتی صاحب کے پسماندگان سے مجھے ذاتی واقفیت تو نہیں ہے لیکن غائبانہ اتنا معلوم ہے کہ صاحبزادگان میں سے بڑے صاحبزادے احمد

سجاد صاحب وطن مالوف ہی میں شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں،دوسرے صاحبزادے ابوبکر عباد دہلی یونیورسیٹی میں شعبۂ اردو کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، جب کہ تیسرے صاحبزادے حماد صاحب بھی تعلیمی شعبہ سے وابستہ اور رانچی کے کسی مدرسہ میں استاذ ہیں،یہ سب دینی علوم کے سند یافتہ بھی ہیں بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ حضرات جہاں بھی ہیں حضرت مفتی صاحب کی زندگی کے تابندہ نقوش کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے علمی میدانوں میں کامیاب ثابت ہونگے اور ان روایات کو بھی زندہ رکھیں گے جو ہمارے اکابر کا امتیاز ہیں اور جن کی پیروی نے حضرت مفتی صاحب کو وہ علمی وقار عطاکیا کہ جو لوگ مفتی صاحب سے واقفیت رکھتے ہیں ان میں سے بہتوں کو یہ حسرت ہوگی کہ کاش ہمیں بھی یہ علمی اور عملی بلندیاں نصیب ہوں،اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کے درجات کو بلند سے بلند تر کرے اور ان کے ذکر جمیل کو بعد والوں کیلئے درس عمل بنائے۔

ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ایک مثالی شخصیت

حضرت مولانا مفتی عبداللہ المظاہری دامت برکاتہم

بانی وناظم جامعہ ظہر سعادت،ہانسوٹ، بھروچ، گجرات

حضرت مولانامفتی ظفیرالدین صاحب مفتاحیؒ ملک کے

ناموراور ممتازعالم دین تھے، جنھوں نے خاموشی اورسادگی کے ساتھ رجال سازی

اور مردم گری کازریں کارنامہ انجام دیا،درس وتدریس کے ساتھ قرطاس وقلم سے بھی

زندگی بھررشتہ رہا،اورمتعدد گراں قدرعلمی وتحقیقی کتابیں آپ کے قلم سے منصۂ

شہود پرآئیں،اسلوب نگارش اس قدر سلیس اور عمدہ تھاکہ علامہ سید سلیمان ندوی

ؒمولانامناظر احسن گیلانی، مولاناعبدالماجد دریاآبادی، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ اور

مولاناسیدابوالحسن علی ندویؒ جیسے مشاہیر اہل قلم نے آپ کے طرز تحریر کی ستائش کی۔ ملی

کاموں میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہے، جنگ آزادی جب آخری مرحلے پر تھی،اس وقت

آپ نے انگریزوں کے خلاف زبردست مورچہ کھول رکھاتھا،صف اول کے طلبہ لیڈران

میں شامل تھے، چنانچہ انگریزوں نے اس وقت آپ کے خلاف بھی گرفتاری کاوارنٹ

جاری کرر کھا تھا، لیکن آپ انگریزوں کے ہاتھ نہیں لگے، آزادی کے بعد بھی ملی ذمہ داریاں نبھاتے رہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن تاسیسی اور کئی ملی و دینی تحریکوں کے قائدین میں شامل تھے۔

علم و فضل کی گہرائی و گیرائی کے ساتھ سادگی اور تواضع نے محبوبیت کے خاص مقام پر پہنچادیا تھا، ہمیشہ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں آگے بڑھانے کا کام کرتے تھے، اس طرح افراد سازی کا قابل قدر کارنامہ انجام دیا، ہمارے مدارس اور دینی جامعات سے آہستہ آہستہ اس وصف کے حامل افراد اٹھتے جارہے ہیں، مقررہ نصاب پڑھا کر بڑی بڑی سندیں دیئے جانے کو ہی کامیابی کا معیار سمجھا جانے لگا ہے، لیکن پوری دلسوزی کے ساتھ تعلیم و تربیت اور شخصیت پر توجہ نہیں دی جاتی ہے، اس لیے معاشرہ میں یہ اپنا وہ کردار نہیں ادا کر پائے جس کے حوالہ سے ہمارے اکابر کی شخصیات نمایاں تھیں۔

جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ کو حضرت مفتی ظفیرالدین صاحبؒ کی قدم رنجائی کی سعادت حاصل ہے، دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ میں منعقد ساتویں فقہی سیمینار میں شرکت کے بعد فقیہ النفس حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ کے ہمراہ آپ بھی جامعہ ہانسوٹ تشریف لائے تھے، یہاں ایک دوروز قیام فرمایا، یہاں کی

تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں کا قریب سے مشاہدہ کرنے کے بعد حوصلہ افزائی کے کلمات اور دعاؤں سے نوازا،اس کے علاوہ بھی کئی مقامات پر مفتی صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوا،ہر مرتبہ انہیں مجسم اخلاق اور مشفق ومربی پایا۔

ضرورت تھی کہ ایسی مغتنم شخصیات کے تذکرے اور کارنامے محفوظ کر دیئے جائیں تاکہ موجودہ اورآئندہ نسل اس سے روشنی حاصل کرتی رہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ممتاز صاحب قلم اور صاحب نظر عالم دین جناب مولانا اختر امام عادل ایک خصوصی مجلہ شائع کررہے ہیں،جو مفتی صاحب مرحومؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو محیط ہوگا،انشاء اللہ، مولانا کی یہ کوشش انتہائی قابل قدر ہے،انہوں نے رفتگان کے نام نیک کو باقی رکھنے کی کوشش کرکے خود اپنے لئے بقا کا سامان کرلیا ہے۔

؎ نام نیک رفتگاں ضائع مکن = تا بماند نام نیکت برقرار

میں اس کاوش پر مولانا کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعاگوں ہوں کہ اللہ پاک حضرت مفتیؒ صاحب کو غریق رحمت کریں،ان کے حسنات کو قبول فرمائیں اور نسل نو ان کی زندگیوں سے روشنی حاصل کرتی رہے۔ آمین۔

وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے

جناب مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ صاحب قاسمی
نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

میں یہاں کیوں آیا ہوں؟صرف اسلئے کہ آپ لوگوں سے اپنی مغفرت کے لئے کہوں،اللہ مجھے معاف کردیگا،نا،میرے اتنے شاگرد ہیں،سب دعا کریں گے تو ضرور مغفرت ہوگی، المعہدالعالی ہال میں اپنی آخری تقریر میں آخری سفر امارت کے موقع پر حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں یہ بات کہی۔ہم لوگ انہیں تدریب افتاء وقضاء کے طلبہ کے سامنے محاضرہ کے لئے لے گئے تھے،لیکن وہ مسلسل انہیں جملوں کا تکرار کر رہے تھے،ہم نے لڑکوں کو سوال کے لئے ابھارا،تاکہ سوال کرنے پر ان کی توجہ دوسری طرف ہو جائے،ایک لڑکے نے سوال کیا،آپ نے جدوجہد آزادی میں حصہ لیا تھا،کچھ اس کے بارے میں بتائیں،کہنے لگے اس سے تمہاری عاقبت کا کیا تعلق ہے؟آخرت،مغفرت،فکر عاقبت یہ وہ خیالات تھے جو ان کے ذہن ودماغ پر آخری مہ وسال میں چھائے ہوئے تھے،ان کی ساری خدمات کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کردیں تو یہ

خیالات بجائے خود مغفرت کے لئے کافی ہیں، مالک کائنات بنیوں کے انداز میں حساب کچھ تھوڑے ہی کرتا ہے اس کو مغفرت کیلئے ایک بہانہ چاہئے،اور جب دل ودماغ،خیال وادراک،ذوق ووجدان پر فکر آخرت غالب آجائے تو یہ مغفرت کے لئے قوی بہانہ بن جا تاہے اور حضرت مفتی صاحب کا تو بار گاہ خداوندی میں لمحہ لمحہ وقف رہاتھا اورانہوں نے زندگی کے زیادہ تر ایام اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں صرف کیے تھے۔

مولانا مرحوم بڑے عالم دین،نامورفقیہ، عظیم مفتی،اچھے استاذ، شفیق ومہربان مربی اور بہترین مشیر تھے، ان کی اصابت رائے،دور رس اور دور بین نگاہ،استحضار علم،تواضع، انکساری اورمرنجا مرنج شخصیت کا سبھی لوہا مانتے تھے،وہ تقریر کے بہت آدمی نہیں تھے،لیکن ان کی گرمی تحریر اور اثر آفرینی کے سبھی قائل تھے،اسلامی تشخص اور تہذیب وثقافت ان کا دوسرا موضوع تھا،اسلام کانظام عفت وعصمت،اسلام کا نظام مساجد،اسلام کا نظام امن،اسلامی حکومت کے نقش ونگار،تذکرۂ مولانا عبدالرشید رانی ساگری،امارت شرعیہ دینی جدوجہدکا روشن باب،حکیم الاسلام اور ان کی مجالس،مشاہیر علماء دیوبند،اسلامی نظام معشیت،تاریخ المساجد،اسوۂ حسنہ،مصائب سرکار دو عالم،زندگی کا علمی سفر نامہ،جزا وسزاقرآن وحدیث کی روشنی میں،حیات گیلانیؒ،دارالعلوم کے سو سال،اکابر کی علمی مراسلت،تذکرۂ مولانا عبدالطیف نعمانی ان کی مقبول

ومعروف کتابیں ہیں، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، مولانا علی میاں ندویؒ ان کی تحریروں کے بڑے مداح اور قدر داں تھے، آخری دنوں میں ان کے گھر پر عیادت کے لئے گیا تو فرمانے لگے دعا کرو اب اللہ تعالیٰ اٹھالے، آنکھ سے دیکھ نہیں سکتا، ہاتھ سے قلم نہیں پکڑ سکتا، توزندگی کا کیا فائدہ ہے؟ دیر تک پرانی یادیں تازہ کرتے رہے، حضرت مولانامفتی ظفیرالدین صاحبؒ مفتاحی کی پیدائش ۱۹۲۶ء میں دربھنگہ شہر سے متصل پورہ نوڈیہا گاؤں میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد مدرسہ محمدیہ راج پور ترائی نیپال اور مدرسہ وارث العلوم نیا بازار چھپرہ آگے کی تعلیم کے لئے تشریف لے گئے، اعلیٰ تعلیم کے لئے انہوں نے مدرسہ مفتاح العلوم مؤ میں داخلہ لیا اور فراغت وہیں سے حاصل کی، مفتاح العلوم سے ان کی محبت اس قدر تھی کی مفتاحی ان کے نام کا جزو بن گیاتھا، انہوں نے مولانا حبیب الرحمن اعظمی اور مولانا عبدالطیف نعمانی سے کسب فیض کیا، یہ حضرات ان کے تقویٰ وطہارت کے ساتھ انکے علم پر بھی اعتماد کرتے تھے۔ اسی بنیاد پر مفتاح العلوم میں کچھ دن مدرس بھی رہے، انہوں نے درس وتدریس کا کام نگرام لکھنؤ، دارالعلوم معینیہ سانحہ (بیگوسرائے) میں بھی انجام دیا، امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی تحریک پر انہوں نے جامعہ رحمانی کی ایک کانفرنس میں اپنا مقالہ پیش کیا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب

صاحب ؒ نے اسے پسند کیا اور یہی سبب ان کے دارالعلوم دیوبند جانے کا بنا۔ جشن زرین دارالعلوم ندوۃ العلماء کے موقع سے علمی نمائش کی ترتیب کے لئے حضرت مولانا علی میاں ؒ نے ان کا انتخاب کیا، مجموعۂ قوانین اسلامی کی ترتیب میں امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی نے ان سے کام لیا، حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب ؒ کے انتقال کے بعد اسلامک فقہ اکیڈمی کی صدارت انہیں تفویض کی گئی وہ ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ سے منسلک ہوئے، اور دارالعلوم کے عظیم کتب خانے کو لائبریری کے اصول کے مطابق مرتب کیا، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی بارہ جلدوں کی ترتیب، ماخذاور حوا لہ کا اندراج ان کے زریں کار نامے ہیں، ۳۸۹۱ سے ۸۰۰۲ء تک دارالعلوم کے شعبۂ دارالافتاء میں فتاویٰ نویسی اور تدریس سے وابستہ رہے، ۱۹۸۳ء میں راقم الحروف نے ان سے تمرین افتاء کے ساتھ در مختار کا درس بھی لیا۔

انقلاب دارالعلوم دیوبند کے بعد جو یلغار ان کے کمرے پر ہوئی اس میں بہت سارے ان کے مسودات اور اعلیٰ نوادرات ضائع ہو گئے، ایک دوروز کے بعد میں نے بہت سارے اوراق اور مطبوعہ کتابوں کی پلیٹیں مختلف لوگوں کے پاس سے جمع کرکے اہتمام کے حوالہ کیا، لیکن تاریخ کا بڑا المیہ ہے کہ وہ مسودات ان کو نہ مل سکے، ان مسودات میں ان کی تفصیلی

آپ بیتی اکابر کے خطوط وغیرہ تھے،اس علمی ضیاع نے ان کو اندر سے توڑ کرر کھ دیا۔

حضرت مفتی صاحب نے میری تین کتابوں پر پیش لفظ اور مقدمات لکھے،نئے مسائل کے شرعی احکام پر ان کا مقدمہ بڑا وقیع ہے،یادوں کے چراغ اور نقد معتبر پر بھی ان کے کلمات ہمارے لئے حوصلہ افزائی کا باعث بنے،ان کی طویل علمی خدمات کا زبانی اعتراف تو سبھی نے کیا،لیکن اعتراف کا ایوارڈ صرف مولانا محمد رضوان القاسمیؒ نے دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں پیش کیا،انہیں امارت شرعیہ اور اکابر امارت شرعیہ سے خصوصی تعلق تھا،وہ پوری زندگی امارت شرعیہ کی مجلس شوریٰ،ارباب حل وعقد کے رکن رہے،صحت جب تک رہی پابندی سے مجلسوں میں شریک ہوتے رہے،حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب اور انکے دوطرفہ تعلقات آپ سے اکرام واحترام،محبت واعتماد پر قائم تھا، ناظم امارت شرعیہ مولانا انیس الرحمن صاحب قاسمی سے استادی اور شاگردی کا تعلق تھا۔حضرت ناظم صاحب بھی اسے برتا کرتے تھے، مولانا مفتی ظفیرالدین مفتاحی صاحبؒ کی عقیدت کا بڑامرکز حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی نائب امیر شریعت کی ذات گرامی تھی وہ انہیں اپنی کبر سنی کے باوجود (پیرجی) کہاکرتے تھے اور نائب امیر شریعت بھی ان کا غیر معمولی احترام کرتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں ان کے یار غاراور ہم دم وہم نشیں
حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ کی ذات گرامی تھی،دونوں میں اس قدر یارانہ تھا
کہ آج کے دور میں اس کی مثال نہیں ملتی،علامہ بہاریؒ کے انتقال کے بعد وہ
مزید بجھ گئے تھے،اب ان کا راز داں دارالعلوم میں کوئی نہ تھا،ادہر علالت کا
سلسلہ جاری تھا،مولانا کے صاحب زادے احمد سجادنے دباؤ دیاکہ آپ دارالعلوم
سے استعفی دے کر گھر تشریف لائیں،ہم لوگ آپ کی خدمت کریں
گے۔چنانچہ بادل ناخواستہ مستعفی ہو کروطن مالوف پورہ نوڈیہا تشریف
لائے،دوسال سے زائد زندہ رہے اور صاحب فراش رہے۔
بالآخر ۲۵/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق۳۱/مارچ ۲۰۱۱ء بروز
جمعرات بوقت ۳ بجے شام پچاسی سال کی عمر میں روح قفس عنصری سے پرواز
کرگئی،پورے ہندستان میں بڑے پیمانے پر اسے علمی خسارہ ماناگیا،اور موت العالم
کا صحیح مصداق قرار پایا۔جنازہ کی نماز ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ کو نو بجے دن میں
جمعہ سے قبل ہوئی،دفتر امارت شرعیہ سے ایک وفد ناظم امارت شرعیہ مولانا
انیس الرحمن صاحب کی قیادت میں (جس میں امارت کے ذمہ داران اور
المعہدالعالی کے طلبہ بھی تھے)تجہیز وتکفین میں شرکت کی۔جنازہ ان کے عزیز
اور خاص تربیت یافتہ مولانا سعود عالم قاسمی سابق صدر شعبہ دینیات مسلم
یونیورسیٹی علی گڑھ نے پڑھائی اور ہزاروں سو گواروں کی موجودگی میں مدرسہ

شمس العلوم پورہ نوڈیہا کے احاطہ میں اس قیمتی خزینے کو دفینہ بنادیا گیا،پسماندگان میں تین لڑکے مولانا احمد سجاد قاسمی،مولانا حماد قاسمی،اور ڈاکٹر ابوبکر عباد وغیرہ ہیں،اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے(آمین) سدا رہے اللہ کا نام☆☆☆

اس کی امیدیں قلیل،اس کے مقاصد جلیل

جناب مولانانورالحق رحمانی صاحب
استاذ المعہدالعالی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

جنہیں دنیا مولانا مفتی ظفیرالدین صاحب مفتاحی کے نام سے جانتی ہے بڑی حد تک وہ علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق تھے،لیکن ان کی سادگی وبے نفسی، ظاہری وضع قطع،تواضع و انکساری،تکلف وتصنع سے دوری اور مرنجا مرنج طبیعت کو دیکھ کر شاید ہی کوئی اندازہ کرسکتا تھاکہ یہ وہی اسلامی اسکالر،بلند پایہ فقیہ ومفتی صاحب طرز انشاء پرداز،درجنوں اہم کتابوں کے مصنف اور بین الاقوامی شہرت کے حامل عالم دین مفتی ظفیرالدین مفتاحی ہیں،اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کی عظمت کاراز ان کی یہی سادگی اور خاک ساری تھی،جس نے انہیں اس عظیم مقام پر پہونچایاکہ وہ ازہرالہند کے مفتی اعظم واستاذ افتاء،امارت شرعیہ کی مجلس شوریٰ اور مجلس ارباب حل وعقد کے رکن رکین،اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیاکے صدر اور آل انڈیامسلم پرسنل لاء کے رکن تاسیسی جیسے اہم مناصب پر فائزہوئے۔

اللہ کے جو نیک بندے ایمانی صفات سے آراستہ،اللہ کی

معرفت سے سرشار، دنیا کی حقارت و بے ثباتی وناپائداری سے آشنا، آخرت کے دائمی فوزو فلاح کے لئے سر گرداں، دین حق کی حقانیت وصداقت کو اقوام عالم پر واضح کرنے اور انسانیت کی کشتی کو ساحل نجات تک پہونچانے کے لئے ہمیشہ فکر منداور کوشاں رہتے ہیں، ان کا یہی حال ہوتاہے، ہمارے اسلاف کرام کی پاکیزہ زندگی اسی سادگی، اولوالعزمی اور تبحر علمی سے عبارت تھی، ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ سلف صالحین کی خصوصیات اور پاکیزہ روایات کے وارث اور ان کے علوم وفنون اور درد مندی وفکر مندی کے امین تھے، علمائے حق کی زندگی تعیش وتنعم سے کوسوں دور ہوتی ہے، زہدوقناعت اور استغناء عن الخلق ان کا شعار ہوتاہے،، دنیا کی ظاہری چمک دمک ان کی نگاہوں کو خیرہ نہیں کرتی، حضرت مفتی صاحبؒ کو جن لوگوں نے قریب سے دیکھا ہے وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ وہ بقیۃ السلف کہلانے کے مستحق تھے، (ولاازکی علی اللہ احدا) انہوں نے پوری زندگی (جوپچاسی سال پر پھیلی ہوئی ہے) دین کی خدمت، شرعی علوم کی نشرواشاعت، نئی نسل کی تعلیم وتربیت، فتوی نویسی اور تصنیف وتالیف میں گزاری، پچاس سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں اور ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ اپنے علم وعمل اور زبان وقلم سے اسلام کی بھر پور ترجمانی کا اہم فریضہ انجام دیا، اور اپنی مخلصانہ خدمات کاصلہ پانے کے لئے ۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ کو اپنے خالق ومالک سے جاملے۔ رحمہٗ اللہ رحمۃ واسعہ وادخلہ

فسیح جنابہ۔

حضرت مفتی صاحب کی عظمت کا راز کیا ہے؟ان کی شخصیت اور خدمات کے نمایاں پہلو کیا کیا ہیں؟ان کی شخصیت کی تعمیر میں کیا اسباب وعوامل کار فرماتھے،انہوں نے اپنے وقت کا استعمال کس طرح کیا؟اور پوری امت اور انسانیت کے لئے کیا تحفہ اور سرمایہ چھوڑگئے،اور ان کے تئیں ان کے شاگردوں،عقیدت مندوں،اور پس ماندگان کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟اس مضمون میں اس پہلو پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انسانی شخصیت کی تعمیر وترقی میں جوعوامل کار فرماہوتے ہیں ان میں والدین،خاندان،تعلیمی ادارے،اساتذہ ومربین اور پھر تعلیمی مراحل سے فراغت کے بعد میدان کاراور راہ عمل کے انتخاب کا بڑادخل ہوتاہے۔

خاندان ووطن

حضرت مفتی صاحب کا تعلق صوبۂ بہار کے ایک مردم خیز ضلع دربھنگہ سے ہے،دربھنگہ شہر سے پانچ کیلو میٹر کے فاصلے پر جہت مشرق میں واقع ایک گاؤں پورہ نوڈیہاکو آپ کے مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہے،آپ کی نسبت شیخ صدیقی گھرانے سے ہے،جو ماشاء اللہ ایک علمی ودینی گھرانہ ہے،امارت شرعیہ کے پانچویں امیر شریعت حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ اسی خاندان کے گل سرسبد ہیں،جو بہار کے ایک جلیل القدر عالم دین

اور صاحب نسبت بزرگ تھے،وہ مفسر قرآن حضرت مولاناریاض احمد صاحبؒ کے شاگرد رشید اور خلیفۂ مجاز تھے،حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ سابق نائب امیر شریعت کے وصال کے بعد حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے علمائے کرام کے مشورہ سے انہیں نائب امیر شریعت نامزد فرمایا،پھر ان کے وصال کے بعد باتفاق رائے انہیں پانچواں امیر شریعت منتخب کیا گیااور تقریباًسات برسوں تک وہ اس باوقار منصب پر فائز رہ کر خاموشی کے ساتھ قوم وملت کی گراں قدر خدمت انجام دی،اتنے بڑے عالم دین کا ہونا بھی کسی خاندان کی سعادت ونیک نامی کے لئے کافی ہے،حضرت امیر شریعت خاص مفتی صاحب کے چچازاد بھائی اور بہنوئی تھے،اور خاص استاذ ومربی بھی،ان کی شخصیت کے فروغ میں ان کا بڑادخل ہے۔

تعلیمی ادارے

حضرت مفتی صاحبؒ کے والد بزرگوار جناب شمس الدین صاحب مرحوم شروع سے انکی تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کیا،ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر اور گاؤں میں ہوئی،آگے تعلیم کے لئے اپنے چچازاد بھائی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ کے ہمراہ مدرسہ محمودیہ راج پور نیپال تشریف لے گئے،پھر اس کے بعد حضرت امیر شریعت خامس نے اپنے شیخ حضرت مولانا ریاض احمدصاحب کے مشورہ سے مدرسہ وارث العلوم چھپرہ منتقل ہونے کا

فیصلہ فرمایا تو اپنے ساتھ مفتی صاحب کو بھی وہاں لے گئے اور کئی برسوں تک وہاں زیر تعلیم رہے اور اپنے برادر بزرگ کی صحبت اور تربیت سے پوری طرح مستفیض ہوتے رہے، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ کا اپنے وقت کے اولیاء اللہ اور اکابر علماء سے گہرا تعلق تھا، چنانچہ انہوں نے محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رحمہم اللہ سے مشورہ کرکے اعلی تعلیم کے لئے انہیں جامعہ مفتاح العلوم مئو بھیج دیا، جہاں حضرت محدث اعظمی اور مولانا عبداللطیف نعمانی، حضرت مولانا محمد ایوب شیخ الحدیث، حضرت مولانا عبد الجبار اعظمی سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد، حضرت مولانا مفتی عبدالباری رحمہم اللہ جیسے نامور علماء واساتذہ اور محدثین تدریسی خدمات پر مامور تھے، جامعہ کی اس علمی ودینی فضااور حضرت محدث اعظمی جیسے محدث ومصنف کی سر پر سرپرستی میں چار سال تک رہ کر ۱۹۴۴ء میں سند فضیلت حاصل کی اور دینی علوم میں مہارت کے علاوہ تصنیف وتالیف کاعمدہ اور پاکیزہ شوق بھی سیکھا۔

فراغت کے بعد عملی زندگی کا آغاز

حضرت مولاناحبیب الرحمن اعظمیؒ کی جوہر شناس نگاہوں نے اپنے ہونہار شاگرد کی علمی لیاقت وصلاحیت کو بھانپ لیا اور پھر معین مدرس کی حیثیت سے جامعہ مفتاح العلوم میں ان کا تقرر فرمالیا، اس طرح انہیں وہاں

تدریس کے ساتھ اپنے اکابر اساتذہ سے استفادہ کا پھر کئی سال موقع مل گیا،اس زمانے میں جن حضرات نے مفتی صاحب سے پڑھا ہے ان میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی ایڈیٹر البعث الاسلامی لکھنؤ کا ہے،اس طرح حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی علمی اور تدریسی زندگی کا آغاز اپنی مادر علمی جامعہ مفتاح العلوم ہی سے کیا جو کسی عالم دین کیلئے بڑی سعادت کی بات ہے،پھر کچھ عرصہ مدرسہ معدن العلوم نگرام لکھنؤ میں بھی تدریسی خدمت انجام دی،اسی طرح ایک سال جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں بھی مدرس رہے،تدریس کے سلسلے میں ان کازیادہ وقت دارالعلوم معینیہ سانحہ میں گذرا جو اس وقت ضلع مونگیر میں شامل تھا،حضرت مولانا یحیٰ ندوی مدظلہ داماد حضرت مولانا لطف اللہ رحمانی سابق سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر اسی گاؤں کے مشہور محقق اور عالم دین ہیں،یہ معزز،دیندار اور تعلیم یافتہ گھرانہ ہے،اس خاندان کے افراد میں بہت سے علماء وفضلاء اور عصری تعلیم یافتہ لوگ ہیں،کچھ سرکاری ملازمتوں میں بھی ہیں اور کچھ سیاست میں بھی ہیں،جیسے عبدالباری صدیقی اور ان کے چچا وغیرہ۔

اعلی تعلیم کے لئے مفتاح العلوم مئویوپی کا سفر

حضرت مفتی صاحبؒ نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم اپنے صوبہ میں اور خاندان کے بزرگوں کی سرپرستی میں رہ کر حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم کے

لئے مفتاح العلوم مئو کا انتخاب فرمایاجو اس وقت محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی ؒکی سرپرستی میں چل رہاتھاجو علم حدیث کے بڑے اسکالراور اس میدان میں اپنی مثالی خدمات کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں، اس کے علاوہ دیگر شرعی علوم پر بھی ان کی بیش قیمت کتابیں ہیں،ان کے علاوہ حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی،حضرت مولانامحمد ایوب اعظمی والد بزرگوار حضرت مولاناسعید الرحمن اعظمی ندوی اڈیٹر البعث الاسلامی لکھنؤ،حضرت مولانا عبدالجبار اعظمی سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد،حضرت مولانا شمس الدین صاحب حضرت مولانا مفتی عبدالباری رحمہم اللہ وغیرہ جیسے نامور علماء ومحدثین تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے،جامعہ کی اس علمی ودینی فضاء میں اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب جیسے محدث ومصنف کی سرپرستی میں چارسال استفادہ کا موقع ملا،جہاں سے انہوں نے ۱۹۴۴ء میں فراغت حاصل کی اور دینی علوم میں مہارت کے علاوہ تصنیف وتالیف کا پاکیزہ ذوق بھی سیکھا،حضرت مولانا اعظمی کی جوہر شناس نگاہوں نے اپنے ہونہار شاگرد کی لیاقت کوبھانپ لیا اور پھر معین مدرس کی حیثیت سے جامعہ میں ان کا تقرر فرمالیا،اس طرح انہیں تدریس کے ساتھ اپنے اکابر اساتذہ سے استفادہ کا پھر کئی سال تک موقع مل گیا،اسی زمانہ میں حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب ندوی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کو ان سے

پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، عملی زندگی کا آغاز حضرت مفتی صاحب نے اپنی مادر علمی ہی سے کیا پھر کچھ عرصہ مدرسہ معدن العلوم نگرام لکھنؤ میں بھی درس تدریس کی خدمت انجام دی، اسی طرح ایک سال جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات میں بھی پڑھایا، لکھنے پڑھنے کا ذوق فطری تھا اسلئے اس دور کے ممتاز اہل قلم سے بھی گہرے روابط تھے مثلاً علامہ سید سلیمان ندوی ؒ، مولانا مناظر احسن گیلانی ؒ، مولانا عبدالماجد دریابادی ؒ وغیرہ، علامہ سید سلیمان ندوی کے ہی مشورہ سے انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی قیام فرمایا، حضرت علامہ ؒ کی رائے یہ تھی کہ اس طرح کچھ عرصہ وہاں رہنے سے لکھنے کا ذوق نکھر جائیگا، اپنی نجی مجلسوں میں وہ اس کا تذکرہ فرماتے تھے، تدریس کے سلسلے میں ان کا زیادہ وقت بیگوسرائے کے مدرسہ دارلعلوم معینیہ سانحہ میں گذرا جو اس وقت مونگیر ضلع میں تھا، مولانا یحییٰ ندوی اسی گاؤں کے مشہور عالم دین اور حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمانی ؒ سابق سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر کے داماد ہیں حضرت مفتی صاحب وہاں صدر مدرس کی حیثیت سے ۱۹۴۸ء میں بحال ہوئے ۱۹۵۶ء تک وابستہ رہے، وہاں تدریس و تعلیم کے علاوہ انہوں نے مضمون نگاری اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا اور کئی کتابیں وہیں رہ کر تصنیف فرمائیں، جن میں اسلام کا نظام مساجد، اسوۂ حسنہ (مصائب سرور کونین ﷺ) اسلام کا نظام عفت و عصمت وغیرہ جیسی اہم اور مقبول کتابیں

ہیں،تصنیف وتالیف کے سلسلے میں وہ اس وقت کے اکابر علماء اور نامور اہل قلم سے مربوط تھے،اور وقتاً فوقتاً ان سے مشورہ اور رہنمائی لیتے رہتے تھے اور جوکتاب لکھتے اسے ان حضرات کی خدمت میں بھیجتے اور یہ حضرات ان کی ہمت افزائی فرماتے اور کتاب کے سلسلے میں مشورہ دیتے اور وہ ان کے مشورہ کے مطابق ترمیم فرماتے۔

ازہر الہند دارالعلوم دیوبند میں

پھر وہ خوش قسمتی سے دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے جو بر صغیر کی سب سے قدیم مشہور یونیور سیٹی ہے،اور مختلف علوم وفنون کا گہوارہ ہے،یہاں بحالی کی تقریب یہ ہوئی کہ امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانی ؒ نے کتابوں کے لئے خانقاہ رحمانی میں مسجد سے قریب ایک بڑی عمارت بنوائی اور کتب خانہ کے افتتاح کے موقع پر ایک بڑااجلاس حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں منعقد کیا،جس میں قرب وجوار کے علماء بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئے،حضرت مفتی صاحبؒ تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں حضرت امیر شریعت رابع اور ان کی لائبیر یری میں وقتاًفوقتاًتشریف لاتے تھے،امیر شریعت کے حکم سے لائبیریری کے فوائد پر اس اجلاس میں ایک مقالہ پڑھا جو مواد اور زبان وقلم کے لحاظ سے معیاری تھا،حضرت قاری صاحب نے مقالہ کو بے حد پسند کیااور انہیں دارالعلوم

بلالیا،اوراس طرح وہ وہاں لکھنے پڑھنے اور لائبریری کے نظم ونسق کے کام پر (امین المکتبہ کی حیثیت سے)مامور ہوئے،ایک صاحب قلم اور خالص علمی ذوق رکھنے والے آدمی کو لائبریری مل جائے تو اس سے بڑی اس کی خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے،چنانچہ دارالعلوم کے وسیع مکتبہ سے زریں موقع ملا،جس نے ان کے علمی وفقہی اور تصنیفی ذوق کے لئے مہمیز کاکام کیا،اب کسی بھی موضوع پر لکھنے کے لئے انہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں تھی،سارے اہم مراجع ومصادر وہاں مہیا تھے،دارالعلوم کے قیام کا زمانہ چونکہ بہت طویل ہے جوتقریباً نصف صدی پر مشتمل ہے،اسلئے یہاں کام کے زیادہ مواقع ہاتھ آئے،یہاں فتاوی دارالعلوم دیوبند کی ترتیب وتدوین کااہم کام ان کے سپرد کیاگیا،جسے انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا،فتاوی کی بارہ جلدیں ان کی تحقیق وتحشیہ کے ساتھ پچیس تیس سال قبل شائع ہو چکی ہے،پھر وہاں مطالعہ علوم قرآنی کا شعبہ کھلا تو انہیں کو اس شعبہ کا ذمہ دار اور نگراں مقرر کیا گیا،اور ان کی تربیت سے اچھا لکھنے والوں کی ایک ٹیم تیار ہوگئی،جن حضرات نے اس شعبہ میں رہ کر مفتی صاحب سے استفادہ کیا،ان میں مولانا محمد ولی رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر،مولانا ریاست اللہ شیر کوٹی،مولانا محمد رضوان القاسمی مرحوم،مولانا عبد اللہ شکیل قاسمی،مولانا مزمل اور مولانا شاہین جمالی وغیرہ جیسے مشہور اصحاب علم وقلم ہیں،افسوس کہ یہ اہم شعبہ زیادہ دنوں جاری نہ رہ سکا،اگر وہ اسی

طرح آج تک کام کرتا رہتا تو نہ جانے کتنے اہل قلم تیار ہوتے رہتے۔
مولاناعبداللہ شکیل قاسمی جو مولانا محمد رضوان القاسمی کے
رفیق درس ہیں،ان کا سندی مقالہ میری نظر سے گذراہے جو"غیر مسلم قرآن کریم کی نظر میں" کے نام سے ہے اللہ کرے اس کی اشاعت کا معقول نظم ہوجائے،کہ یہ بہت اہم موضوع ہے اور اس موضوع پر زیادہ لکھا بھی نہیں گیاہے،ایسے باکمال افراد کو تیار کرنے اور ان کے تصنیفی ذوق کو پروان چڑھانے میں حضرت مفتی صاحب کی تربیت کا بڑادخل ہے اور یہ ان کی خدمات کا قیمتی حصہ ہے جس سے عام طور پر لوگ واقف نہیں ہیں،دارلعلوم کی لائبریری کو مرتب ومنظم کرنے میں بھی ان کا بڑاحصہ ہے،پھر لائبریری کی مخطوطات کی فہرست سازی کی اور ان کا تعارف مرتب فرمایاہے جو دو جلدوں میں شائع ہوچکا ہے،اسی بنا پر حضرت مولاناابوالحسن علی ندویؒ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے انہیں ندوۃالعلماء کے پچاسی سالہ جشن کی تیاری کے موقع پر بلایاتھااورانہوں نے اجلاس سے قبل وہاں کئی ماہ قیام کرکے وہاں کی لائیبریری کے مخطوطات کابھی تعارف تیار کیا اور علمی نمائش کے کام میں حصہ لیااور کئی مقالے بھی تحریر فرمائے تھے،میرا اس سال دارلعلوم دیوبند میں تخصص کا آخری سال تھا،اس موقع پر شوال میں ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شرکت کے لئے جو وفد دارالعلوم سے روانہ ہواتھا وہ حضرت مفتی صاحبؒ ہی کی قیادت میں تھا،اس

میں مولانا بدرالحسن قاسمی بھی تھے جو اس وقت حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی تسہیل وترتیب کاکام انجام دے رہے تھے،

اس زمانہ میں وہ رسالہ دارالعلوم جو اس کاعلمی ودینی ترجمان ہے اس کااداریہ بھی پابندی کے ساتھ لکھ رہے تھے اور یہ سلسلہ ۱۳۸۵ھ سے شروع ہوکر ۱۴۰۲ھ تک یعنی سترہ برسوں تک جاری رہا،اس سلسلے میں انہوں نے بہت سے سلگتے مسائل اور علمی ودینی،ملکی وملی مسائل پر جاندار تبصرے تحریر فرمائے،دیگر مقالات ومضامین اس کے علاوہ ہیں،ضرورت ہے کہ ان کے اداریوں کا انتخاب کتابوں کی شکل میں شائع کیا جائے،تاکہ اس دور کے مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کی جا سکے،کیوں کہ رسالوں میں شائع شدہ مضامین ومقالات مدفون ہوجاتے ہیں اور کم لوگ انہیں الٹ کر دیکھتے ہیں اور کتابی شکل میں شائع ہوجانے کے بعد منتشر چیزیں یکجا اور محفوظ ہوجاتی ہیں اور ان سے استفادہ آسان ہوجاتاہے۔

پھر دارالعلوم میں فتویٰ نویسی کی خدمت سپرد ہوئی تو محتاط اندازہ کے مطابق تقریباًپچاس ہزار فتاوی ان کے قلم سے صادر ہوئے،آخری دور میں افتاء کے طلبہ کو پڑھانے کاکام بھی ان کے سپرد ہوا،اور درمختار کادرس پابندی کے ساتھ دیتے رہے،جوطلبہ افتاء کی تربیت پاکر دارالعلوم سے فارغ ہوئے ہیں ان کی تربیت میں بھی حضرت مفتی صاحب ؒ کابڑادخل ہے، خصوصاً

فتوی نویسی اور مقالہ نگاری میں وہ خاص طور پر حضرت مفتی صاحب سے استفادہ کرتے تھے،اس طرح وہ ایک نسل کے استاذ ومربی اور معمار و محسن ہیں،اس عاجز نے بھی دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالب علمی میں مفتی صاحب سے مضمون نگاری کی مشق کی ہے اور کافی استفادہ کیا ہے۔

پھلواری شریف کے زمانۂ قیام میں متعدد بار دیوبند کا سفر ہوا اور حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی،مغرب کے بعد ان کی درس گاہ میں حاضری ہوتی تو دیکھاکہ افتاء کے طلبہ کسی فقہی موضوع پر مقالہ پڑھ رہے ہیں اور مفتی صاحب کی نگرانی میں سیمینار کررہے ہیں اور باہم مباحثہ ومناقشہ ہورہاہے،اس طرح طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور پروان چڑھانے میں ان کا اہم رول رہاہے۔

بہر حال حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی علمی ودینی خدمات کے مختلف پہلو ہیں،فقہ وفتاوی توان کا خاص موضوع ہی تھا،اس سلسلے میں ان کے قلم سے صادر ہونے والے فتاوے کی تعداد پچاس ہزار سے زائد ہے،جو دارالعلوم دیوبندمیں رہ کر انہوں نے تحریر فرمائے ہیں،امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا دارالافتاء حضرت امیر شریعت رابع رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں انہیں کی سرپرستی میں جامعہ رحمانی مونگیر میں کام کرتاتھا،ہم لوگوں کی طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مفتی صدر عالم صاحب جن کی فقہ وفتاوی پر بڑی وسیع

نظر تھی اور قاضی شریعت حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ انہیں صاحب رائے مفتی کہا کرتے تھے،وہاں منصب افتاء پر فائز تھے،اور ہم لوگوں نے ان سے اصول الشاشی اور سراجی پڑھی ہے،وہ اس وقت شروع میں وہاں پڑھاتے بھی تھے،میں مدرس ہوکر مونگیر آیاتو اس وقت بھی وہ وہاں مفتی تھے،اگر وہ گھر چلے جاتے یا طبیعت کی علالت کی بنا پر زیادہ عرصہ گھر رہ جاتے تو افتاء کی ڈاک کافی جمع ہوجاتی تو کبھی کبھی جامعہ رحمانی کے اساتذہ مولانا اکرام علی صاحبؒ،مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمیؒ،مولانا مصطفی صاحب مفتاحی اور مولانا صغیر احمد صاحب رحمانی وغیرہ ہاتھ بٹاتے اور فتاوی کا جواب لکھتے،اور اگر مفتی صاحبؒ تشریف لاتے تو حضرت امیر شریعتؒ موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ڈاک ان کے سپرد کر دیتے اور وہ دوتین ہی دن میں سب کونمٹادیتے،روز مرہ کے مسائل سے متعلق فتاوی کی عبارتیں انہیں زبانی یاد ہوگئی تھیں اور اکثر وہ کتاب کی مراجعت کے بغیر ہی یادداشت سے حوالے تحریر فرماتے،اسی طرح لکھنے کا اور کوئی کام ہوتاتو حضرت امیر شریعت ان کے سپرد فرمادیتے،مفتی صدرعالم صاحب کے علاحدہ ہوجانے کے بعد مفتی نعمت اللہ صاحب جو دارالعلوم سے افتاء کرچکے تھے انہیں اپنی سفارش پر مفتی صاحب نے ان کی جگہ پر بحال کیا،مونگیر میں میری بحالی بھی انہیں کی سفارش پر ہوئی،درمختار کا اردو ترجمہ بھی مفتی صاحب نے کیا ہے جو دیوبند کے کسی مکتبہ سے شائع ہوئی ہے،اس کے

علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی نگرانی میں احوال شخصیہ پر مجموعۂ قوانین اسلامی یا اسلامی قانون متعلق مسلم پرسنل لاء بورڈ کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے اس کی تیاری میں بھی حضرت مفتی صاحب کا بڑا حصہ رہا ہے، گو کہ اس میں دیگر علماء کی بھی شرکت رہی ہے۔

☆تاریخ وسوانح نگاری بھی ان کا خاص موضوع تھا اور اس سلسلہ میں ان کے قلم سے مولانا مناظر احسن گیلانی کی سوانح، مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ خلیفۂ اجل حضرت مونگیریؒ کی سوانح، مولانا عبد اللطیف نعمانی کی سوانح، اور تاریخ امارت پر "امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب" ان کی قیمتی کتابیں ہیں، ان کے علاوہ مختلف شخصیات پر جو مقالات ومضامین لکھے ہیں انہیں اگر یکجا کیا جائے تو اس کے کئی مجموعے تیار ہو جائیں گے۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جو حضرات فقہ وفتاوی سے تعلق رکھتے ہیں ان کی توجہات دیگر موضوعات کی طرف کم ہوتی ہے اور جو لوگ صحافت کے میدان میں قدم رکھتے ہیں وہ اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ کی جامعیت ہے کہ انہوں نے صحافت، سیاست، فقہ وفتای، تاریخ وسوانح اور اسلامی نظام زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا اور اسلام کو ایک کامل برتر اور جامع نظام زندگی کی حیثیت سے پیش فرمایا ہے۔

☆دینی موضوعات پر ان کی جو تصنیفات ہیں وہ خاص اہمیت کی حامل ہیں، بعض کتابوں کے متعدد اڈیشن ہند وپاک سے شائع ہوچکے ہیں، بعض کتابوں کے فارسی اور انگریزی وغیرہ میں ترجمے ہوکر مقبول ہو چکے ہیں، جن میں اسلام کا نظام مساجد، اسلام کا نظام امن، اسلام کانظام عفت وعصمت، اسلام کا نظام تربیت، اسلام کا نظام تعمیر سیرت، اسلام کا نظام معشیت، اسلامی زندگی کے آثار ونقوش خاص اہمیت کی حامل ہیں، جن سے اسلام کے عبادتی وروحانی نظام، اسلام کے معاشی نظام، اسلام کے اخلاقی نظام، اسلام کے تعلیمی وتربیتی نظام، اور اسلام کے سیاسی نظام پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان میں زبان وادب کی چاشنی بھی ہے، اور فکر ونظر کی گہرائی بھی۔

☆اسی طرح مفتی صاحب نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے ملفوظات کو"مجالس حکیم الاسلام"کے نام سے جمع فرمایاہے، حضرت مفتی صاحبؒ اپنے وقت کے نامور اہل قلم سے مربوط رہے ہیں، اور تصنیف وتالیف کے میدان میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں، اس سلسلے میں جن ارباب علم سے ان کی مراسلت ہوئی ہے اس کا مجموعہ انہوں نے "مشاہیر علماء کے علمی مراسلے"کے عنوان سے شائع کیاہے، جنگ آزادی میں بھی اپنے اکابر علماء کے ساتھ وہ شریک رہے ہیں، اور اپنی مجلسوں میں وقتاً فوقتاًان کا تذکرہ بھی کرتے تھے، اس سلسلے میں "جنگ آزادی کا یاد گار

سفر“ان کی قیمتی اور یادگار کتاب ہے،لیکن افسوس کہ ان کی بہت سی کتابیں اس وقت دستیاب نہیں ہیں،کاش کہ کوئی اکیڈمی یا اشاعتی ادارہ دوبارہ انہیں معیاری انداز میں شائع کرے،تاکہ ان سے استفادہ ممکن ہو،اسی طرح ان کی حیات وخدمات پر کوئی تفصیلی سوانح لکھی جائے،اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جائے،خصوصاً ان کی علمی خدمات کو اجاگر کیا جائے،اور تصانیف کا تعارف کرایاجائے،انہوں نے اپنے پیچھے اپنے باکمال شاگردوں کی ایک بڑی ٹیم چھوڑی ہے،نیز ان کے تینوں صاحبزادگان اچھے عالم اور صاحب قلم ہیں،خصوصاً مولاناڈاکٹر سعود عالم قاسمی جو ان کے باکمال شاگرد بھی ہیں اور قریبی رشتہ دار بھی،وہ اس طرف ضرور توجہ فرمائیں گے،

حضرت مفتی صاحبؒ سے اس عاجز کا تعلق اور ان کی کرم فرمائیاں

یہ عاجز جامعہ رحمانی مونگیر سے سال ہفتم (مشکوٰۃ وغیرہ)پڑھ کر گیاتھا اور نومبر ۱۹۷۲ء دارالعلوم میں دورۂ حدیث میں داخل ہواتھا،دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد مزید دوسال تکمیل ادب اور تحقیق میں رہا،طلبہ کے ساتھ ان کی بڑی شفقت وعنایت رہتی تھی،اور بہار کے طلبہ کے لئے تو ان کی حیثیت ملجا وماوی کی تھی،تعلیم وتربیت کے ساتھ وہ ان کے نجی مسائل سے دلچسپی رکھتے اور صحیح رہنمائی فرماتے،حضرت امیر شریعت رابع رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے گہرے روابط تھے،اس لئے وہاں سے پڑھ کر آنے والوں کے ساتھ

خصوصی توجہ رہتی تھی، تکمیل ادب اور تخصص کے سال اردو میں کچھ لکھتا تو اصلاح کے لئے ان کی طرف رجوع کرتا،اور وہ بڑی شفقت کے ساتھ اصلاح فرماتے اور خامیوں کی نشاندہی کرتے،اردو رسم الخط اور املاء کے قواعد بھی سمجھا تے۔

ان کے بڑے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر احمد سجاد صاحب ہم لوگوں سے ایک سال سینئر تھے،یعنی مولانا بدرالحسن قاسمی اور مولانا مجیب اللہ گونڈوی وغیرہ کے ساتھی تھے،میں جس سال دورۂ حدیث میں تھا ،وہ دورہ سے فراغت کے بعد جامعہ طبیہ میں داخل تھے،انہیں بھی طالب علمی کے ہی زمانے سے مضمون نگاری اور شعر گوئی کا ذوق تھا،پھر انہوں نے عصری اداروں سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کیا،ان کے منجھلے صاحبزادے مولانا محمد حماد بھی اس وقت دارالعلوم میں تھے مگر ہم لوگوں سے کئی سال جونیر تھے،بعد میں وہ بھی دارالعلوم سے فارغ ہوکر جامعہ رحمانی میں ایک سال مدرس رہے،اس زمانے میں ان سے رفاقت اور بے تکلفی رہی،ان کے تیسرے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے حافظ ابوبکر عباد بعد میں دیوبند آئے اور یہاں کئی سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد غالباً ۱۹۸۵ء میں جامعہ رحمانی مونگیر دورۂ حدیث میں داخل ہوئے،اس وقت یہ عاجز دورۂ حدیث میں شمائل ترمذی پڑھ رہاتھا،اس طرح مجھے ان کی استاذی کا شرف حاصل ہوا،وہاں سے فراغت کے بعد انہوں

نے علی گرھ وغیرہ سے پی ایچ ڈی کیا اور لکھنے میں مہارت حاصل کی،اس وقت وہ دہلی یونیور سیٹی میں لکچرر ہیں،اور اردو کے اچھے لکھنے والوں میں ہیں۔

شوال ۱۳۹۵ھ(مطابق۱۹۷۵ء) میں جب مفتی صاحب وغیرہ ندوۃالعلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شرکت کے بعد دیوبند واپس آئے تو یہ عاجز ان سے مل کر ہاپور میرٹھ کے ایک مدرسہ،مدرسہ رحمانیہ میں پڑھانے کیلئے چلاگیا،جہاں مولانا جمیل احمد مظاہری (جوایک عرصہ سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں)اور مولانا مظہر صاحب قاسمی بھاگلپوری پہلے سے مدرس تھے،وہاں اس عاجز کوعربی ادب کے علاوہ ہدایہ،جلالین اور شرح عقائد پڑھانے کوملی اور الحمدللہ کافی محنت سے پڑھایا،مفتی صاحب سے خطوط کے ذریعہ تعلق تھا،اور درمیان میں دیوبند آتا تو ان سے خاص طور پر مل کر جاتا،درمیان سال میں مدرسہ کے پتہ پر ان کاخط آیاکہ میں مونگیر گیاتھا،حضرت امیر شریعت سے تمہارے بارے میں گفتگو ہوئی ہے،تم نے عربی نویسی کی مشق کی ہے،وہاں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے،وہ تمہیں رکھنے پر آمادہ ہیں،میں نے سمجھا کہ شاید انہوں نے ہمت افزائی کے طور پر یہ باتیں لکھی ہیں،سال ختم ہونے کے بعد رمضان کی چھٹی میں یہ عاجز گھر آیا،رمضان کے بعد شوال کے شروع میں جامعہ رحمانی کے ایک طالب علم مولوی لیاقت حسین مفتی صاحب کا خط لیکر میرے گھر پہونچے جس میں مفتی صاحب نے یہ تحریر فرمایاتھا کہ آپ فوراً مونگیر آجائیں،تاکہ

میرے سامنے سب باتیں طے ہوجائیں اور آپ شروع سال سے پڑھانے کاکام شروع کردیں،میں اگلے ہی دن مونگیر کے لئے روانہ ہوگیا،شام کو مونگیر پہونچا،حضرت امیر شریعت کی مجلس میں حاضری ہوئی،وہاں مفتی صاحب کے علاوہ مولانا محمد تسلیم صاحب دربھنگوی نائب ناظم جامعہ رحمانی مونگیر،مولانا نیاز احمد رحمانی وغیرہ موجود تھے،سب سے ملاقات ہوئی حضرت مفتی صاحب نے کان میں فرمایاکہ ایک درخواست لکھ کر حضرت امیر شریعت کی خدمت میں پیش کردو،چنانچہ اگلی مجلس میں درخواست پیش کی،حضرت امیر شریعت نے اپنے دست مبارک سے منظوری کا جواب لکھا اور مولانا نیاز احمد صاحب سے فرمایاکہ لیٹر پیڈ پر صاف کردیں،چنانچہ انہوں نے صاف کرکے دیاتو حضرت امیر شریعت نے اپنے دستخط کے ساتھ میری طرف بڑھا دیا،میں منظوری کا لیٹر لیکر پھر گھر واپس آگیا،اور دس یاگیارہ شوال کو سامان کے ساتھ مونگیر آگیااور تدریسی خدمت پر مامور ہوگیا،اور ۱۹۷۶ء سے۱۹۸۶ء تک یہ خدمت انجام دیتارہا،۱۹۸۶ء میں یہاں سے مستعفی ہوکر اپنے گھر سے قریب ایک مدرسہ میں چلا آیا۔

مونگیر کے زمانۂ قیام میں وہ تقریباً ہر سال جامعہ تشریف لاتے اور ان سے استفادہ کا موقع ملتا،میری آمد کے اگلے سال امارت شرعیہ کی طرف سے مدارس کے مسائل پر غور کرنے اور معیا ر تعلیم کو بلند کرنے

کیلئے ملک گیر پیمانے پر مدارس اسلامیہ کنونشن منعقد ہوا، جس کی ضیافت جامعہ رحمانی نے کی، ملک بھر کے علماء واساتذہ، اور ماہرین تعلیم اس کنونشن میں شریک ہوئے، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس کی صدارت فرمائی، ان کے علاوہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ، مولانا حکیم محمد زماں حسینی، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، مولانا حامد الانصاری غازی، اور مفتی صاحب کی قیادت میں ایک وفد دارالعلوم سے شریک ہوا، جس میں مولانا بدرالحسن قاسمی بھی تھے، جو اب الداعی کے باقاعدہ ایڈیٹر اور دارالعلوم کے استاذ تھے، وہ مفتی صاحب کے بارے میں کہتے کہ مفتی صاحب تو راستے بھر وقت پر نماز پڑھتے آئے، میں نے کہا حضرت جب اڑتالیس میل کی دوری پر نصف نماز ساقط ہوجاتی ہے تو بھلا ہزار کیلو میٹر سے زیادہ کے سفر پر پوری نماز ساقط نہ ہوگی، بہر حال حضرت مفتی صاحب سفر اور حضر دونوں میں اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے، ہر کام وقت پر ہوتا، اور تصنیف وتالیف تو ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، وہ ہمیشہ لکھتے ہی پڑھتے رہتے، اسلئے اللہ تعالی نے ان کے کام میں اتنی برکت دی، اور وہ ایک بڑا علمی سرمایہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے جو انشاء اللہ ان کے لئے صدقۂ جاریہ ہے، اور پس ماندگان کیلئے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ، اللہ تعالی ان کی مخلصانہ خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں اس کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین یا رب العالمین، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ہمارے مشفق استاذ

جناب مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری
استاذ حدیث و مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ہمیں جن عظیم اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، ان میں ایک اہم شخصیت حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نور اللہ مرقدہٗ کی تھی، حضرت موصوف سے تکمیل افتاء کے سال ”درمختار کتاب النکاح والطلاق“ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، اس کے بعد تدریب الافتاء کے دونوں سالوں میں موقع بموقع حضرت والا سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد ۱۴۲۰ھ میں احقر مدرسہ شاہی مرادآباد میں خدمت پر مامور ہوگیا تو اس درمیان اکثر دیوبند حاضری کے وقت دارالافتاء میں حضرت الاستاذ سے ملاقات ہوتی تو انتہائی مسرت کا اظہار فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب بڑے سادہ نفس، متواضع اور مسکنت مزاج شخص تھے، آپ کی ہر ہر ادا سے مسکنت کا اظہار ہوتا تھا، علمی گیرائی کے باوجود آپ کی زندگی یا گفتگو کے کسی انداز سے ذرہ برابر بڑائی کی خوبو محسوس نہ ہوتی تھی۔ دارالعلوم میں آپ کی رہائش گاہ آپ کی سادگی کا پتہ دیتی تھی، عموماً آپ ایک سادہ تخت یا کھری چارپائی پر تشریف فرما رہتے اور فارغ

اوقات میں اکثر کسی کتاب کے مطالعہ میں وقت گذارا کرتے تھے، اکثر جب بھی آپ کے کمرے پر حاضری ہوتی تو مطالعہ میں مشغول نظر آتے اور مطالعہ کا انداز یہ تھا کہ کتاب اٹھاکر آنکھ کے بالکل قریب کرلیتے تھے، اور مطالعہ میں ایسا انہماک ہوتا تھا کہ آس پاس سے بے خبر ہوجاتے تھے، یہ آپ کے علمی شوق کی علامت تھی۔

خورد نوازی آپ کا خاص وصف تھا، آپ کا کوئی شاگرد اگر کوئی خیر کا کام کرتا تو اس کی اس قدر عزت افزائی فرماتے کہ وہ باغ باغ ہوجاتا۔احقر نے جب کتاب "فتویٰ نویسی کے رہنما اصول" تالیف کی، تو حضرت موصوف نے نہایت حوصلہ افزاء کلمات سے نوازا، طلبہ کے ساتھ ہمیشہ گھلے ملے رہتے، اور کسی بھی طالب علم کو آپ سے رابطہ کرنے میں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا، سبق کی پابندی بھی مثالی تھی، بغیر کسی شدید عذر کے سبق کا ناغہ نہ فرماتے تھے، تحریر بڑی شستہ، سادہ اور آسان ہوتی تھی، بے تکلفی کے ساتھ بے تکان ایک ہی انداز سے لکھتے چلے جاتے تھے، اور تقریر وخطابت کا انداز بھی تقریباً ایسا ہی تھا کہ روانی کے ساتھ اپنی بات کہتے چلے جاتے تھے۔

آپ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے، آپ نے ابتدائی اور متوسط تعلیم مدرسہ محمودیہ راج پور اور مدرسہ وارث العلوم چھپرا میں حاصل کی، اور ۱۹۴۴ء میں مدرسہ مفتاح العلوم مئو یوپی سے دورۂ حدیث شریف

سے فراغت حاصل کی، یہاں اس وقت محدثِ کبیر امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ شیخ الحدیث تھے، فراغت کے بعد متعدد مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں؛ تاآں کہ ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تصنیف وتالیف سے منسلک ہوئے۔اسی دوران آپ نے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی دیوبندیؒ کے فتاویٰ ۱۲/جلدوں میں مرتب فرمائے۔ نیز کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کی فہرست سازی میں آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔ دارالعلوم کی نشأۃ ثانیہ کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند میں مفتی کے منصب پر فائز کیا گیا اور فتویٰ نویسی کے علاوہ فقہ حنفی کی اہم کتاب ”درمختار“ آپ کے زیر درس رہی، اور سیکڑوں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور استاذ فقہ ہونے کے ساتھ مختلف علمی اداروں سے وابستہ رہے، بالخصوص مسلم پرسنل لاء بورڈ کے آپ رکن رکین تھے، اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے صدر نشین تھے۔

۲۰۰۸ء میں آپ کمزوری اوراعذار کی وجہ سے دارالعلوم سے سبک دوش ہوکر وطن تشریف لے گئے تھے، وہیں ۳۱/مارچ ۲۰۱۱ء کو وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کو ان کی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائیں، اور امت کو ان کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔

اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف

حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند عصر حاضر کے انتہائی ممتاز اور قد آور فقیہ تھے جن کی نگاہ بلند، فکر رسا، مطالعہ وسیع، مشاہدہ وتجربہ بے پایاں، علم پختہ، دل ودماغ حاضر، ذہن رواں، قلم سیال، زبان شستہ وشگفتہ، اسلوب تحریر سادہ وسلیس اورانداز بیان علم ومعنیٰ سے لبریز ہونے کے باوجود اس قدر عام فہم کہ اس پر سہل ممتنع ہونے کا گمان ہوتا تھا، دقیق سے دقیق علمی مسئلہ ان کی زبان پر پانی پانی، خشک سے خشک موضوع بحث ان کی حسن تحریر سے دلچسپ بن جاتا، علم ومعنیٰ کی ہر رہگذر ان کی نقش پا سے آشنا، فکر وفن کی ہر وادی ان کے حصار نظر میں، ان کی زندگی وقت کی گردشوں کی آئینہ دار، لباس اور بود وباش ایک عام مؤمن جیسا جس میں نہ کوئی تکلف نہ تصنع، خالص سلف صالحین کی یادگار، محبت واخلاق عالیہ کا نمونہ، ان کا آستانہ ہر خاص وعام کے لئے کھلا ہوا، مجلس میں بیٹھ جایئے تو اٹھنے کا جی نہ کرے، تاریخ

کے نہ معلوم کتنے ہی انقلابات ان کے سینے میں دفن، حقائق سے پردہ اٹھاتے تو ان کی زندگی کا ہر باب "قصۂ ہزار داستاں "معلوم ہوتا، حوصلہ شکن بے شمار حالات کے باوجود ان کا عزم پوری طرح جوان، لمحہ بہ لمحہ بدلتے حالات میں بھی امیدوں کے چراغ روشن ،۔۔۔۔میدان خطابت کے شہسوار تو زبان و قلم کے یکتائے روزگار، فقہ و فتاویٰ میں استاذ الاساتذہ، اصول وکلیات میں فرید العصر، ہزاروں جزئیات ان کے خزانۂ دماغ میں محفوظ اور کتابوں کے صفحات ان کی انگلیوں پر مچلتے ہوئے، فقہی مسائل میں قدیم وجدید ان کے لئے یکساں ،ہر موضوع پر ان کا اشہب قلم بے تکلف رواں دواں،۔۔۔۔۔۔۔بے شمار اصحاب کمال اور مشائخ عصر کا رنگ اپنی شخصیت میں سموئے ہوئے، ان کی زندگی ایک عہد بھی ایک انجمن بھی، شاعر کا دیوان بھی اور تاریخ کی کھلی کتاب بھی ،۔۔۔۔غرض کمالات کا ایسا تنوع اور فکر وفن کی ایسی جامعیت کہ شاید اس عہد کے ہندوستان میں ان کی مثال ڈھونڈھنے سے نہ ملے،، بظاہر ایک چھوٹا سا نحیف ونزار وجود لیکن ایک پورا عالم اس میں سمایا ہوا،۔۔۔۔۔۔ شخصیت کا وہ کمال کہ ہر مقام کے لئے پوری طرح موزوں، فکر وفن کی انجمن ہو، علم وادب کی محفل ہو، نظم وانتظام کا موقعہ ہو ،تحقیق وتالیف کا ادارہ ہو ، تسوید قانون کا مسئلہ ہو ،مفتی صاحب ہر میدان سے سرخرو ہو کر نکلے، نہ کبھی اپنے بزرگوں کو مایوس کیا اور نہ اپنے خردوں کے لئے تشنگی

چھوڑی ، بہت سے ایسے محاذوں کو انہوں نے تنہا سر کیا جہاں ایک پورے ادارہ کو کام کرنے کی ضرورت تھی۔۔۔۔اپنے بزرگوں کے بے انتہا معتمد اور اپنے چھوٹوں کے لئے شاندار نمونہ ،۔۔۔۔۔۔۔۔ مفتی صاحب کے یہاں کام کی بہت اہمیت تھی، کوئی لمحہ ان کا ضائع نہیں ہوتا تھا، وہ لمحہ لمحہ کا حساب رکھتے تھے ،اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کے پاس کچھ دن رہنے والے لوگ بھی کام کے بن جاتے تھے۔

مفتی صاحب کا نام پہلی بار

مفتی صاحب بہار کے سر کردہ علماء میں تھے ، امارت شرعیہ کے رکن رکین ،حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے انتہائی قریب ترین معتمد، امارت شرعیہ پٹنہ اور جامعہ رحمانی مونگیر کے تقریباًہر پروگرام کی زینت ،ان کے بڑے بھائی اور استاذ امیر شریعت خامس حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ میرے جد اکبر حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ کے تلمیذ رشید ،وہ خود میرے جد امجد قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ کے انتہائی عقیدت مند ،عرصہ تک وہ سانحہ مونگیر میں رہے ، بہار میں ان کے شاگردوں کی بھی بڑی تعداد تھی، لیکن مجھے یاد نہیں کہ میرے گھر میں کبھی ان کا ذکر آیا ہو، ان کا اسم گرامی پہلی بار اس وقت سامعہ نواز ہوا ،جب میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے لئے رخت سفر باندھ رہا تھا ،میرے والد

بزرگوار حضرت مولانا سید محفوظ الرحمن صاحب دامت برکاتہم اپنے حجرہ سے دو کتابیں نکال کر لائے، جن کی جلدیں بوسیدہ اوراوراق پارینہ ہو چکے تھے، (1) اسلام کا نظام امن (2) اور اسلامی حکومت کے نقش ونگار، ان پر مصنف کی جگہ حضرت مفتی صاحب کا اسم گرامی چھپا ہوا تھا، اور بین القوسین میں 'مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند' تحریر تھا اور یہ دونوں کتابیں مصنف کی طرف سے میرے جد امجد حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ کو ہدیہ میں بھیجی گئی تھیں، سرورق پر مصنف کے دستخط کے ساتھ جد امجد کا نام بھی مرقوم تھا، والد صاحب مفتی صاحب کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے تھے، انہی دو کتابوں کے حوالے سے صرف اتنا جانتے تھے کہ دیوبند میں دربھنگہ کے کوئی عالم دین ہیں، جو اپنی قلمی خدمات کی بنا پر متعارف ہیں، ۔۔۔۔ قبل بھی گاؤں کے کچھ پرانے فضلاء کے ذریعہ انہی کتابوں کے حوالہ سے والد صاحب نے مفتی صاحب کے احوال معلوم کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی تھی، ۔۔۔۔ اب جب میرے دیوبند جانے کی باری تھی تو والد صاحب نے یہ کتابیں ہمارے سامنے رکھیں اور فرمایا کہ دیوبند پہونچ کر ان سے ملاقات کرنا، یہ تمہارے دادا کے عقیدت مندوں میں ہیں، ان سے تمہیں دیوبند میں کافی مدد بھی حاصل ہو گی انشاء اللہ۔

قافلہ سوئے دیوبند

غالباً ۴/ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ م ۲۳/ جون ۱۹۸۵ء کی تاریخ ہو گی کہ ہم تین ساتھیوں کا قافلہ (یعنی میرے علاوہ مولانا عبد الجبار قاسمی موضع سکھاسن ضلع سمستی پور مقیم حال احمد آباد ،اور مولانا عبد الرشید قاسمی مقام بر دونی ضلع سمستی پور مقیم حال در بھنگہ) غازی پور کے لئے روانہ ہوا ،مادر علمی مدرسہ دینیہ غازی پور پہونچ کر ذمہ داران اور اساتذۂ کرام سے ملاقاتیں کیں ،ان سے دعائیں لیں ، تعلیمی تصدیقنامہ حاصل کیا، دیگر رفقاء درس بھی یہیں شامل ہوئے ، پھر ہمارا سات رکنی قافلہ دیوبند کی جانب روانہ ہوا ،دو دن کے پر مشقت سفر کے بعد ہم عین صبح کے وقت اذان فجر سے کچھ قبل دار العلوم دیوبند کے مدنی گیٹ کے سامنے وارد ہوئے ،اس زمانہ میں بعض حالات کی بنا پر دار العلوم کا صدر دروازہ (باب قاسم) رات میں بند رہتا تھا اور اذان فجر کے بعد کھلتا تھا، باب مدنی کا چھوٹا گیٹ کھلا ہوا تھا، یہ دار العلوم کے احاطۂ دار جدید کا شمالی دروازہ تھا،

دار العلوم دیوبند کا منظر جمیل

ہم نے جھانک کر دیکھا تو سرخ عمارتوں کے وسیع و عریض احاطہ کو دیکھ کر کسی عظیم الشان قلعہ کا گمان ہوا ،خوشنما بیل بوٹوں ، سرو قد اونچے درختوں اور گلزاروں سے

سجا ہوا چمنستان ، درمیان میں ایک پختہ مستطیل سڑک باب مدنی کو باب معراج سے ملاتی ہے، ٹھیک وسط میں ایک خوبصورت فوارہ ہے، جو دن کے اکثر اوقات جاری رہتا ہے ، جس سے پورا ماحول خوشگوار اور پوری فضا خوش منظر معلوم ہوتی ہے ، سیر و تفریح اور صحت کے لئے انتہائی حسین اور دلکش ماحول ، اسی فوارہ سے ایک راستہ مغرب میں باب الظاہر کی طرف جاتا ہے اور دوسرا مشرق میں دارالعلوم کی برجوں والی بلند وبالا سہ منزلہ پر شکوہ عمارت کی طرف نکلتا ہے جس کے نچلے حصہ میں دارالعلوم کا وسیع و عریض دارالحدیث ہے جہاں قریب ایک ہزار (1000) طلبہ کے بیٹھنے کی گنجائش ہے، درمیانی منزل پر دارالحدیث فوقانی ہے جو اس وقت ہفتم عربی کی درسگاہ کے لئے استعمال ہوتی تھی ، اور تیسری منزل پر دارالتفسیر کا ایک بڑا ہال ہے، اور اس کے اوپر وہ بلند گنبد ہے جو آج تک دارالعلوم کا طرۂ امتیاز ہے، پہلے دیوبند میں اونچی عمارتیں نہیں تھیں تو دور سے یہ گنبد عالی نظر آتا تھا، ٹرینوں اور شاہراہ عام سے گذرنے والے لوگ بھی دور سے ہی اس گنبد کا نظارہ کرتے تھے اور دارالعلوم کے قرب کا احساس ان کے مشام جان کو معطر کرتا تھا ، دارالحدیث تحتانی کے مشرقی حصے میں نو درہ کی وہ تاریخی عمارت ہے جس کی بنیاد (اکابر کے مکاشفات کے مطابق)خود ساقی کوثر ، سید الکونین، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے الہامی طور پر رکھی ، اور پھر حضور پاک ﷺ کی نو ازواج مطہرات کی

مناسبت سے اکابر دارالعلوم نے نو درسگاہوں کی تعمیر کی، تاکہ درجۂ فارسی سے فضیلت تک نو درجات کی پوری تعلیم اسی ایک چھت کے زیر سایہ ہو جائے۔

خود ساقی کوثر نے رکھی میخانہ کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں [67]

اسی نودرہ سے متصل احاطہ مولسری ہے جس میں مولسری کے دو انتہائی گھنے اور سایہ دار درخت تاریخ دیوبند کے نہ معلوم کتنے ہی واقعات کے امین اور چشم دید گواہ ہیں، اسی احاطہ میں جنازہ کی نماز ادا کی جاتی ہے، اور اس میں ایک مخصوص مقام ہے جو بزرگوں کے مشاہدات کی روشنی میں کافی بابرکت تصور کیا جاتا ہے، اسی احاطہ میں ایک میٹھے پانی کا کنواں بھی ہے، جس کے ساتھ بھی کچھ تاریخی واقعات وابستہ ہیں، احاطۂ مولسری کے مشرقی حصے میں ایک بلند وبالا اور وسیع وعریض دروازہ پر دارالعلوم کا دفتر اہتمام ہے، پھر اوپر اس کے جنوب اور مشرق میں دارالعلوم کے دیگر دفاتر پھیلے ہوئے ہیں ،اس دروازہ سے باہر نکلئے تو ایک مختصر احاطہ کے بعد دارالعلوم کا صدر دروازہ باب قاسم ہے، اسی دروازہ سے متصل دارالعلوم کی مسجد ہے، اس وقت تک جامع رشید کی تعمیر نہیں ہوئی تھی اور دارالعلوم کی باقاعدہ دو ہی مسجدیں سمجھی جاتی تھیں، مسجد چھتہ اور مسجد

---

67 - ترانۂ دارالعلوم کا ایک شعر

دارالعلوم، مسجد چھتہ سب سے پرانی بلکہ دارالعلوم کا نقطۂ آغاز ہے، اسی مسجد میں مہتمم اول حضرت حاجی عابد حسینؒ کا حجرہ تھا، یہیں پر حاجی صاحب نے حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم کی تحریک پر مدرسۂ دیوبند کے لئے پہلا چندہ اکٹھا کیا، پھر حضرت نانوتویؒ نے اپنے تلامذہ میں سے ایک انتہائی جید استاذ ملا محمودؒ کو وہاں تدریس کے لئے مقرر فرمایا، اور یہیں چھتہ مسجد میں انار کے درخت کے نیچے صرف ایک طالب علم "محمود حسن" (یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) کے ذریعہ تعلیم کا آغاز ہوا، بعد میں حضرت نانوتویؒ بھی اسی مسجد کے ایک حجرہ میں فروکش ہوئے ،۔۔۔۔۔ دارالعلوم کے دفتر محاسبی میں دارالعلوم کا پورا ریکارڈ موجود ہے، اسی کے محافظ خانے میں ایک شیشے کے صندوق میں وہ متبرک رومال محفوظ ہے جو عرصہ تک نبی کریم ﷺ کے کپڑے کے ساتھ مس رہا ہے ،۔۔۔۔۔ مسجد دارالعلوم کے سامنے سڑک کے اس پار دارالعلوم کا خوبصورت تین منزلہ مہمان خانہ ہے جو زائرین دارالعلوم کے لئے رات کے گیارہ بجے تک کھلا رہتا ہے ،،بہت نفیس ،صاف ستھرا اور آرام دہ ہے ،جہاں مہمانوں کو بہتر قیام کے ساتھ اعلیٰ قسم کی ضیافت بھی فراہم کی جاتی ہے، باب قاسم میں داخل ہوتے ہی بائیں طرف مڑیں تو دارالعلوم کی وسیع وعریض تاریخی لائبریری ہے ،جس میں مختلف علوم وفنون پر لاکھوں کتابیں موجود ہیں، اب باب الظاہر کے پیچھے اس کی

ایک شاہکار عمارت بن رہی ہے، جو اپنی وسعت و حسن اور جدت طرازی میں بر صغیر کی
تمام لائبریریوں کو پیچھے چھوڑدے گی، لائبریری کے نیچے دارالعلوم کے پندرہ روزہ اخبار
"آئینۂ دارالعلوم" کا دفتر ہے، اس سے تھوڑا آگے جائیں تو احاطۂ مطبخ شروع ہو جاتا ہے
، جہاں دارالعلوم میں مقیم ہزاروں افراد کے لئے کھانا تیار کیا جاتا ہے،۔۔۔۔۔۔ احاطۂ
مطبخ سے مغرب کی طرف نکلیں تو باب معراج سے متصل طلبہ کی اقامتی دو منزلہ
خوبصورت عمارت "رواق خالد" ہے،۔۔۔۔۔ رواق خالد والے گیٹ سے باہر نکلیں تو
دارالعلوم کا لمبا چوڑا مذبح ہے، جہاں جانوروں کے ذبیحہ کا عمل ہوتا ہے، وہاں سے مشرق
کی طرف مڑیں، تو دو منزلہ " افریقی منزل قدیم" کی عمارت نظر آتی ہے، یہ بھی طلبہ کا
دارالاقامہ ہے، بعض اساتذہ بھی یہاں رہتے ہیں،۔۔۔۔۔۔۔ اس کے پاس والی سڑک
مغرب میں عید گاہ کی طرف اور مشرق میں شہر کی جانب جاتی ہے، یہیں سے ایک چھوٹا
راستہ مسجد چھتہ کے سامنے سے ہوتے ہوئے باب قاسم اور مسجد دارالعلوم کی طرف
چلاجاتا ہے، اور دیوبند کی ایک مرکزی سڑک سے مل جاتا ہے، وہ سڑک بھی مشرق میں
آبادی کی طرف اور مغرب میں دارالعلوم کے مدرسۂ ثانویہ کے احاطہ کی طرف جاتی ہے
، مدرسۂ ثانویہ موجودہ جامع رشید کے بالکل سامنے ہے اور کافی وسیع و عریض خطہ ہے
، اسی میں دارالعلوم کی مشہور زمانہ طبیہ کالج کی عمارت تھی جس کو بعد میں مدرسہ ثانویہ

سے بدل دیا گیا،یہیں افریقی منزل جدید،اعظمی منزل،دارالتربیت اور دارالاساتذہ کی جدید ترین عمارتیں ہیں،جو انتہائی سلیقہ اور حسن ترتیب کے ساتھ اور جدید فن تعمیر کے مطابق بنائی گئی ہیں،درمیان سے ایک پختہ مستطیل سڑک خم کھاتی ہوئی گذرتی ہے جو باب رشید تک پہونچتی ہے،باب رشید دیوبند کی شاہراہ عام جی ٹی روڈ کی طرف سے دارالعلوم میں داخل ہونے کا دروازہ ہے،۔۔۔مدرسۂ ثانویہ کے احاطہ کے باہر جانب غرب میں مزار قاسمی ہے،جس میں بانیٔ دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مزار کے علاوہ بہت سے اکابر دیوبند کی قبریں ہیں،مزار قاسمی سے جنوب کی طرف بڑھیں تو تھوڑے فاصلے پر حضرت حاجی عابد حسین صاحب دیوبندیؒ کی قبر ہے،اکثر قبروں پر کتبے لگے ہوئے ہیں،حضرت نانوتویؒ کے والد ماجد حضرت اسد صاحبؒ کی قبر مدنی گیٹ کے سامنے سڑک کے قریب واقع ہے،اب وہ جامع رشید کے احاطے میں آگئی ہے،مگر محفوظ ہے۔۔۔مدنی گیٹ سے باہر نکلیں تو دائیں طرف خانقاہ محلہ نظر آتا ہے،اب جامع رشید کی عظیم الشان عمارت نے اسے ڈھانپ لیا ہے،اسی خانقاہ محلہ میں خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا رہائشی مکان تھا جو اب ان کے اہل وعیال کے تصرف میں ہے،خانقاہ محلہ کو عبور کرنے کے بعد دیوبند کی عید گاہ آتی ہے ،اس عید گاہ سے تھوڑے فاصلہ پر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا مزار ہے،میرے

وقت میں وہ علاقہ بالکل ویران تھا، لیکن اب شہر کے کئی اہم اداروں کی دیدہ زیب اور عالیشان عمارتیں ادھر بن گئی ہیں، مثلاً دارالعلوم وقف، معہد الامام انور وغیرہ، ”شہر طیب " بھی اسی خطے میں آباد ہے، بہت سے تجارتی مکتبے، دکانیں اور پریس بھی قائم ہو چکے ہیں ،اب تو وہ پورا علاقہ مستقل شہر نظر آتا ہے،۔۔۔۔۔

بہر حال ہم تھوڑی دیر مدنی گیٹ کے باہر کھڑے ہو کر سوچتے رہے کہ اب کدھر جائیں ؟لیکن پھر ایک شناشا طالب علم کی مدد سے داخلے کی ساری کاروائی مکمل کی گئی ،اور پھر ہم لوگ اس طرح مصروف ہوئے کہ حضرت مفتی صاحبؒ سے ملنے کا خیال ہی نہیں رہا، امتحان داخلہ کا نتیجہ شاندار آیا، مجھے کل ۵۰ نمبرات میں ۴۶ اوسط حاصل ہوئے تھے ،اس طرح دارالعلوم کی طرف سے تمام ضروری سہولیات مجھے حاصل ہوئیں، فالحمد للہ علی ذلک۔

مفتی صاحب کے آستانہ پر

تمام اہم امور سے فراغت کے بعد ایک دن بعد نماز مغرب میں مفتی صاحب کے حجرہ کی طرف چلا، قریب پہونچا تو مفتی صاحب اپنے حجرہ کے باہری حصہ میں تشریف فرما تھے ،اور کئی طلبہ بھی وہاں موجود تھے، اپنا تعارف کرایا تو مفتی صاحب کا چہرہ کھل اٹھا ،فرمانے لگے ،اتنی دیر کے بعد ملنے آئے ؟۔۔۔ مفتی صاحب نے پہلی ملاقات پر ہی

میرے خاندان کے تعلق سے ایک سوال پیش فرمادیا جو برسوں سے ان کے ذہن و دماغ کے اندر تاریخی الجھن کی صورت میں پل رہا تھا:

حضرت منورویؒ سے ملاقات کی کہانی مفتی صاحبؒ کی زبانی

مفتی صاحب نے فرمایا، میری ملاقات تمہارے جد امجدؒ سے ٹرین میں ہوئی تھی، جامعہ رحمانی مونگیر میں ایک ملک گیر کانفرنس ہو رہی تھی، ہم لوگ دربھنگہ سے کھگڑیا کے لئے ٹرین پر سوار ہوئے، دربھنگہ کے ممتاز علماء و قائدین ہمارے قافلے میں شامل تھے، مثلاً حضرت مولانا محمود صاحبؒ (نستہ) تلمیذ رشید حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، اور مولانا تسلیم الدین صاحبؒ (سدھولی) وغیرہ، اچانک میں نے دیکھا ایک نورانی صورت بزرگ سیدھے سادھے لباس میں ہاتھ میں ایک تھیلا لئے ہوئے ہمارے ہی ڈبے میں داخل ہوئے، ان کے آتے ہی لوگ سمٹنے لگے، ہمارے قافلہ کے اکثر لوگوں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، سب کے ہی دل و نگاہ ان کی عقیدت واحترام میں جھک گئے، میں نے مولانا محمود صاحبؒ سے دریافت کیا۔۔۔ تو انھوں نے آہستہ سے مجھے فرمایا کہ ”یہ سلسلۂ نقشبندیہ کے انتہائی بلند پایہ صاحب نسبت اور صاحب کشف بزرگ ہیں، حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ سے تعلق ہے اور حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ مظفرپوریؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں "۔۔۔۔۔ حضرت مولانا عبدالشکورؒ آہؔ تو میرے

استاذ الاستاذ تھے اور طالب علمی کے زمانہ میں مجھے ان کی زیارت ہو چکی تھی، مجھے ان سے بے پناہ انس پیدا ہوا، میں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا، اپنا تعارف کرایا، تو وہ بھی بہت مسرور ہوئے، بعد میں میں نے اپنی دو کتابیں (جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے) ان کو بھیجیں ، سمستی پور کے بعد حسن پور روڈ اسٹیشن آیا تو وہ اتر گئے، معلوم ہوا کہ یہیں قریب میں منورواان کا گاؤں ہے۔۔۔

ایک تاریخی عقدہ۔ نقل مکانی کا پس منظر

اس وقت سے آج تک یہ عقدہ حل نہ ہو سکا کہ حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ مظفرپوریؒ کے صاحبزادہ کا وطن حسن پور روڈ کے قرب ونواح میں کس طرح ہے؟ پھر ان کے نام کے ساتھ دربھنگوی لگتا ہے اور میرے استاذ الاستاذ مظفرپوری تھے ۔۔۔۔میں نے اس کی وضاحت کی کہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کی دو بیویاں تھیں، پہلے محل سے میرے جد امجد تھے، حضرت مظفرپوریؒ کی پہلی اہلیہ بی بی حلیمہ خاتون ان کے اپنے ماموں حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ کی صاحبزادی ہیں، حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ پر قدرے جذب کا غلبہ تھا، انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ غیبی اشارات کے تحت بہار کے مختلف ایسے علاقوں میں گذارا جہاں دینی تعلیم کی بے پناہ کمی تھی اور لوگ رسم ورواج کی مختلف بندشوں میں جکڑے ہوئے تھے، وہ حضرت مولانا

اسحاق بانسویؒ کے مرید و خلیفہ تھے ،اسی ضمن میں انہوں نے تقریباً بارہ سال صلحا بزرگ (ضلع سمستی پور) میں اور تین سال منوروا (ضلع سمستی پور) میں گذارے، حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ اپنے نانا کے حکم پر ادھر تشریف لائے اور منوروا میں قیام فرمایا، نانا کے وصال کے بعد یہاں سے ہجرت کا ارادہ فرمایا، لیکن بزرگوں کے حکم اور اشارۂ غیبی کے تحت ان کو یہیں قیام کرنا پڑا کہ ابھی حضرت مولانا امیر الحسن قادری کے دینی اور اصلاحی مشن کا کام باقی تھا، پھر اللہ پاک نے منوروا میں کاشانۂ حضرت احمد حسنؒ کو وہ دینی اور روحانی مرکزیت بخشی کہ پورے شمالی بہار سے بنگال تک اس کے فیوض کی نہریں پہونچیں اور منوروا جیسی چھوٹی سی بستی مرجع عام و خاص بن گئی ،---

رابطہ منزل بمنزل

اس پہلی ملاقات کے بعد ہی مفتی صاحب سے ایسی مناسبت پیدا ہوئی کہ جیسے وہ میرے خاندان کے فرد ہوں پھر گاہے گاہے آمد ورفت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا، البتہ مفتی صاحب سے میرا کوئی درس متعلق نہیں تھا، وہ صرف درجۂ افتاء کے طلبہ کو پڑھاتے تھے ،اس لئے آمد ورفت میں اکثر وقفہ ہو جاتا تھا، ان سے ہمارا رابطہ صرف انجمن کی حد تک تھا، وہ ہماری انجمن تہذیب البیان (طلبۂ دربھنگہ، سمستی پور، مدھوبنی) کے سرپرست تھے ، لیکن ہفتم عربی کے سال خود مجھے انجمن سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی، کبھی کبھی رسم

پوری کرنے کے لئے شرکت کر لیا کرتا تھا، لیکن دورۂ حدیث شریف کے سال جب مجھ پر انجمن کے قلمی ماہنامہ ''افکار'' کی ادارت کا بوجھ ڈال دیا گیا، تو نسبتاً انجمن سے بھی اور اس کے حوالہ سے مفتی صاحب سے بھی رابطہ بڑھ گیا، آمد ورفت بھی کچھ زیادہ ہو گئی، اس دوران مفتی صاحب سے بعض قلمی اصلاحات لیں۔۔۔ دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں مجھے امتیازی کامیابی ملی اور دوسری پوزیشن حاصل ہوئی، دارالعلوم کے ضابطہ کے مطابق دورۂ حدیث میں امتیازی نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کو دارالعلوم میں معین المدرس کا اعزاز بخشا جاتا تھا، مجھ سے بھی کہا گیا لیکن مجھے افتا پڑھنے کی خواہش تھی، اس لئے میں نے اس کے بجائے افتا میں داخلے کے لئے درخواست دے دی، صوبۂ بہار سے تقریباً ۴۸ طلبہ داخلہ کے خواہشمند تھے اور اس معیار پر اترتے تھے، لیکن کوٹہ کے مطابق بہار سے صرف ایک ہی طالب علم لیا جاسکتا تھا، اس طرح تنہا میرا انتخاب عمل میں آیا،۔۔۔

مفتی صاحب سے باقاعدہ استفادہ کا آغاز

اب حضرت مفتی صاحب کے پاس براہ راست میرا درس شروع ہوا، پہلی گھنٹی در مختار کی مفتی صاحب سے متعلق ہوئی، تمرین فتاویٰ کے لئے بھی میرا نام مفتی صاحب ہی کے پاس منتخب ہوا، عموماً بعد نماز ظہر تا عصر ہم لوگ مشق فتاویٰ کے لئے دارالافتاء میں رہتے تھے، مفتی صاحب نہ صرف قدیم مسائل پر ہم لوگوں سے کام لیتے بلکہ بہت سے

نئے مسائل بھی زیر بحث لاتے، اور ان پر غور وفکر کا طریقہ سمجھاتے، یوں تو مفتی صاحب کی شفقت بیکراں سب طلبہ ہی پر تھی، لیکن میرے خاندانی پس منظر کی بنا پر مجھ سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے، مجھ پر ان کو اعتماد بھی بہت زیادہ تھا، اسی وجہ سے اپنے کئی علمی اور تحقیقی کاموں میں مجھے شرکت کا موقعہ دیتے تھے،

مفتی صاحب کا حافظہ اور علمی استحضار

مثلاً ان دنوں مفتی صاحب فتاویٰ دارالعلوم کی تیرھویں جلد (کتاب الوقف) کی ترتیب کا کام کر رہے تھے، میں اکثر بعد نماز مغرب تا عشا ان کے کام میں شریک ہوتا اور ان کے طریقۂ کار سے استفادہ کرتا، حالانکہ مفتی صاحب بڑھاپے کی منزل میں تھے اور حوادث روزگار نے ان کو توڑ کر رکھ دیا تھا، لیکن ان کی ہمت وعزیمت اور ہر کام میں وقت اور اصولوں کی پابندی قابل رشک تھی، مطالعہ وسیع اور ذہن پوری طرح حاضر تھا، فتاویٰ شامی تو جیسے پوری ازبر تھی، وہ کبھی کوئی حوالہ فہرست کی مدد سے نہیں نکالتے تھے، بلکہ براہ راست صفحات الٹتے اور ایک دو صفحہ کے فرق سے وہ حوالہ مل جاتا تھا، یہ میرا روز کا مشاہدہ تھا اور وہ بھی وقف اور مساجد جیسے خشک اور مشکل موضوعات میں آسان بات نہ تھی، کبھی میں کوشش کرتا کہ فہرست کے ذریعہ کوئی حوالہ نکالوں، لیکن تجربہ کی کمی کی بنا پر تاخیر ہوتی لیکن ان کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہ تھا، میں نے بارہا دیکھا کہ استفتا کے جواب

میں شامی یا عالمگیری کی پوری عربی عبارت حافظہ کی مدد سے لکھ دیتے، جلد کی تعیین بھی فرمادیتے، صرف صفحہ نمبر کے لئے ہم لوگوں کو کتاب سے مراجعت کرنی پڑتی تھی،

سلف ہر حال میں خلف پر فضیلت رکھتے ہیں

مفتی صاحب کو دیکھ کر میرے اس نظریہ کو قوت ملی کہ بعد کے لوگ وسائل وذرائع کی فراوانی کے باوجود پہلے والوں کے علم وفضل کو پا نہیں سکتے، اللہ پاک نے زمانی تقدم میں وہ برکت وفضیلت رکھی ہے جس کا کوئی متبادل دنیا میں موجود نہیں ہے، اسی لئے ہر زمانہ میں خلف اپنے سلف کا احترام کرتے چلے آئے ہیں، سلف ہی اپنے اخلاف کے لئے سچے آئیڈیل ہوتے ہیں، ہر نیا عہد اپنے پہلے عہد کے سانچے میں ڈھلتا ہے اور ہمیشہ نقش ثانی نقش اول کو دیکھ کر تیار کیا جاتا ہے، حال ہمیشہ ماضی کا آئینہ دار ہوتا ہے، دین واخلاق کا معاملہ تو کچھ زیادہ ہی حساس ہے، ان کی جڑیں تو ہر حال میں ماضی کی خاک میں پیوست ہیں، سلف سے رشتہ کاٹ لیا جائے تو ان میں اور کٹی ہوئی پتنگ میں کوئی فرق باقی نہ رہ جائے گا، دین واخلاق اور علم وعمل کے اعتبار سے اب کوئی ترقی ہونے والی نہیں ہے ،ہر آنے والا وقت زوال کی ایک نئی تاریخ بناتا ہے اور ہر نئے دور کا معیار پچھلے دور سے فروتر ہوتا ہے ،یہ وہ تاریخی صداقت ہے جس پر ہر آنے والی گھڑی مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے ،اسی لئے جب کبھی بعد والوں نے اپنے پہلوں پر نکتہ چینی کی ہے اور ان کے

کئے ہوئے کاموں میں کیڑے نکالے ہیں، تو امت نے اسے مسترد کردیا ہے اور اس کو اس حدیث کا مصداق قرار دیا ہے،۔۔۔۔۔

وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا ». قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لاَ نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ إِلاَّ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ[68]

ترجمہ: جب اس امت کے آخری دور کے لوگ اس امت کے اولین لوگوں پر لعنت بھیجنے لگیں تو پھر لوگ سرخ ہوا، زمین میں دھنسائے جانے اور صورتیں مسخ کئے جانے کا انتظار کریں۔

اپنے بزرگوں کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کی جائے گی، ان کو ناقص نہیں بتایا جائے گا، یہ چھوٹوں پر بزرگوں کا حق بنتا ہے اور جو حضرات ان حدود کی رعایت نہیں کرتے وہ حق تلفی کے گنہ گار ہوتے ہیں، مجھے اس موقعہ پر شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ کی بات یاد آتی ہے، جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہے: ۔۔۔۔ شیخ نے حضرت علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "ظفرالامانی" اپنی نئی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع کی، تو شیخ کی تحقیقات کا حجم اصل کتاب سے کئی گنا زیادہ ہوگیا، کسی صاحب علم نے ان

---

[68] - سنن الترمذي]الكتاب : الجامع الصحيح سنن الترمذي ،المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي ،الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت۔

کو مشورہ دیا کہ اپنی تحقیقات کو اس کتاب کا حاشیہ بنانے کے بجائے مستقل کتابی صورت میں شائع کریں، تو شیخ نے جواب دیا کہ " باپ دادا کے پرانے مکان کی مرمت کرنا نیا مکان بنانے سے بہتر ہے"[69]

اختلاف کے حدود

میں نے مفتی صاحب کی صحبتوں میں محسوس کیا کہ بزرگوں کا احترام کیسے کیا جاتا ہے ؟کسی مسئلے میں علمی اختلاف بھی ہو تو اس کے اظہار کے آداب کیا ہیں ؟مفتی صاحب بھی کئی مسائل میں اپنی ایک رائے رکھتے تھے، مگر کبھی انہوں نے ان کی بنیاد پر اپنے مخالفین کے ساتھ توہین کا رویہ اختیار نہیں کیا، مفتی صاحب کے رجحانات ان کی اپنی ذہنیت کے عکاس تھے، ان میں کسی منفیت کا دخل نہیں تھا، یوں بھی مفتی صاحب صلح کل انسان تھے، ہزار رنج سہنے کے باوجود مزاج کی نرمی اور اخلاق کی بلندی میں فرق نہیں آتا تھا، اپنے سخت سے سخت مخالف سے ایسی خندہ پیشانی سے ملتے کہ وہ شرم سے پانی پانی ہو جاتا، ان کا تحمل ہی ان کی شخصیت کا حصار تھا، ورنہ زندگی میں بالخصوص دیوبند میں جن حالات سے وہ دوچار ہوئے اور جیسی آزمائشوں سے انہیں گذرنا پڑا کہ ان کی جگہ کوئی

---

69 - مقدمہ ظفر الامانی، تحقیق شیخ عبد الفتاح ابو غدہ ؒص

دوسرا ہوتا تو اس کے قدم اکھڑ جاتے ،۔۔۔۔۔مفتی صاحب ایک طویل عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں رہے،اس دوران وہاں کے نظم وانتظام کے معاملات میں کئی بار اتھل پتھل آئی، طلبہ کی اسٹرائیکیں ہوئیں، انقلابات آئے، انتظامیہ بدلی، مگر مفتی صاحب کا طرز عمل ہمیشہ دارالعلوم کے حق میں مخلصانہ اور منتظمین کے حق میں وفادارانہ رہا، انہوں نے کبھی دارالعلوم کی عزت ووقار پر اپنی ذات سے کوئی سوالیہ نشان لگنے نہ دیا، ایک موقعہ پر میڈیا کی طرف سے ایک سازش کے تحت دارالافتا کے خلاف فتووں کی خرید وفروخت کا الزام لگایا گیااور اس کو کافی ہوا دی گئی، لیکن اس میں مفتی صاحب کا نام کہیں نہیں آیا، اللہ پاک نے آپ کی حفاظت فرمائی، جبکہ وہ اس وقت دارالعلوم کے سب سے سینئر مفتی تھے،۔۔۔۔۔۔۔

صبر واستقامت کے پیکر

مفتی صاحب نے ساری زندگی ایک جاں نثار سپاہی کی طرح دارالعلوم کی خدمت کی اور کہیں پلٹ کر کسی صلہ یا ستائش کے طلب گار نہ ہوئے اور نہ اس سلسلے میں کسی طعن وتشنیع کی پرواہ کی، مفتی صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ دارالعلوم میں میری ملازمت ہوئی ،تو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کا دور اہتمام تھا، لیکن دارالعلوم کے صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد

مدنیؒ روحانیت اور تزکیۂ اخلاق کے باب میں مرجع خاص وعام تھے ،ان کی شخصیت کی جاذبیت اور اخلاق عالیہ نے پورے ملک کو اپنا اسیر بنالیا تھااور سیاسی اختلافات کے باوجود ہر شخص ان کے زہد وتقویٰ اور روحانیت وبزرگی کا ثنا خوان تھا ،اس وقت سارے ہندوستان میں ان کی خانقاہ سے زیادہ آب وتاب کہیں نظر نہ آتی تھی ،حضرت مدنیؒ کی شخصیت سے میں بھی متاثر ہوااور ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا، حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد اس انتساب کی بنیاد پر مجھے دارالعلوم کی انتظامیہ مدنی گروپ کا آدمی تصور کرتی تھی ،کچھ عرصہ کے بعد میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے باقاعدہ منسلک ہو گیا، بعد میں اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوا ،اب آج کی انتظامیہ (موجودہ مدنی گروپ) مجھے قاری طیب صاحبؒ کے گروپ کا آدمی سمجھتی ہے ، جبکہ ہر انتظامیہ کے ساتھ میرا تعاون بدستور رہااور انتظامیہ نے مجھ سے پورا کام لیا لیکن غیریت کی دیواریں ہمیشہ قائم رہیں، یہ میری زندگی کا المیہ ہے ۔۔۔۔

۱۹۸۳ء کے انقلاب میں دیگر علمی اثاثوں کے ساتھ مفتی صاحب کی خود نوشت سوانح حیات بھی ضائع ہو گئی ،اگر وہ کتاب آج موجود ہوتی تو مفتی صاحب کی زندگی کے کئی گم شدہ حصے روشنی میں آتے اور بہت سے رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھتا، مفتی صاحب نے قریب نصف صدی تک دارالعلوم کی خدمت کی ،ان کی زندگی دارالعلوم کے قریب

پچاس سالہ دور کی خاموش تاریخ تھی، جس پر مصلحت کی بڑی دبیز چادر پڑی رہتی تھی ،ہندوستان کی جنگ آزادی سے لیکر دارالعلوم کے عہد انقلاب تک بہار وخزاں کے نہ معلوم کتنے موسم انہوں نے دیکھے تھے، کتنے ہی اداروں اور شخصیات کے عروج وزوال کے مشاہدات کی تاریخ ان کی نگاہ میں تھی، انہی چیزوں نے ان کی فکر وزبان کو بہت محتاط بنادیا تھا، وہ عام حالات میں کسی پر تبصرہ کرنا پسند نہیں کرتے تھے، وہ کتاب و قلم کے آدمی تھے، میں نے جب دیکھا کوئی کتاب ان کی آنکھوں سے لگی ہے یا پھر قلم ان کی انگلیوں میں جنبش کر رہا ہے۔

مفتی صاحب کی مجلسیں

عصر سے مغرب تک بالعموم ان کے یہاں مجلس لگتی تھی، جس میں کچھ بے تکلف طلبہ شریک ہوتے تھے، ان کے دوستوں میں اکثر فضلو بھائی (جناب مولانا فضل الرحمن صاحب در بھنگوی استاذ شعبۂ خطاطی دارالعلوم دیوبند)، حکیم عزیز الرحمن صاحب اعظمیؒ سابق پروفیسر طبیہ کالج دارالعلوم دیوبند و محقق شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند)شریک رہتے تھے، کبھی کبھی حضرت علامہ مولانا محمد حسین بہاری صاحبؒ محدث دارالعلوم دیوبند بھی مجلس کو رونق بخشتے تھے، بڑی سادہ اور بے تکلف مجلس ہوا کرتی تھی ،مفتی صاحب کی طرف سے چائے کا دورانیہ ہوتا تھا اور کسی شریک مجلس کی طرف سے

چائے کے لوازم کا انتظام کیا جاتا تھا، مختلف موضوعات پر کھل کر گفتگو ہوتی تھی، ہر شخص کو اظہار خیال کی آزادی ہوتی،

حکیم عزیز الرحمن صاحب بڑے مجلسی آدمی تھے، لطائف وظرائف کی ان کے پاس کمی نہیں تھی، ان کی ایک ایک بات پر کبھی پوری مجلس قہقہہ زار ہو جاتی، نادر تجربات اور تاریخی واقعات کا پورا خزانہ ان کے دماغ میں محفوظ تھا، باتیں ایسے پتے کی کرتے کہ رگ دانش پھڑک اٹھتی، ان کی زندگی میں بڑا غم تھا، اپنوں کے ہاتھ ہی بہت سے دکھ سہے تھے، لیکن ان کی مسکراہٹیں ان کے غموں کے لئے حجاب تھیں، مجھ سے بہت بے تکلفی تھی میں نے اکثر محسوس کیا کہ ان کی ہنسی میں بھی آنکھوں کی نمی نہیں جاتی اور مسکراتے ہوئے بھی ان کی شخصیت کے نہاں خانے سے اداسیاں جھانکتی رہتی تھیں،۔۔۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں تو ان کی ایک ایک بات یاد آتی ہے، میں ان کا بہت مداح تھا اور کبھی مجلس میں نہ ہوتے تو بڑی کمی محسوس ہوتی تھی، دیوبند کے بحر ناپیدا کنار میں آج بہت کچھ ہے لیکن وہ در آبدار کہیں نظر نہیں آتا۔

مولانا فضل الرحمن صاحب (فضلو بھائی) خاموش طبع آدمی تھے، مفتی صاحب کے ہم خیال، ان کی تحریروں کے مزاج شناش اور علمی امور کی اشاعت میں ان

کے دست راست تھے ،بہت نیک صالح آدمی تھے ،دیوبند کے ایک محلہ میں کرایہ پر رہتے تھے ،بولتے کم تھے مگر سننے کا حوصلہ وسلیقہ قابل رشک تھا،ہر ایک کی بات پوری بشاشت کے ساتھ سنتے ،میں ان کے اس حوصلہ کی داد دیتا تھا،واقعی فضلو بھائی بڑی فضیلتوں کے مالک تھے۔

حضرت علامہ مولانا محمد حسین بہاریؒ

حضرت علامہ بہاریؒ تو استاذ الاساتذہ تھے ،دارالعلوم میں ہر شخص ان کا احترام کرتا تھا،وہ جس کو چاہتے تنبیہ کرسکتے تھے ،ان کے سامنے کسی کو پر مارنے کی مجال نہیں تھی ،بارہا میں نے بزرگ اساتذہ پر بھی ان کی چھڑی اٹھتے ہوئی دیکھی اور ہر آدمی پوری بشاشت وسعادت مندی کے ساتھ اسے قبول کرتا،اس شان وصفات کی شخصیت پورے دیوبند میں اس وقت حضرت علامہؒ کے سوا کوئی نہ تھی، بے پناہ ضعف وپیری کے باوجود درس اور نماز باجماعت پر ان کی استقامت ضرب المثل تھی ، یہ ان کے تقویٰ اور مقام ولایت کی علامت تھی،یہ بات میں نے نہ اس دور کے دیوبند میں دیکھی اور نہ اس کے بعد کہیں ،حضرت علامہؒ کو دیوبند کی مٹی سے اتنا پیار تھا کہ اس میں دفن ہونے کی آرزو میں دیوبند سے باہر ہر طرح کی طویل آمد ورفت چھوڑدی تھی،اپنی موت کے بارے میں ان کی دو تمنائیں کافی مشہور تھیں ،ایک یہ کہ حدیث پڑھاتے ہوئے ان کی موت ہو،

دوسرے دیوبند کی مٹی میں اپنے مشائخ کے جوار میں دفن ہوں ،اللہ پاک نے ان کی دونوں آرزوئیں پوری فرمائیں، فرحمہ اللہ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی تمنا ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

حضرت علامہ علماء و محدثین دیوبند میں بلند مقام کے حامل تھے ،افسوس ان کے افادات ترمذی وابو داؤد محفوظ نہ رہ سکے کہ آج کی نسلوں کو بھی ان کے علمی مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا، البتہ ان کے تلامذہ جانتے ہیں کہ ان کا درس کس قدر جامع اور علوم و معارف کا گنجینہ ہوتا تھا، مختصر جملوں میں بڑی بڑی بحثوں کا خلاصہ پیش کر دیتے تھے ،ان کی چند سطریں گھنٹوں کی تقریروں پر حاوی ہوا کرتی تھیں اور اتنے نپے تلے انداز اور سادہ لب ولہجہ میں گفتگو کرتے کہ ہر طالب علم کے لئے وہ قابل فہم ہوتی تھی ،اہم بات یہ تھی ان کا درس محض چند نقول کا مجموعہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس میں اجتہادی شان نمایاں ہوتی تھی ،اس میں محدثین وفقہاء کی آراء کے ساتھ خود علامہ کے علم و حکمت کے بحر ذخار کی جولانی بھی شامل ہوتی تھی ، نیز ان کی آواز کی گھن گرج اور الفاظ و تعبیرات اور لب ولہجہ کی

شوکت اس میں وہ اثر انگیزی پیدا کرتی کہ سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، پورے حلقۂ دیوبند و سہارن پور میں ان کے درس ترمذی کو امتیازی شہرت حاصل تھی، میں نے جو ان کا دور پایا ان کا زور و شباب رخصت ہو چکا تھا، ضعف و پیری کا غلبہ تھا، مزید حالات کی نبرد آزمائیوں نے ان کو دل شکستہ کر دیا تھا، اکابر اور اکثر معاصرین کے رخصت ہو جانے کے بعد وہ اپنے کو تنہا محسوس کرتے تھے، اب زندگی سے ان کی وابستگی ایک مسافرانہ توقف سے زیادہ نہ تھی، کہہ سکتے ہیں کہ ایک چل چلاؤ کا وقت تھا، میں نے ان سے ترمذی کے بجائے ابو داؤد پڑھی ہے، لیکن جس اعتماد اور جامعیت کے ساتھ وہ بحث کرتے تھے اور موضوع پر مکمل حاوی ہو کر گفتگو فرماتے اور کلیات و جزئیات کا احاطہ فرماتے کہ ان کا درس آواز کی نقاہت کے باوجود سب سے منفرد اور سب سے مکمل ہوتا تھا، ان کا درس محفوظ کر لینے کے بعد ان مسائل میں کسی کے درس کی علمی حاجت باقی نہیں رہ جاتی تھی، اس بات کا زیادہ اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں نے امتحان کے موقعہ پر حضرت علامہؒ کے افادات کے نوٹس کا مطالعہ کیا، میری عادت اپنے اساتذہ اور مشائخ کی درسی تقریریں نوٹ کرنے کی تھی، تو علامہ کے دروس کی جامعیت دیکھ کر حیران رہ گیا، کھنڈرات کے اس تب و تاب سے محلات کے شان و شکوہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، میں نے سوچا حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر المدرسین و شیخ الحدیث دار العلوم

دیوبند نے عرب مہمانوں کے سامنے علامہ کا تعارف ان لفظوں میں عبث نہیں کرایا تھا "ھذاامام المنطق و الفلسفۃ " حضرت علامہ سے اس وقت زیادہ تر منطق وفلسفہ کی کتابیں متعلق تھیں اور علامہ نے اس فن میں وہ دھوم مچائی تھی کہ خیر آباد اور ٹونک کی درسگاہوں کی یاد تازہ ہوگئی تھی،۔۔۔پھر جب حدیث میں قدم رکھا تو دیوبند کی درسگاہ حدیث کا وقار بلند کیا اور حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت علامہ کشمیریؒ ،حضرت عثمانیؒ، حضرت مدنیؒ اور حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کے درس حدیث کے تاریخی تسلسل کو آگے بڑھایا، ان کے طرز تدریس کو فنی بلندی اور علوم وافکار کو وسعت وگہرائی بخشی، اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اپنے کرم کی آغوش میں ان کو جگہ عنایت فرمائے آمین۔

حضرت علامہؒ کبھی بظاہر تلخ لب ولہجہ میں بھی بات کرتے تھے، مگر اس میں بھی ان کی شفقت پوشیدہ ہوتی تھی، بظاہر بہت بارعب لیکن اندر پھول سے بھی زیادہ نرم، ہر ایک کے مخلص وخیر خواہ، میں ایک کم عمر طالب علم تھا اور ان کا ادنیٰ ترین شاگرد، لیکن بہت محبت فرماتے تھے ،زجر وتوبیخ سے بھی نوازتے تھے اور تحسین بھی فرماتے تھے ،میری پہلی کتاب "منصب صحابہ "(جو اصلاً عہد طالب علمی کی تالیف ہے) کی اشاعت کی نوبت آئی تو بزرگوں سے تقریظات لکھوانے کی میں نے کوشش کی، میری خواہش تھی کہ

حضرت علامہؒ سے بھی درخواست کروں، بعض لوگوں نے مجھے ڈرایا کہ ان سے تقریظ لکھوانا آسان نہیں ہے، لیکن میں نے ہمت کر کے ان سے درخواست کی اور اپنی کتاب کا کتابت شدہ حصہ ان کو دکھلایا، انہوں نے بہت پسند کیا اور بآسانی تقریظ لکھنے کے لئے راضی ہو گئے اور خلاف توقع زور دار تقریظ لکھی اور اس کو اپنے موضوع کی پہلی کتاب قرار دیا۔

مفتی صاحب کی علمی شخصیت اور علاقائی نسبت کی بنا پر کبھی کبھی حضرت علامہ عصر کے بعد کی مجلس میں مفتی صاحب کے یہاں تشریف لاتے تھے، مفتی صاحب علامہ کا بہت زیادہ احترام فرماتے تھے، جب تک وہ مجلس میں ہوتے زیادہ گفتگو نہیں کرتے تھے، مرکزی جگہ پر حضرت علامہ کے لئے گاؤ تکیہ رکھ دی جاتی اور وہ اس پر نیم دراز کیفیت میں تشریف رکھتے، ان کی عصا ان کے پاس ہوتی، جو بات کسی کو تفہیم سے سمجھ میں نہ آتی وہ ان کے ڈنڈے سے سمجھ میں آجاتی تھی، ایسی برکت والی چھڑی وہ بھی بڑی عمر والوں کی تنبیہ کے لئے ان کے بعد کبھی نہیں دیکھی۔

جب یہ مجلسیں میری قیام گاہ پر ہونے لگیں

جب میں دارالعلوم میں معین المدرس ہوا تو مفتی صاحب کی یہ مجلسیں اکثر میری قیام گاہ (دار جدید کمرہ نمبر ۲) میں منعقد ہونے لگیں، مگر ان میں حضرت علامہ کی

شرکت کبھی نہ ہو سکی، البتہ شرکاء میں میرے دوست مولانا طارق بن ثاقب پورنوی کا اضافہ ہوا جو مجھے ازراہ محبت علامہ سے پکارتے تھے اور میں بھی جواباً ان کو علامہ ہی کہتا تھا ،میرے بڑے قدردان تھے ،میں بھی ان کے فکر وفن اور شعری صلاحیتوں کا بڑا قائل تھا، طارق صاحب کی وجہ سے اکثر یہ مجلسیں ادبی نشستوں میں تبدیل ہو جاتی تھیں، ان کا یہ شعر میرے نہاں خانۂ ذہن میں آج بھی تر و تازہ ہے:

ؔ طویل عمر ہے درکار اس کے پڑھنے کو
ہماری داستاں اوراق مختصر میں نہیں

اللہ پاک جزائے خیر سے نوازیں، جامعہ ربانی قائم ہوا تو کچے دھاگے میں بندھے ہوئے وہ منوروا چلے آئے، جامعہ کے ایک سالانہ جلسہ میں شریک ہوئے اور اپنا یادگار ترانہ جامعہ کو پیش کیا، جس کو آج بھی ہمارے طلبہ اپنے پروگراموں میں گنگناتے ہیں، انٹرنیٹ پر بھی اس ترانہ کو سنا جا سکتا ہے، اس کے چند اشعار یہ ہیں:

ؔ یہ منبع علم و عرفاں ہے، یہ مظہر دین ہدایت ہے
یہ مرکز دعوت وایماں ہے، یہ مخزن فہم و فراست ہے
یہ گلشن دین محمد کی ہے باد بہاری کا مسکن،
ہر رنگ کے پھولوں کا مخزن، ہر پھول کی خوشبو کا مامن

یہ نسبت ساقی کوثر سے احمدؔ کا حسیں میخانہ ہے

لبریز خلوص باطن سے محفوظؔ کا ہر پیمانہ ہے

سر خیل ہیں جس کے امیر حسنؔ، تابندہ روایت کے حامل

مقبول دعاؤں کے طالب، پائندہ سعادت کے حامل

اخترؔ کی عزیمت و کاوش کا بے مثل حسیں شہکار ہے یہ

پھیلائے گا علم و عرفاں کا، جو نور وہی مینار ہے یہ

کبھی کبھی یہ مجلس خالص ادبی رنگ اختیار کر لیتی تھی، اس میں زیادہ تر دخل حکیم عزیز الرحمن صاحب اور مولانا طارق بن ثاقب کی ادبی دلچسپیوں کا ہوتا تھا، تنقیدی ادب میں ان حضرات کا شعور کافی بلند تھا، کبھی کبھی میں بھی اپنی کوئی چیز پیش کر دیتا۔

زندگی کا پہلا سفر نامہ

مجھے خوب یاد ہے کہ انہی دنوں میں نے پہلی بار آگرہ کا سفر کیا تھا، بہت دنوں سے ہندوستان کی عجوبۂ روزگار، تاریخی شاہکار عمارت تاج محل دیکھنے کی آرزو میرے دل میں تھی، جو شاہ جہاں اور ممتاز محل کی محبت کی بے مثال نشانی کے طور پر ساری دنیا میں

مشہور ہے ،دارالعلوم کے امتحان شش ماہی کی فرصت میں میں نے سفر کا پروگرام بنایا ،جناب مولانا محمد شمیم آزاد مدھوبنی[70] بھی اس سفر میں شامل ہوئے ، اس طرح دور کنی قافلہ دیوبند سے چل کر آگرہ وارد ہوا ،جناب قاری شفیق صاحب سابق معین القاری اورحال استاذ شعبۂ قرأت دارالعلوم دیوبند اس وقت آگرہ کے ایک مدرسہ میں جو تاج کے قریب واقع تھا استاذ تھے ،وہ ہمارے میزبان بنے ،دیوبند کے زمانۂ قیام میں ہم لوگوں کا باہم اچھا تعلق تھا،انہوں نے ہمارے حسب حال بہترین ضیافت کی اور تاج کی زیارت کا بھی انتظام کیا،اس زمانے میں تاج کی زیارت کے لئے صرف دو روپے کا ٹکٹ لگتا تھا،وہ بھی کسی معمولی تعلق کی بناپر اکثر نظر انداز کردیاجاتا تھا،ہم لوگوں نے دن کے علاوہ شب میں بھی چاندنی میں ڈوبے ہوئے تاج کا نظارہ کیا، تاج کی پہلی زیارت ہی پر اس تعلق سے جتنے افسانے سنے تھے سچ معلوم ہوئے ،میں تاج محل کی تعمیر ،پس منظر اور اس کے حسن ودلکشی سے بے حد متأثر ہوا، آگرہ سے واپسی پر میں نے ایک خوبصورت سفر نامہ لکھ ڈالا ،عنوان تھا " ایک سفر منزل آرزو کی طرف " یہ سفر نامہ سے زیادہ اپنے جذبات واحساسات کا اظہار اور تاج محل کی عظمت کو ایک طرح کا خراج عقیدت تھا اور شائع

---

[70] - یہ سن فراغ میں مجھ سے ایک سال متاخر اور دارالعلوم دیوبند میں میری طرح معین المدرس تھے،اور اب دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے شیخ الحدیث ہیں۔

کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے جذبات محبت کی تسکین اور ان یادگار لمحات کو قرطاس و قلم کی قید میں لانے کی غرض سے لکھا گیا تھا، ایک دن مجلس میں سفر آگرہ کا ذکر آگیا اور اسی ضمن میں اس روداد سفر کا بھی، مجھے علم وادب کی ان عظیم ہستیوں کے سامنے اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر پیش کرنے میں تامل تھا، لیکن حکیم عزیز الرحمن صاحبؒ کی ادب نواز اور اس سے زیادہ دلنواز شخصیت بھی موجود تھی، انہوں نے اس تحریر کو پیش کرنے پر اصرار کیا، دیگر ارکان مجلس بھی میرے کمرہ ہی میں موجود تھے، اس لئے کوئی عذر قابل قبول نہ ہو سکا، میں نے وہ پوری تحریر اسی مجلس میں سناڈالی، جب میں فارغ ہوا تو تحسین وآفرین کی زور دار صدائیں بلند ہوئیں، مفتی صاحب نے اس کو ایک شاہکار تحریر قرار دیا، میرے کئی علم دوست احباب نے کہا کہ تاج محل کے مطالعہ کا ایک نیا زاویہ آپ نے پیش کیا ہے، کئی دوستوں نے اس کو تاج کا ایک بہترین تعارف قرار دیا، متعدد دوستوں کو اس سفر نامہ سے تاج کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، مفتی صاحب کی تحریک پر میں نے یہ سفر نامہ دارالعلوم کے پندرہ روزہ اخبار " آئینۂ دارالعلوم " میں اشاعت کے لئے دے دیا، آئینہ کے ایڈیٹر مولانا کفیل احمد علوی بڑے صاحب قلم اور بصیرت نگار شاعر تھے، ان کا یہ شعر آج تک میں بھول نہ سکا جو آئینہ کی کسی اشاعت کی پیشانی کی زینت بنا تھا:

کفیلؔ چاہے خلاف ادب سہی لیکن
حریم ناز کے پردے اٹھادیئے میں نے

ان کا رویہ طلبۂ دارالعلوم کے ساتھ بہت فراخ دلانہ تھا،وہ لکھنے والے طلبہ کی کافی حوصلہ افزائی فرماتے تھے،اسی لئے مجھ سے بھی محبت فرماتے تھے،ہمارے دور میں طلبہ میں اس ذوق فراواں کی کافی کمی تھی،اس لئے ہم لوگوں کی الٹی سیدھی تحریریں بھی بڑے شوق سے وہ پڑھتے اور نوک و پلک درست کرکے شائع کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے،میری تحریروں کو وہ بے تکلف اور من وعن شائع کرنے کے عادی تھے، لیکن کسی طالب علم کا سفر نامہ شائع ہو، عجیب بات تھی، آج بھی جب یہ سطریں لکھ رہا ہوں ان کی محبت کی مٹھاس دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے،اگر ان بزرگوں کی محبت قدم قدم پر اس طالب علم کے شامل حال نہ ہوتی تو آج یہ بڑی بڑی تحریریں لکھنے کے لائق نہ ہوتا،مولانا کفیل صاحب سفر نامہ دیکھ کر مسکرائے،اس پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا ،جایئے،اگلی اشاعت میں اسے شامل کردوں گا،سفر نامہ شائع ہوا،بزرگوں نے بھی بڑی حیرت کے ساتھ اس کو پڑھا،زندگی کا پہلا سفر نامہ،اس سفر نامہ کی اشاعت کے بعد حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند سے ملنے گیا (حضرت سے گاہے گاہے ملاقات کرنا میرے معمول میں شامل تھا)تو دیکھتے ہی فرمایا

"اچھا!اب تو آپ کے سفر نامے بھی شائع ہونے لگے "میں شرم سے پانی پانی ہو گیا ،۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے ،ہر ملاقات پر میری کسی نہ کسی تحریر کا تذکرہ کرتے اور تحسین فرماتے تھے ،اس سفر نامہ کا بڑی محبت کے ساتھ ذکر فرمایا،۔۔۔۔۔بزرگوں کی حوصلہ افزائی چھوٹوں کے لئے اکسیر ہوتی ہے ،اور اسی کی بدولت وہ آسمان کی بلندیوں تک پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں،اب نہ بڑوں میں وہ وسعت ظرفی اور نگاہ کریمانہ باقی رہی اور نہ چھوٹوں میں وہ احسان شناشی اور سعادت مندی۔

مجلس کے چند نو وارد احباب

مفتی صاحب کی یہ مجلسیں جب سے میرے کمرہ میں ہونے لگی تھیں ،ان کی رونق میں روز بروز اضافہ ہونے لگا تھا،اس میں میرے دوستوں کی بھی ایک تعداد شریک ہونے لگی تھی، مفتی صاحب بھی خوش تھے کہ ضیافت کے بوجھ سے آزاد ہو گئے تھے،میرا کمسن بھائی محبوب احمد فروغ قاسمی (موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم حسنیہ کیرالا) چائے تیار کرنے کی خدمت انجام دیتا تھا،میرے محرم راز مولانا حافظ محمد سعد اللہ القاسمی (مقیم حال دربھنگہ)میری طرف سے اشیاء خوردنی کا انتظام کرتے تھے ، کبھی ان کا ساتھ مولانا محمد عرفان سعیدی القاسمی دربھنگوی(مقیم حال ریاض) اور مولانا اختر حسین قاسمی سہرساوی

(مقیم حال آندھرا پردیش) بھی دیتے تھے ،اس مجلس کے چند اور مخصوص شرکاء کے نام اور صورتیں بھی میرے حافظہ میں ہیں گویا اب بھی وہ ہماری بزم کا حصہ ہوں ،ان میں مولانا فخر الاسلام قاسمی دربھنگوی (مقیم حال ریاض)مفتی ضیاء الحق مدھوبنی القاسمی (موجودہ استاذ جامعہ حسینیہ رانچی)مولانا محمد شاہد ناصری الحنفی دربھنگوی(موجودہ مدیر تحریر ماہنامہ حج میگزین ممبئی)ڈاکٹر محمد وارث مظہری سمستی پوری (موجودہ اسسٹنٹ پروفیسر مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسیٹی حیدرآباد) وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اللہ پاک ان سب کو خوش اور آباد رکھے ،اور ان کے دلوں کو بھی ماضی کی شاندار یادوں سے زندہ وتابندہ رکھے آمین۔ ؎ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

ان مجلسوں کی اہمیت

مفتی صاحب کی ان مجالس سے ذاتی طور پر مجھے بہت فائدہ پہونچا ،بہت سے تاریخی واقعات ،ذاتی تجربات ،مفتی صاحب کے مخصوص اساتذہ اور مشائخ کے حالات ،علم وحکمت کے لعل وگہر ،عبرت وموعظت کے جواہر ریزے جو بڑی کتابوں میں حاصل نہ ہوسکتے تھے وہ ان مختصر سی مجلسوں میں حاصل ہو جاتے تھے، علم سینہ میں جو بات

ہے وہ سفینہ میں کہاں؟ صحبتوں سے جو چیز ملتی ہے وہ کتابوں کی ورق گردانی سے کہاں؟ جو علم مشائخ کی صحبتوں سے چلتا ہے اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہے، اس میں معنویت بھی ہوتی ہے اور اثر آفرینی بھی، وہ دیرپا اور محفوظ بھی ہوتا ہے، اس میں قوت فکر بھی ہوتی ہے اور جذبۂ عمل بھی، نظریہ بھی ہوتا ہے اور طریق کار بھی، اس کی تفہیم کے لئے نہ کسی تفسیر کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تشکیل کے لئے کسی تنظیم کی، یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت اور علوم اسلامیہ کی حفاظت کے لئے کتابوں پر انحصار نہیں کیا گیا بلکہ صحبت ولقا کو بنیادی اہمیت دی گئی، یہ سارا کا سارا دین جو آج ہمارے پاس کتابوں کے سفینوں میں محفوظ ہے صحبتوں کے ذریعہ سے ہم تک پہونچا ہے اور صحابہ کا یہی وہ امتیاز ہے جو امت میں کسی کو حاصل نہیں، اگر صحابہ کی جماعت درمیان سے ختم کر دی جائے تو یہ سارا دین ہی بے بنیاد ہو کر رہ جائے گا۔

آج بزرگوں کی مجالس کی اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے، لوگ قرطاس وقلم اور دیگر ذیلی چیزوں میں اپنے کو الجھائے ہوئے ہیں، اور اصل طریقۂ دین کو بھول بیٹھے ہیں، پہلے ایسا نہیں تھا، مشائخ کی مجلسیں آباد ہوا کرتی تھیں، لوگ ان کو اپنی دینی ضرورت کا حصہ سمجھتے تھے، اس کے لئے باقاعدہ وقت نکالا جاتا تھا، اور زندگی کے نظام العمل میں اس کی گنجائش رکھی جاتی تھی، آج دنیا کی لائبریریوں میں ملفوظات ومجالس کا جو بے پناہ ذخیرہ

موجود ہے وہ امت کے اسی تعامل کا واضح ثبوت ہے، اگر آج بھی دین کو انہی برکتوں اور عملی صورتوں کے ساتھ محفوظ رکھنا ہے اور اس کو آنے والی نسلوں تک من و عن پہونچانا ہے تو ہمیں اسی طریقۂ زندگی کو اپنانا ہوگا جو ہم سے پہلے کے لوگوں نے اختیار کیا تھا، دین کو کتابوں سے نہیں دین والوں کی زندگیوں سے لینا ہوگا، اور اسی فکر و عمل کو اعتبار حاصل ہوگا جو دین کے اصل حاملین کے ذریعہ آیا ہو، کتاب و قلم تحفظ دین کا محض ثانوی ذریعہ ہیں، اس کی وجہ سے اصل ذرائع دین کو فراموش کر دینا بہت بڑا دینی نقصان اور حماقت ہے، موجودہ حالات کی بے حسی پر کسی شاعر کا یہ طنز بڑی حد تک حقیقت معلوم ہوتا ہے:

ے نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اور یہ غالباً شیخ رومیؒ کی اس فکر کا عکس جمیل ہے، جو ان کے ایک مشہور شعر میں پیش کیا گیا ہے:

ے صد کتاب و صد ورق در نار کن   جان و دل با جانب دلدار کن

مفتی صاحب عہد سلف کی یادگار تھے

حضرت مفتی صاحب اسی عہد سلف کی باقیات صالحات میں سے تھے جن کی معنوی برکات نے دین کے پورے نظام کو سہارا دیا ہوا تھا، وہ انہی نظریات واقدار کے

علمبر دار تھے جو ہر دور کے معتبر اصحاب دین کے رہے ہیں، وہ بزرگوں کی اس وراثت کو کسی آن اپنے سینہ سے الگ کرنے کے قائل نہ تھے، وہ نرم گو اور نرم جو انسان تھے لیکن فکر وعقیدہ کی پختگی ان کے ایمان کا جزو تھا اور دینی تصلب سے دستبر دار ہونا ان کے اصولوں کے خلاف تھا۔

مفتی صاحب اس دور میں عبا قرۂ روز گار میں تھے، مفتی صاحب کی شخصیت پر بہت سے مضامین آئے ہیں، لیکن میں اپنی اس تحریر میں ان کی شخصیت کے ان عناصر اور اپنے ذاتی مشاہدات کے ان حصوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں، جن کو مفتی صاحب کا امتیاز اور انفرادیت کہا جا سکتا ہے اور جن کی بدولت علم وعلماء سے لبریز ہندوستان میں مجھے مفتی صاحب ایک تنہا انسان نظر آتے تھے، مثلاً :

تاریخی حسیت اور جذبۂ اعتراف کی بلندی

☆مفتی صاحب کی دینی و تاریخی حسیت اور جذبۂ اعتراف کی بلندی کافی نمایاں تھی، اسی کا اثر تھا کہ وہ ہندوستان میں علماء اور مشائخ کی خدمات اور ان کے خانوادوں کو بڑی قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ کسی بھی کام یا فرد کو اس کے تاریخی پس منظر میں دیکھتے تھے، اور اسی لحاظ سے اس کی قدر وقیمت کا تعین کرتے تھے، وہ خاندانی نجابت اور تاریخی تسلسل کے بڑے قدر دان تھے، وہ قوم وملت کی قیادت اداروں اور تنظیموں کی

سربراہی کے لئے خاندانی افراد کو ترجیح دیتے تھے، ان کا شعور ویقین ہمیشہ اس نکتہ پر مرکوز رہتا تھا کہ نسل اور خون کے اثرات ہوتے ہیں اور اچھے خاندان کے افراد سے ہی بلند توقعات رکھی جاسکتی ہیں، باب سیاست کی مشہور حدیث " **الأئمة من قريش** "امامت وقیادت خاندان قریش میں رہے گی) اس میں اسی فطری حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

الأئمة من قريش صحيح لغيره وهذا إسناد قوي[71]

اسی طرح ایک روایت کے الفاظ ہیں:

لاَ يَزَالُ هَذَا الأَمْرُ فِى قُرَيْشٍ مَا بَقِىَ مِنَ النَّاسِ اثْنَانِ [72]

ترجمہ: یہ قیادت قریش کے لئے ہمیشہ رہے گی جب تک کہ دو آدمی بھی اس خاندان کے باقی ہوں۔

---

[71] - **مسند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني ج 4 ص 421 الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة، سنن النسائي الكبرى لأحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي ج 3 ص467 الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت الطبعة الأولى ، 1411 – 1991.**

[72] - **صحيح مسلم ج 6 ص 2 حديث نمبر 4807 الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـــ بيروت**

خاندانی لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ

یہ بات ان کی زبان سے زیادہ ان کے عملی برتاؤ اور سلوک میں نظر آتی تھی ،میں نے بارہا تجربہ کیا کہ وہ ملک کے مشائخ اور بزرگوں کے خاندان کے ایک ایک فرد کا بے پناہ احترام کرتے تھے ،اپنے سے عمر اور علم وفضل میں بہت چھوٹے چھوٹے لوگوں کے ساتھ بھی ان کا رویہ انتہائی متواضعانہ ہوا کرتا تھا، مشہور علمی گھرانوں کی تو بات ہی کچھ اور ہے ،ہم جیسے گمنام علمی گھرانوں کے افراد کے ساتھ بھی ان کا معاملہ حیرت انگیز حد تک فراخ دلانہ تھا، مجھے بہار کے ایک ممتاز علمی اور روحانی خاندان کا فرد ہونے کی نسبت سے "اکثر "پیرجی "سے مخاطب فرمایا کرتے تھے ،اور کہتے تھے کہ ہندوستان دیوی دیوتاؤں کی سرزمین ہے، یہاں جو مقام اور عزت واحترام پیروں کو مل سکتا ہے وہ کسی کے لئے ممکن نہیں، کسی خاندان مشائخ سے نسبت کو وہ اللہ کی بہت بڑی نعمت قرار دیتے تھے اور اس سے فائدہ اٹھانے پر بڑا زور دیتے تھے ،ایک مشہور علمی اور نقشبندی خانوادہ کے چشم وچراغ اور ممتاز عالم دین ۔۔۔۔کے بارے میں کئی بار فرمایا کہ ان کو خانقاہی زندگی کی طاقت وافادیت میں نے بتائی ،ورنہ وہ پہلے ادھر زیادہ رجحان نہ رکھتے تھے، تجربہ کے بعد وہ میری بصیرت کے قائل ہوگئے ،ان کو بھی مفتی صاحب "پیرجی "ہی کہا کرتے تھے ،اور ان کا بے پناہ احترام ان کے دل میں تھا،۔۔۔یہی چیز ان کو بزرگوں کے آستانوں

تک لے جاتی تھی، پورے ملک کے اکابر علماء ومشائخ سے ان کا رابطہ تھا، ہر سال رمضان میں خانقاہ مونگیر اعتکاف کے لئے تشریف لے جاتے تھے،--------

الٰہ آباد حضرت پرتا بگڈھیؒ کی بارگاہ میں

میرے جد امجدؒ سے عقیدت کی بناپر منورواتشریف آوری کی بھی ان کی خواہش تھی، جب مجھے تلمذ کا موقعہ ملا، میں نے ان سے منورواتشریف لے چلنے کی درخواست کی ،بخوشی اس کے لئے راضی ہوگئے ، مگر اس کے ساتھ ہی ان کے دل کی ایک اور آرزو سامنے آگئی ،الٰہ آباد میں سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک ممتاز صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ اپنی روحانیت اور قوت تاثیر کے لئے بے پناہ شہرت رکھتے تھے ،اور ان کی نسبت سے الٰہ آباد شہر پورے ملک کے لئے مرجع عام وخاص بنا ہوا تھا، مفتی صاحب کو ان کی ملاقات کا بڑا اشتیاق تھا، میرے لئے بھی یہ بڑی سعادت کی بات تھی، گو کہ میری ابتدائی تعلیم مدرسہ وصیۃ العلوم الٰہ آباد میں ہوئی تھی اور تقریباً دو سال کا عرصہ (۱۳۹۹ھ تا ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۰ء) میں نے وہاں گذارا تھا، لیکن ایک تو میری کمسنی اور لاشعوری کا وقت تھا، دوسرے میری طبیعت میں شروع سے ہی کم آمیزی حد سے زیادہ ہے ،علاوہ ازیں اس وقت تک حضرت پرتا بگڈھیؒ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار تک نہیں پہونچا تھا، یہی وجہ ہے کہ تقریباً دوسال کے پورے عرصہ

میں ایک بار بھی میں نے حضرتؒ کا اسم گرامی کسی شخص کی زبان سے نہیں سنا، آج یہ سعادت مجھے دیوبند سے الٰہ آباد واپس لارہی تھی، نیز اپنی مادر علمی کی زیارت اور اپنے پرانے اساتذہ سے ملنے کا شوق بھی دامن گیر تھا۔۔۔ہم لوگ دیوبند سے میر ٹھ پہونچے ،میر ٹھ میں سنگم اکسپریس پر سوار ہو کر دوسرے دن صبح نو دس بجے ہم لوگ الٰہ آباد پہونچ گئے ،رکشہ سے سیدھے حضرت پرتا بگڈھیؒ کے آستانہ پر پہونچے، حضرت کا اپنا کوئی آشیانہ نہیں تھا،ان کا قیام ڈاکٹر ابرار احمد صاحب کے مکان پر تھا، ایک مکمل مسافرانہ زندگی،مؤمن کامل کا شاندار نمونہ،ڈاکٹر صاحب کے عالیشان مکان کا نچلا حصہ حضرت کے لئے مخصوص تھا،وہیں پر واردین وصادرین کے لئے بھی انتظام تھا،پہلے سے کوئی اطلاع نہیں تھی اچانک پہونچنے پر حضرت بے انتہا مسرور ہوئے، مفتی صاحب ایک معروف شخصیت کے مالک تھے،ان کی کتابیں علماء کے لئے حوالہ کا درجہ رکھتی ہیں،الٰہ آباد کے اکثر علماء کی نگاہ سے مفتی صاحب کی کتابیں گذر چکی تھیں،خانقاہ میں آپ کی تشریف آوری سے مسرت کی لہر دوڑ گئی، حضرت سے ملاقات اور ہلکے پھلکے ناشتہ کے بعد دوپہر کا کھانا حضرت شاہ وصی اللہ الٰہ آبادیؒ کے منجھلے داماد اور حضرت پرتا بگڈھیؒ کے متوسل اور معتمد خاص، ممتاز عالم ربانی حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم کے یہاں ہوا مولانا الٰہ آبادی کا رویہ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ بڑا نیاز مندانہ

تھا، وہ بار بار اظہار نیاز مندی کے طور پر فرماتے تھے کہ حضرت! میں نے اپنی فلاں کتاب میں آپ کی فلاں کتاب سے استفادہ کیا ہے، آپ تو میرے استاذ کے درجے میں ہیں ۔۔

مدرسہ وصیۃ العلوم الٰہ آباد

دوپہر کے کھانے کے بعد ہم لوگ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خانقاہ اور مدرسہ حاضر ہوئے، جہاں میں نے طالب علمی کے دو سال گذارے تھے، جو میری مادر علمی ہے اور جہاں میرے اساتذہ موجود تھے، وہاں پہونچ کر عہد طالب علمی کی تمام یادیں تازہ ہو گئیں، خانقاہ اور مدرسہ کی عمارتیں جوں کی توں تھیں، خانقاہ کی وہ کھپڑا پوش خام عمارت آج بھی اسی طرح بڑی سڑک کے کنارے کھڑی لوگوں کے لئے خاموش درس عبرت تھی جہاں میرے لڑکپن کے صبح و شام گذرے تھے، اس کے ایک ایک ذرہ سے پیار محسوس ہوا، میکدہ اسی طرح آباد تھا، ساقی بھی وہی تھے، البتہ پرانے میخوار جا چکے تھے ،اس دور کی ساری صورتیں شیشۂ خیال پر تازہ ہو گئیں، نہ معلوم کس نے کدھر کی راہ لی؟ اور کون کس صحرا کا مسافر ہوا؟ دل میں ایک لہر سی پیدا ہوئی، کسی نے سرگوشی کی

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہار سوا شدیم

خانقاہ شاہ وصی اللہؒ کے مسند نشیں حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب دامت

برکاتہم، حضرت مولانا محمد عرفان صاحب دامت برکاتہم اور کئی اساتذۂ کرام سے شرف نیاز حاصل ہوا، تمام حضرات نے حضرت مفتی صاحب کا خیر مقدم کیا اور ہم ان کی دعائیں اور محبتیں لیکر وہاں سے رخصت ہوئے۔

مدرسہ دینیہ غازی پور کی آغوش میں

سہ پہر میں ایک لوکل ٹرین الٰہ آباد سے غازی پور جاتی تھی، ہم لوگ اسی پر سوار ہوئے ،اس زمانہ میں سفر کے لئے ریزرویشن وغیرہ کے تکلفات زیادہ نہیں تھے ،اتفاق سے ایک سنسان مقام پر ریل کا انجن فیل ہو گیا، بنارس سے دوسرا انجن منگوانے میں پورے پانچ گھنٹے صرف ہوئے،اس طرح ہم لوگ غازی پور شام کے بجائے شب کے تقریباً ایک بجے پہونچے،اب اتنی گئی رات میں بلاعلم واطلاع کہیں جانا آسان نہ تھا،لاچار ہم لوگوں نے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں وقت گذارنا زیادہ آسان محسوس کیا، صبح فجر کے بعد ہم مدرسہ دینیہ شوکت منزل حاضر ہوئے،زندگی کے قیمتی ماہ وسال انہی درودیواروں کے سایے میں گذرے تھے،میری زندگی کو زندگی بنانے میں ان کا بڑا حصہ ہے، آج جو کچھ بھی میرے پاس ہے یہ خزانہ وہیں کا ہے،ساری بہار اسی پود کا نتیجہ ہے جو وہاں کی آب وہوا میں لگائی گئی تھی، مجھے مدرسہ دینیہ کی اس عمارت سے بے پناہ محبت ہے، آج بھی اس کا تصور کرتا ہوں ،اس احاطے میں بیتے ہوئے دنوں کو یاد کرتا ہوں تو پورا وجود گمشدہ

مسرتوں کے خیال سے سر شار ہو جاتا ہے، آج وہ عمارت اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہے ،اور نہ وہ کاروبار علم وہاں جاری ہے ،لیکن میری یادوں کی سر زمین پر وہ کھنڈرات ہمیشہ باقی رہیں گے اور ماضی کی یہ حویلیاں ہمیشہ مجھے مستقبل کی روشنی دیتی رہیں گی انشاء اللہ:

دیکھ آکر میرے اجڑے ہوئے دل کی رونق ؎
کیسی بستی تری یادوں کی بسار کھی ہے

لیکن جن دنوں کا یہ قصہ ہے یہ عمارت جوں کی توں بر قرار تھی، علم وفن کی بساط بھی بچھی ہوئی تھی ، خمخانۂ محبت بھی اسی طرح جاری تھا،رندوں کی آمد ورفت بھی قائم تھی،گنگا سے اٹھتی ہوئی لہریں ہر روز اس عمارت کی عظمتوں کو سلام کرتی تھیں،قدسیوں کا ایک پورا قافلہ وہاں قیام پذیر تھا،وہاں موجود لوگوں میں حضرت مولانا صفی الرحمن صاحب ،حضرت مولانا مختار احمد صاحب اساتذۂ درجۂ عربی اور جناب مولانا قاری شبیر احمد صاحب استاذ درجۂ حفظ خاص طور پر قابل ذکر ہیں،یہ حضرات ہماری اچانک آمد پر بے انتہا مسرور ہوئے ،بالخصوص حضرت مفتی صاحبؒ کی تشریف آوری اس ادارہ کے لئے بڑی نعمت غیر مترقبہ تھی ،مدرسہ میں ایک جشن کا ماحول بن گیا ،غالباًامتحان سالانہ کی تیاریاں چل رہی تھیں اس لئے کوئی اجتماعی پروگرام نہیں ہو سکا ،باقی ہر لحاظ سے مفتی صاحب سے استفادہ کیا گیا،۔۔۔۔۔

منورواشریف–پہلی آمد

یہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ منورواشریف کے لئے روانہ ہوئے،راستے کی دشواریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم لوگ ۲۷ /رجب المرجب ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۶/مارچ ۱۹۸۸ء بدھ کی شام منورواحاضر ہوئے،حضرت مفتی صاحب کی یہ پہلی تشریف آوری تھی،اس لئے ان پر خاص کیفیت چھائی ہوئی تھی،وہ ہمارے یہاں کے خانقاہی معمولات میں پورے انہماک کے ساتھ شریک رہے،میرے والدماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب بھی بہت مسرور تھے،والد صاحب سے مفتی صاحب کی پہلی ملاقات تھی،لیکن افراد خانہ کی طرح ملے،جد امجدؒحضرت مولاناسید احمد حسن منورویؒ اور جد اکبر حضرت مولاناعبدالشکور آہؔمظفرپوریؒ سے اپنی ملاقات اور انتساب کا تذکرہ کیا ،حضرت مولاناعبدالشکورؒ سے تو عہد طالب علمی میں پٹنہ مدرسہ شمس الہدیٰ میں ان کی ملاقات ہوئی تھی،مفتی صاحب کے استاذ حضرت مولاناعبدالرحمن صاحبؒ امیر شریعت خامس بہارواڑیسہ حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ مظفر پوری کے تلمیذ رشید تھے،مفتی صاحب امتحان دینے کے لئے مدرسہ شمس الہدیٰ پہونچے تووہاں ان کی ملاقات حضرت آہؔ سے ہوئی،حضرت مولاناعبدالرحمن کی نسبت سے حضرت آہؔ نے بڑی شفقت کا معاملہ فرمایا،-----

حضرت منورویؒ سے ان کی ملاقات مونگیر جاتے ہوئے ٹرین میں ہوئی تھی ،جس کا مختصر تذکرہ پہلے آچکا ہے ، مفتی صاحب نے والد صاحب سے فرمایا کہ حضرت منورویؒ سے میں نے اپنی ایک باطنی کمی کا بھی تذکرہ کیا تھا، حضرت نے ایک وظیفہ بتایا ،اس کے پڑھتے ہی اسی آن میرا قلب ذاکر ہو گیا، اور وہ بیماری جاتی رہی،۔۔۔

منوروا کے ایک قدیم فاضل دیوبند جناب مولانا عبدالحق صاحب (ریٹائرڈ شعبۂ فوج) نے والد صاحب سے بیان کیا کہ میں اپنی عہد طالب علمی میں اکثر مفتی صاحب سے ملنے جاتا تھا، تو بارہا میں نے دیکھا کہ وہ حضرت منورویؒ کے شجرہ والی کتاب سامنے رکھ کر محو دعا ہیں، یہ ۱۹۶۵ء یا ۱۹۶۶ء کی بات ہے۔

اس کے بعد مفتی صاحب بارہا میرے گھر تشریف لائے، اور ہر تشریف آوری پر میری کیفیت اس شعر کی عکاس رہی:

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

میری شادی (اپریل ۱۹۹۳ء) میں تشریف لائے، بارات کے ساتھ لادھ کپسیا (ضلع سمستی پور) تشریف لے گئے، نکاح پڑھایا، شب میں وہیں قیام فرمایا، دوسرے دن شام میں مہمانوں کے ساتھ واپس تشریف لائے، وغیرہ۔۔۔ان کی ان عنایات کا خیال

کرتا ہوں تو میر ارواں رواں جذبات تشکر سے سرشار ہو جاتا ہے، جامعہ ربانی کے قیام میں کافی سرگرم رہے، شہر سمستی پور میں میری تحریک کی شکست پر کافی دلگیر تھے اور چاہتے تھے کہ ضرور اس کی تلافی کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، میں بھی بہت دل شکستہ تھا ،انہوں نے میرا حوصلہ بڑھایا اور مسلسل خطوط کے ذریعہ مجھے دوبارہ مدرسہ کے قیام کے لئے آمادہ فرمایا، نام اور مقام کی تجویز میں شرکت فرمائی، مدرسہ کے قیام کے بعد اس کے کئی سالانہ جلسوں میں شریک ہوئے، مدرسہ کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا، مدرسہ کی رفتار ترقی سے وہ مطمئن ہی نہیں قادر مطلق کی کارسازی پر حیران بھی تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں ہی مدرسہ کی شاندار عمارت دیکھی اور سمستی پور کے لٹے پٹے قافلے کو نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ محو سفر بھی دیکھا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔۔۔۔

قافلہ سالار کی آخری وصیت

آخری بار وہ جامعہ کے ایک اجلاس میں تشریف لائے، وہ تقریر ان کی آخری تقریر تھی، اس میں انہوں نے گویا اپنا قلب و جگر نکال کر رکھ دیا، نہ کوئی جوش و خروش تھا، نہ کوئی نعرۂ انقلاب، ایک خاموش دریا تھا جو بہہ رہا تھا، اس خطاب میں انہوں نے میرے خاندان سے اپنے تعلقات کی تاریخ پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور فرمایا کہ:

" میرا تعلق اس خاندان سے مسلسل چار پشتوں سے ہے، اور اپنے تجربات

ومشاہدات کی روشنی میں میری شہادت یہ ہے کہ اس خاندان نے ہمیشہ دین کی سربلندی اور قوم وملت کی فلاح کے لئے کام کیا ہے، یہ اللہ والوں کی ایک جماعت ہے جو اس علاقہ میں خیمہ زن ہے، یہ قدسیوں کا قافلہ ہے جو اس سرزمین پر پڑاؤ ڈالے ہوا ہے، یہ نور الٰہی کا نیر تاباں ہے جس سے پورے بہار میں روشنی پھیل رہی ہے، اس چراغ سے کتنے چراغ روشن ہوئے، کتنے دلوں نے زندگی پائی، یہ وہ شہاب ثاقب نہیں جو ٹوٹ کر گم ہو جائے ،بلکہ ایک جگمگاتا ہوا نور ہے، جو تسلسل کے ساتھ اپنا کام کر رہا ہے، میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اس نور کی کرنوں نے پورے آفاق کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے ،-----"[73]

ان کی تقریر سے صاف طور پر محسوس ہوتا تھا کہ یہ اڑ جانے والا پرندہ ہے ،اور یہ الوداعی خطاب ہے، یہ تقریر سے زیادہ ایک قافلہ سالار کی اپنی قوم کے نام وصیت ہے------

مفتی صاحب کا یہ آخری سفر تھا، اس کے بعد مفتی صاحب دیوبند سے ریٹائرڈ ہو کر مستقل اپنے گاؤں پورا ضلع دربھنگہ میں رہنے لگے، بظاہر بہت قریب آگئے لیکن جسم وجان کی معذوری نے ان کو کہیں جانے کی اجازت نہیں دی، ایک بار میں نے اور ایک بار

---

73 - مفتی صاحب کی تقریر سے ایک اقتباس، خلاصہ

والد صاحب نے ان کے گاؤں جاکر عیادت کی، پھر اس مسافر آخرت نے ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں موندلیں،انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جامعہ ربانی سے ان کو بے پناہ تعلق تھا،وہ اس کو اپنا ادارہ سمجھتے تھے اور اس کی ترقیات سے بے حد خوش ہوتے تھے،اس کا اندازہ ان کے ان پیغامات سے ہوتا ہے جو مختلف مواقع پر انہوں نے قوم کے نام اس ادارہ کے لئے جاری فرمائے ہیں،

مجھ سے بھی ٹوٹ کر محبت فرماتے تھے،میری تحریرات اور کاموں میں وہ اپنا عکس جمیل دیکھتے تھے،ایک بار والد صاحب ان کی عیادت کے لئے ان کے گاؤں تشریف لے گئے،اس وقت تک ان کی شناخت ختم ہوچکی تھی،صرف یاد داشت کام کررہی تھی، میرا نام لیکر بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا'اب تو ہم چلے،اور ان عزیزوں کو چھوڑ کر چلے ،اب تو میں کسی لائق نہیں رہا،انہی کے کاموں کو اپنا کام سمجھتا ہوں"

مشاہدات سفر

☆مجھے مفتی صاحب کے ساتھ کئی بار سفر کا موقعہ ملا،اور بحیثیت خادم مجھے بارہا یہ سعادت حاصل ہوئی اور ہر سفر میں میں نے محسوس کیا کہ جہاں ایک طرف وہ اہل علم اور اصحاب رشد سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے،وہیں ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اچھے گھرانوں کے افراد اپنے اندر احساس و اہلیت پیدا کریں اور اپنے خاندانی روایات کا

پاس ولحاظ رکھیں ،وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مصاف زندگی میں نسبتاً یہ بچے زیادہ ابھر کر سامنے آئیں،اس ضمن میں دو واقعات کی طرف اشارہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں، جن کا میں خود عینی شاہد ہوں:

لکھنؤ کا سفر

(الف) لکھنؤ کا پہلا سفر میں نے مفتی صاحب کے ساتھ کیا، لکھنؤ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "المرتضیٰ (اردو)" کے رسم اجراء کی تقریب تھی، پورے ملک سے منتخب اصحاب علم و تحقیق اس میں شرکت کر رہے تھے، حضرت مفتی صاحب بھی اس میں مدعو تھے، مجھے اپنے رفیق سفر اور خادم کی حیثیت سے شامل فرمایا، دیوبند سے ہم لوگ میرٹھ پہونچے وہاں سے نوچندی اکسپریس کے ذریعہ صبح سویرے لکھنؤ اسٹیشن پہونچ گئے ،اسٹیشن پر کارکنان استقبال کے لئے موجود تھے ،ہمیں وہاں سے گلمرگ ہوٹل لے جایا گیا، ہمارے قیام کا انتظام وہیں تھا، ضروریات سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر ہم لوگوں نے آرام کیا، شام کے وقت ہم لوگ دارالعلوم ندوۃ العلماء حاضر ہوئے ، حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ اپنے صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کے ہمراہ ندوہ کے مہمان خانے میں قیام فرما تھے، مفتی صاحب نے اسی میں راحت محسوس کی اپنے بزرگوں کے سایۂ شفقت میں

رہیں،اس طرح اس حقیر کو بھی پہلی بار ان بزرگوں کے قریب رہنے کا شرف حاصل ہوا ،حضرت مولانا علی میاںؒ کو پاؤں میں سخت تکلیف تھی ،مفتی صاحب ان کے یگگونہ شاگردوں میں تھے ، لیکن ان کی شفقت وتواضع کہ جب مفتی صاحب ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ،انہوں نے سخت تکلیف کے باوجود کھڑے ہونے کی کوشش فرمائی ، لیکن مفتی صاحب کے بے حد اصرار پر توقف فرمایا ، صبح کا ناشتہ حضرت کے دستر خوان پر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ،ہمارے علاوہ دوتین حضرات اور بھی موجود تھے ،مختلف علمی اور تاریخی موضوعات پر حضرت گفتگو فرماتے رہے ، حضرت کی شخصیت کو پہلی بار اتنے قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا تھا، میں بہت زیادہ متاثر ہوا، یہ تو ان کا خاص دستر خوان تھا، عمومی دستر خوانوں پر بھی حضرت پابندی کے ساتھ شرکت فرماتے تھے ،المرتضیٰ کی رسم اجراء حضرت امیر شریعتؒ کے ہاتھوں انجام دی گئی ، علماء اور اہل دانش کا بڑا قابل قدر مجمع تھا ،اہل سیاست اور ارباب صحافت بھی بڑی تعداد میں موجود تھے ،میں نے زندگی میں پہلی بار اتنا وقیع اجتماع دیکھا جس میں بیک وقت پورے ملک کی نمائندہ شخصیات موجود تھیں ،۔۔۔۔۔دوسرے دن ہم لوگ مہمان خانہ میں حضرت امیر شریعت کی قیام گاہ پر موجو تھے ایک فقہی مسئلہ زیر بحث تھا، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کھل کر گفتگو فرما رہے تھے ،ان کی رائے دیگر شرکائے مجلس سے مختلف تھی، آخر

حضرت امیر شریعتؒ کی فیصلہ کن گفتگو پر بحث اختتام پذیر ہوئی،اس طرح دونوں ہی قران السعدین کی مجالس میں حاضری کا مجھے موقعہ ملا،اور دونوں ہی جگہ علم و دین اور فکر امت کے سوا کچھ نظر نہ آیا اور دونوں ہی مقامات پر مفتی صاحب سراپا ادب بنے رہے ،بہت کم گفتگو میں حصہ لیا،اسی طرح مفتی صاحب نے اس حقیر کو بھی کہیں فراموش نہیں کیا،بزرگوں سے تعارف کرایا،۔۔۔۔۔

حضرت نعمانیؒ کے آستانہ پر

اس اہم ترین تقریب میں لکھنؤ کی ایک بڑی علمی شخصیت شریک نہیں ہوسکی تھی،وہ تھے حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ،مفتی صاحب کو ان سے بھی ملنا تھا،وہ ملک کے قد آور علمی و دینی شخصیت کے حامل ہونے کے ساتھ ایک بڑے علمی رسالہ کے مدیر بھی تھے، مفتی صاحب کو ان کے ساتھ ایک خصوصیت یہ بھی حاصل تھی کہ حضرت نعمانیؒ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کے تلامذہ میں تھے ،حضرت اعظمی مفتی صاحب کے بھی خاص استاذ تھے،۔۔۔۔۔۔ہم لوگ عصر کی نماز کے بعد حضرت نعمانیؒ کے آستانہ پر حاضر ہوئے،وہ کئی سال سے صاحب فراش اور اٹھنے بیٹھنے سے معذور تھے،ہم لوگ حویلی کے اندر جاکر ملے اور بھی کئی مشتاقان زیارت منتظر تھے

، تمام ہی حضرات کو ملاقات وزیارت کا شرف حاصل ہوا، حضرت کے حجرہ میں سب لوگوں نے اپنی اپنی نشست سنبھال لی، میرے لئے کوئی جگہ خالی نہیں بچی، حضرت نے اپنی چارپائی پر بیٹھنے کو فرمایا، مجھے تھوڑا تامل ہوا، لیکن حضرت کے حکم پر میں آپ کے پائتانے میں بیٹھ گیا، دم کی چائے آئی، میں ہی سب سے خورد تھا، مجھے چائے بنانے کا حکم ملا ، مجھے کوئی خاص سلیقہ نہیں تھا، لیکن پھر بھی میں نے حکم کی تعمیل کی، تمام شرکاء کو چائے پہونچائی گئی، حضرت کے سامنے بھی چائے پیش کی گئی، حضرت نے تھوڑا نوش فرما کر میری طرف بڑھا دیا، میں نے بڑے فخر اور احساس شرف کے ساتھ حضرت کی متروکہ چائے نوش کی، اس طرح لکھنؤ کے اس سفر میں مفتی صاحب کی برکت سے بڑے اکابر کی صحبت وقرب کی دولت بے بہا مجھے حاصل ہوئی،

ے وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم — ولیکن مدتے با گل نشستم

واپسی کے وقت حضرت مفتی صاحب کے تلمیذ رشید حضرت مولانا سعید الرحمن الاعظمی موجودہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ریلوے اسٹیشن تک الوداع کہنے کے لئے آئے، مولانا اعظمی کو پہلی بار میں نے اسی موقعہ پر دیکھا، اس سفر میں جہاں میں نے مفتی صاحب سے بزرگوں کا ادب واحترام، بڑوں کی مجلس میں شرکت کے آداب سیکھے ، وہیں میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ وہ کس طرح چھوٹوں کو بزرگوں سے روشناش

کراتے اور بڑی جگہوں کے طور وطریق سے واقف کراتے تھے،

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سفر دہلی برائے فقہی سیمینار

☆اس ضمن میں دوسرا یادگار تجربہ سفر دہلی کا ہے، فقیہ الاسلام حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے جب اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد ڈالی، تو جن چند ممتاز علماء کی سربراہی میں اکیڈمی نے اپنا سفر شروع کیا، ان میں حضرت مفتی صاحب کی شخصیت سرفہرست تھی، اکیڈمی کا پہلا سیمینار بڑی شان کے ساتھ ہوا، دوسرے سیمینار کا سوالنامہ آیا تو مفتی صاحب نے اس کا ایک حصہ (کرنسی نوٹ سے متعلق) مجھے مرحمت فرمایا اور اس پر تحقیق کرنے کا حکم دیا، میرے لئے گو یہ بالکل نامانوس موضوع تھا، لیکن بزرگوں کے فیض صحبت کے نتیجہ میں میں نے بآسانی پندرہ دن میں اس پر اپنی تحقیق مکمل کرلی، مفتی صاحب بہت خوش ہوئے، بہت زیادہ شاباشی دی، دراصل سوالنامہ کا دوسرا حصہ میرے ایک دوسرے ساتھی کے حوالہ فرمایا تھا، انہوں نے بہت زیادہ دلچسپی اور محنت کا مظاہرہ نہیں کیا، جس سے ان کو مایوسی ہوئی تھی،۔۔۔۔ مفتی صاحب کی حوصلہ افزائی سے میرے بال وپر کو پرواز ملی، میں نے اپنے تیار کردہ مقالہ کی ایک کاپی خاموشی کے ساتھ فقہ اکیڈمی کے دفتر بھیج دی، مفتی صاحب کو بھی محض اس احساس کے تحت اس کی اطلاع نہیں دی کہ میں کیا اور میری بساط کیا؟ میری رائے یا مقالہ کی اہمیت ہی کیا، اس

زمانہ میں یہ استحقاق صرف اکابر محققین کے لئے خاص تھا کہ وہ کسی مسئلہ پر اپنی رائے یا تحقیق پیش کریں، آج کی طرح قلمی یا فکری بحران کا دور نہیں تھا اور نہ ہر بوالہوس کو یہ اجازت حاصل تھی کہ اپنے خیالات پریشاں کو مقالہ یا تحقیق کا نام دے، اس زمانہ میں کسی نو آموز کا کسی سنجیدہ علمی موضوع پر طبع آزمائی بہت ہی غیر معمولی بات تصور کی جاتی تھی ،یہی وہ احساس تھا جس نے مجھے اپنے شفیق ترین استاذ کے سامنے بھی اس تعلق سے کوئی حرف تمنا زبان پر لانے کی اجازت نہیں دی ،۔۔۔۔۔ آخر سیمینار کی تاریخ قریب آگئی ،دیوبند کے متعدد علماء اس میں شرکت کے لئے تیاریوں میں مصروف تھے، مفتی صاحب کے خادم کی حیثیت سے قرعۂ فال ایک بار پھر میرے نام نکلا، مفتی صاحب نے بڑے اصرار کے ساتھ اس میں شرکت کرنے کا حکم دیا، خواہش تو میری بھی تھی، مفتی صاحب کے حکم سے میری آرزؤں کے پر لگ گئے، میرے ایک ساتھی جناب مولانا مفتی محمد ارشد صاحب قاسمی[74] بھی مفتی صاحب کی ہم رکابی میں شامل ہوئے ،اس طرح ہم تین آدمیوں کا قافلہ دیوبند سے دہلی کی طرف روانہ ہوا، چند گھنٹوں کے بعد ہم دہلی میں تھے ،دسمبر کی کڑکڑاتی ہوئی سردی ،دہلی کا یخ بستہ موسم ،فضا میں دھند چھائی ہوئی ،اس پر

---

[74] ۔مظفر نگر یوپی کے رہنے والے ہیں، دورۂ حدیث اور افتاء میں ہم لوگ ایک ساتھ رہے، بعد میں یہ معین المفتی ہوئے اور میں معین المدرس، معین المفتی کی مدت مکمل کرنے کے بعد جلال آباد مدرسہ سے ایک عرصہ تک بحیثیت مفتی اور مدرس وابستہ رہے ،حضرت مولانا مسیح اللہ جلال آبادیؒ سے بیعت ہوئے، حضرت کے وصال کے بعد حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئیؒ سے تجدید بیعت کی اور پھر حضرت کے مجاز ہوئے، اب اپنے گاؤں بجھیڑی ضلع مظفر نگر یوپی میں خود ایک مدرسہ اور خانقاہ کے مہتمم اور مسند نشین ہیں۔

انتہائی سرد ہوائیں ، سیمینار کے تمام شرکاء گرم شیروانیوں اور گرم ملبوسات سے آراستہ تھے ،میرے ہم درس مفتی ارشد صاحب بھی آداب موسم سرما سے پوری طرح لیس تھے ،بس ایک یہ تنہا فقیر اپنی پرانی چادر بدن میں لپیٹے سردیوں سے جنگ لڑنے کی کوشش کررہا تھا،فائیو اسٹار کلچر کے ماحول میں آفاقی علماء اور دانشوروں کے درمیان اپنے لباس فقر پر کبھی خفت کا احساس بھی ہوتا تھا،لیکن پھر یہی خیال باعث تسلی بنتا کہ میں کیا اور میری حقیقت کیا ؟اس سیمینار کے روح رواں اور قافلہ سالار حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی زیارت کا پہلی بار شرف حاصل ہوا،وہ مہمانوں کے استقبال کے لئے جان ودل بچھائے ہوئے ،بہت مصروف تھے ،ان مصروف لمحات میں مفتی صاحب کے دو جملوں نے تعارف کا کیا،بظاہر کوئی خاص توجہ نہیں فرمائی، لیکن بعد کے واقعات سے ظاہر ہوا کہ میرا نام ان کے ذہن میں تھا اور ملاقات کے بعد میری صورت بھی ان کے لوح دماغ پر نقش کالحجر ہوگئی،۔۔۔۔۔وقفۂ چائے میں جب میں نے اور مفتی ارشد صاحب نے قاضی صاحب سے ملاقات کی تو بہت محبت سے ملے اور کاؤنٹر پر جا کر ہمیں یہ کہہ کر سیمیناری فائلیں دلوائیں اور ہمارے ناموں پر اپنی مہر تصدیق ثبت فرمائی کہ بعد میں یہی بچے تو ہمارا کام کریں گے ،۔۔۔۔۔میرا مقالہ دیگر حضرات کے مقالات کی طرح شرکاء کے درمیان تقسیم کیا گیا،مفتی صاحب کے سامنے جب میرا مقالہ آیا تو انہیں حیران کن مسرت ہوئی، قیامگاہ پر فرمایا پہلے سے کیوں نہ بتایا ؟میں مقالہ کی خواندگی کرواتا، مگر میرے خواب وخیال میں یہ کہاں تھا کہ میری تحریر بھی کسی لائق ہوگی،اکیڈمی کی طرف

سے کرنسی نوٹ کا جب مجلہ شائع ہوا تو وہ مقالہ قاضی صاحبؒ نے من وعن شامل فرمایا ،۔۔۔۔اسی طرح دہلی سے واپسی کے وقت دیگر مندوبین کی طرح بلا طلب مجھے بھی اخراجات سفر پیش کئے گئے ،۔۔ظاہر ہے کہ ان تمام ثمرات کا سرچشمہ حضرت مفتی صاحب ہی کی ذات گرامی تھی، وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

مفتی صاحب کی اولیات

☆مفتی صاحب کی دوسری اہم خصوصیت جو ان کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عمل کے لئے ہمیشہ ان میدانوں کو چنا جو دوسروں کے لئے مشکل تھا یا چھوڑ دیا گیا تھا، اس بنا پر اس کو ہم مفتی صاحب کی اولیات کا نام دے سکتے ہیں، ہم اس ضمن میں بطور مثال چند چیزوں کا ذکر کرتے ہیں:

مساجد کو ایک نظام اور فلسفہ کے طور پر پیش کیا

مفتی صاحب نے دیوبند آنے سے قبل سانہہ (مونگیر) کے قیام کے زمانہ میں مساجد کے موضوع پر ایک اچھوتا کام کیا اور اس کو ایک مستقل نظام اور فلسفہ کی صورت میں پیش کیا، اس سے پہلے مساجد کا اس نقطۂ نظر سے کسی نے مطالعہ نہیں کیا تھا، گو یہ فکر ان کو علامہ گیلانیؒ سے ملی تھی، لیکن کام مفتی صاحب نے کیا اور ایسا کیا کہ اس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا، "اسلام کا نظام مساجد" کے نام سے مفتی صاحب کی یہ قلمی کاوش شائع ہوئی، یہ مفتی صاحب کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، مختلف مکتبوں

نے اسے شائع کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے علاوہ مساجد کی تاریخی حیثیت پر بھی مفتی صاحب نے ایک بڑا قابل قدر کام کیا 'تاریخ مساجد" مگر وسائل کی قلت کے سبب مفتی صاحب اس کو اس طرح تیار نہیں کرسکے جیسا وہ کرنا چاہتے تھے ،اس کے لئے اسفار کی ضرورت تھی،وہ تصاویر بھی شامل کرنا چاہتے تھے، لیکن مفتی صاحب نے جس دور میں یہ کام کیا وہ بے سروسامانی کا دور تھا، ذرائع ابلاغ وترسیل بھی اس قدر ترقی یافتہ نہ تھے، لیکن آج کے دور میں مفتی صاحب کی منشا کے مطابق کتاب تیار کی جاسکتی ہے ۔

کتب خانہ کو مستقل فن کی حیثیت سے روشناش کیا

اسی طرح کتب خانہ کے موضوع پر مفتی صاحب نے جو کام کئے، ممکن ہے عربی زبان کے لئے ان میں کوئی جدت نہ ہو، لیکن یورپ نے آج جس طرح اس کو مستقل فن کی صورت دی ہے ،ہمارے یہاں اردو زبان میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا، مفتی صاحب نے اپنی تحریروں میں اس کو مستقل فن کی حیثیت سے روشناش کیا، اس موضوع پر مفتی صاحب کی ایک تحریر قیام سانہہ کے دور کی ہے جو انہوں نے کتب خانہ جامعہ رحمانی کے افتتاح کے موقعہ پر لکھی تھی،اور وہی تحریر ان کے دیوبند آنے کا سبب بنی، دوسری تحریر ان کی مخطوطات کے نام سے دو جلدوں میں ہے، یہ کتاب دارالعلوم کی لائبریری کے لئے لکھی گئی تھی، مفتی صاحب کا یہ ایک اہم ترین کارنامہ ہے، جو کم از کم دارالعلوم کی تاریخ میں ایک نئی پیش رفت تھی اور اس کام کو وہی شخص انجام دے سکتا ہے، جو کتابی علوم کے ساتھ شان اجتہاد بھی رکھتا ہو ،جو علم کے ساتھ قلم کے میدان کا بھی شہسوار ہو ،جو

جرأت رندانہ کے ساتھ بصیرت شاہانہ بھی رکھتا ہو، ظاہر ہے کہ مفتی صاحب میں یہ تمام خصوصیات پائی جاتی تھیں، جن کی بنا پر اس وقت کے ارباب انتظام کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ نے اپنے بزرگوں کے اعتماد کو وقار بخشا۔

فرق باطلہ اور افراد سازی کی تاریخ میں نئی پیش رفت

مفتی صاحب جب دارالعلوم تشریف لائے، تو آپ نے اپنے کام کا آغاز فرق باطلہ کے رد سے کیا، اس وقت تک دارالعلوم میں فرق باطلہ کے رد کے لئے باقاعدہ کوئی شعبہ موجود نہیں تھا، مفتی صاحب کے ذریعہ اس اہم ترین شعبہ کا آغاز ہوا،۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسی طرح شعبۂ علوم قرآن کا آغاز بھی مفتی صاحب کے ذریعہ ہوا ،۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور سب سے اہم بات یہ کہ اہل قلم افراد کی ٹیم تیار کرنے اور مختلف میدانوں کے لئے افراد سازی کے جس مبارک عمل کا آغاز مفتی صاحب کے ذریعہ ہوا وہ مفتی صاحب کا ایک خاص امتیاز ہے اور جس کو بلاشبہ مفتی صاحب کی اولیات میں شمار کیا جاسکتا ہے، اس شعبہ سے بعض ایسی نابغۂ روزگار شخصیتیں تیار ہوئیں جو صرف مفتی صاحب اور دارالعلوم ہی کا نہیں بلکہ پوری ملت کا سرمایہ ثابت ہوئیں ،

کتب خانۂ دارالعلوم کو فنی بنیادوں پر مرتب کیا

کتب خانۂ دارالعلوم کی ترتیب و تنسیق کا عمل بھی یقیناً مفتی صاحب کی اولیات ہی میں شمار کیا جائے گا، مفتی صاحب کی آمد سے قبل دارالعلوم میں کتب خانہ موجود تھا اور

اس میں نادر ونایاب کتابوں کا بڑا ذخیرہ بھی موجود تھا، لیکن لائبریری کی جو فنی ترتیب ہوتی ہے اور جس کی بناپر کتابوں کا تحفظ اور استفادہ سہل اور مستحکم ہوتا ہے موجود نہیں تھی، مفتی صاحب نے ملک کی مختلف لائبریریوں کے طریق کار کا معائنہ کیا، باقاعدہ اس کے لئے اسفار کئے اور پھر دارالعلوم کے کتب خانہ کو نئی فنی ترتیب پر استوار کیا، مفتی صاحب کے بعد بھی کتب خانہ کی ترقیات وتوسیعات کا سلسلہ جاری ہے اور اس میں کافی تنوع پیدا ہوا ہے، لیکن ان سب کی اساس مفتی صاحب کی اسی ابتدائی فنی ترتیب پر ہے جس سے کتب خانہ کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتا اور نہ کتب خانہ کی تاریخ میں مفتی صاحب جیسے اولین معماروں کو فراموش کیا جاسکتا ہے۔

بعد میں دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بھی اپنی لائبریری کی تنظیم کے لئے مفتی صاحب کی خدمات سے فائدہ اٹھایا، بعد میں ندوہ سے وہ چیز شائع ہوئی، لیکن اس پر مفتی صاحب کا نام موجود نہیں تھا، اس طرح ندوہ نے مفتی صاحب کے لئے اعتراف خدمت کا وہ حق ادا نہیں کیا جو اسے کرنا چاہئے تھا۔

ترتیب فتاویٰ کا عظیم الشان کام

یہی حال دارالعلوم کے دارالافتاء کا بھی ہے، فتاویٰ کا بے پناہ ذخیرہ وہاں موجود ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کی ایک دو جلدیں مرتب کی تھیں اس کے بعد عرصہ ہوا یہ سلسلہ موقوف ہوچکا تھا، ضرورت تھی کہ ترتیب فتاویٰ کا مستقل شعبہ قائم کیا جائے، جہاں باقاعدہ ترتیب فتاوی کا کام انجام دیا جائے، حضرت حکیم الاسلام

قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خداداد بصیرت اور حسن انتظام نے اس شعبہ کو وجود بخشا، اور اس کے اولین خادم کی حیثیت سے مفتی صاحب کو وہاں مقرر کیا گیا ، مفتی صاحب نے دہائیوں پر محیط بکھرے ہوئے فتاویٰ کے سمندر میں غواصی کی اور ان کو موضوعاتی طور پر مرتب کرنے اور حوالوں کے ساتھ مزین کرنے کا کام شروع کیا، کام اتنے سلیقہ اور فقیہانہ بصیرت کے ساتھ شروع کیا گیا کہ اس کی پہلی جلد منظر عام پر آتے ہی علمی دنیا میں مفتی صاحب کی دھوم مچ گئی ،اس پر مفتی صاحب کا شاندار تحقیقی مقدمہ فقہ و فتاویٰ کے اصول و مقدمات کے باب میں مستقل رہنما کتاب کی حیثیت رکھتا ہے ، حضرت مہتمم صاحبؒ کے پاس ہر طرف سے تحسین و آفریں کے پیامات موصول ہوئے ، مفتی صاحب کا حوصلہ بلند ہوا، اس کی مسلسل کئی جلدیں آگئیں ، پورے ملک میں مفتی صاحب کی شہرت "مرتب فتاویٰ دارالعلوم" کی حیثیت سے ہو گئی، اس کی بارہ جلدیں آئی تھیں ، کہ دارالعلوم کے حالات بدل گئے ، نئی جماعت اور نئی انتظامیہ نے کام سنبھالا ، کام کو سمجھنے میں اس کو کئی سال لگے ، ادھر مفتی صاحب کے قویٰ کمزور ہو گئے ، ناموافق حالات اور پیہم صدمات و حادثات نے ان کو دل شکستہ کر دیا تھا، پھر بھی ترتیب کا کام وہ بخوبی کر سکتے تھے ، چنانچہ میں نے اپنے عہد طالب علمی میں ان کو ترتیب کا کام کرتے ہوئے دیکھا تھا، بلکہ عملی طور پر اس میں شرکت بھی کی تھی ، لیکن پتہ نہیں کیوں ایسے کہنہ مشق اور بصیرت مند فقیہ سے استفادہ کرنے کے بجائے ان سے محرومی کو گوارا کیا گیا، یہ بھی خبر نہیں کہ ان کی مرتب کردہ تیرھویں جلد کیا ہوئی ؟۔۔۔۔۔۔ دارالعلوم سے فتاویٰ کی

تیرھویں جلد شائع ہوئی لیکن اس پر مفتی صاحب کا نام موجود نہیں تھا،۔۔۔۔حالانکہ ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے اگر فی الواقع کام میں کچھ کمی بھی رہ گئی تھی تو بھی ایک قدیم خدمتگار اور بزرگ عالم وفقیہ ہونے کے ناطے ان کا نام بھی اس پر ہونا چاہئے تھا،اس سے خود اس کتاب کی اہمیت دوچند ہوتی اس لئے کہ فقہی موضوعات پر مفتی صاحب نے جتنا لکھا ہے اور بصیرت وآگہی کی روشنائی میں ڈبو کر لکھا ہے کہ معاصر علماء میں شاید ہی کوئی اور نام پیش کیا جاسکے۔

مجموعۂ قوانین اسلام (مسلم پرسنل لاء) کا مسودہ تیار کیا

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تاسیس ہوئی،امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ مفتی صاحب کی قلمی وفقہی صلاحیت اور ان کے طریقۂ کار سے بے حد متأثر تھے،حضرت امیرؒ نے بارہا مفتی صاحب کی تحسین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا"مفتی صاحب! آپ کے کام اور وقت میں بڑی برکت ہے"یہ بات مفتی صاحب نے مجھ سے کئی بار نقل فرمائی،حضرت امیرؒ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بانی ہی نہیں بلکہ تاحیات اس کے روح رواں بھی رہے ، کسی کام میں ان کی رائے کی مرکزی اہمیت ہوتی تھی،انہوں نے مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل کا ایک قانونی مجموعہ عصری ترتیب پر لانے کا فیصلہ کیا جس کو عدالتوں میں حوالہ کے طور پر پیش کیا جاسکے ، تمام اراکین بورڈ نے اس کی تائید کی،اس قانونی مجموعہ کا مسودہ تیار کرنے کی ذمہ داری جس شگفتہ نگار فقیہ، عصر حاضر کے نباض اور قانونی نزاکتوں کے رمز شناش عالم دین کے حصے میں آئی وہ مفتی صاحب کی

شخصیت تھی، حضرت مہتمم دارالعلوم (جو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اولین صدر عالی قدر بھی تھے) نے باقاعدہ مفتی صاحب کی طویل رخصت منظور فرمائی اور مفتی صاحب نے مہینوں مونگیر میں قیام فرما کر حضرت امیر کی نگرانی میں مسودہ کا کام مکمل کیا، اس طرح غیر اسلامی ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا قانونی دستاویزی مجموعہ (بزبان اردو) مفتی صاحب کے نوک قلم سے وجود میں آیا، جو علماء وفقہاء اور قانونی ماہرین کی کمیٹیوں کی نظر ثانی اور نظر نہائی کے بعد شائع ہوا۔

دارورسن سے پنجہ آزمائی

ہمارے وقت کے دارالافتاء میں مفتی صاحب واحد ایسے فقیہ تھے جنہوں نے کتاب وقلم کی بادیہ پیمائی کے ساتھ دارورسن سے بھی پنجہ آزمائی کی تھی، مئو سے دربھنگہ تک پیدل سفر کیا، جنگ آزادی کی تحریک میں بنفس نفیس شریک ہوئے، انقلابی تقریروں سے لوگوں کے دل گرمائے، قید وبند کی صعوبتیں اٹھائیں، لیکن جب اس کا صلہ ملنے کا وقت آیا تو گوشہ نشینی میں عافیت محسوس کی، ہندوستان کے نقلی مجاہدین آزادی سرکاری وظائف وسہولیات پر عیش کرتے رہے اور حقیقی مجاہدین گوشۂ گمنامی میں نان شبینہ کے محتاج رہے۔

مختلف رنگوں کا بے نظیر امتزاج

مفتی صاحب کو شروع سے جن اکابر اصحاب علم وتحقیق اور اعیان زہد وتقویٰ کی

مصاحبت حاصل ہوئی اور مختلف فکر و نظر کے عباقرۂ روزگار سے ان کو استفادہ کے مواقع حاصل ہوئے اس نے ان کو بحر بیکراں میں تبدیل کر دیا تھا،۔۔۔۔۔۔انہوں نے دیوبند کا نصاب بھی پڑھا تھا اور ندوہ کے طرز تعلیم سے بھی استفادہ کیا تھا،۔۔۔۔۔۔۔ مکتب سلیمانی کے بھی آداب سیکھے اور درسگاہ حبیب سے بھی فیض پایا تھا،۔۔۔۔۔ تصوف واحسان میں انوار مدنیؒ سے بھی روشنی پائی اور شجرۂ طوبیٰ کے ثمرۂ طیب بھی ثابت ہوئے، ۔۔۔۔۔سلسلۂ چشتیہ کا مذاق بھی پایا اور نقشبندیت کا رنگ بھی خوب زیب دیا، اس طرح مفتی صاحب کی شخصیت علم وفن اور روح و معنیٰ کے مختلف سمندروں کا مجموعہ اور فضل وکمال کا مجمع البحار تھی، فرحمہ اللہ۔

اللہ پاک ان کے ساتھ کرم کا معاملہ فرمائے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اور آنے والی نسلوں کے لئے ان کو صدقۂ جاریہ بنائے آمین۔

ے جان کر منجملۂ خاصان میخانہ تجھے مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے
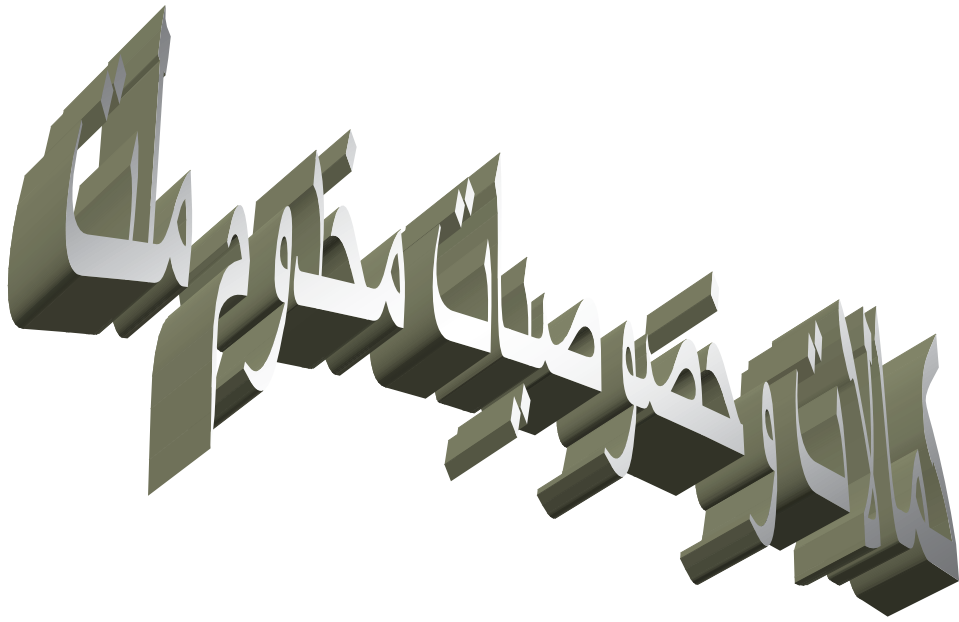
جناب مولانا مفتی محمد فخر عالم نعمانی
استاذ جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور (بہار الہند)

خالق کائنات نے یہ دنیا اس انداز سے بنائی ہے کہ اس میں خوشی و غم راحت وتکلیف دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، یہاں نہ خالص خوشی ہے اور نہ خالص غم، اس لئے اس دنیا میں رہنے والوں کے ساتھ غموں اور صدموں کا پیش آنا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے، لیکن بعض صدمے اور غم ایسے جانکاہ ہوتے ہیں کہ ان کا اثر پوری امت پر پڑتا ہے، آسانی سے ان کو فراموش کرنا اور ان کے زخموں کا مندمل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

۳۱/مارچ ۲۰۱۱ء کو اسی طرح کا ایک عظیم صدمہ بر صغیر میں شریعت کے سب سے مستحکم قلعہ اور اشاعت دین کے عظیم مرکز دارالعلوم دیوبند کے سینئر مفتی، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس تاسیسی اور مجلس

عاملہ کے رکن رکین،اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے صدر عالی قدر،امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ ،جھارکھنڈ کے معزز رکن شوریٰ اور مختلف دینی درسگاہوں کے سرپرست اور بیشمار علماء،ارباب افتاء اور اہل قلم کے استاذ ومربی،مایہ ناز قلم کار، نرم خو، نرم گفتار، پیکر تواضع وانکسار،فقیہ امت،متبع سنت،شیخ طریقت،مخدوم ملت،حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ کی وفات کا پیش آیا،جس نے امت مسلمہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا،ان کی مفارقت پر ملت کا ہر فرد رنجیدہ اور سوگوار ہے۔

حماسی شاعر نے اپنے سردار قبیلہ کیلئے جو کہاتھا ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ ہو لیکن ہمارے لئے تو یہ عین واقعہ ہے:

فماکان قیس هلکه هلک واحد * ولکنه بنیان قوم تهدّ ما

اے قیس! تیری موت ایک شخص کی موت نہیں،ایک خاندان کا حادثہ نہیں،تیری موت سے پوری قوم کی بنیادیں منہدم ہو گئی ہیں۔

اے قیس!بے شک یہ غم،غم ذات نہیں،غم کائنات ہے، غم فرد نہیں،غم جہاں ہے،اس لئے ہم اگر قبر پر روئیں تو کوئی ہمیں ملامت نہ کرے۔

حضرت مفتی صاحب کی جامع کمالات شخصیت کی حیات کا ہر پہلو قابل صدرشک وفخر ہے،اور سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ چھیڑیں داستاں کیسے؟کس کا

ذکر کیا جائے اور کسے چھوڑاجائے؟ہر گوشہ بے پناہ کشش رکھتا ہے اور بزبان حال کہتا ہے کہ جاایں جااست،......حضرت مفتی صاحب بے پناہ صلاحیتوں اور بے شمار خوبیوں کے مالک تھے،آپ کی نظر مومنانہ،دل عارفانہ،زبان وقلم عالمانہ،انداز دلبرانہ،فکر ناصحانہ،مزاج داعیانہ،درس فقیہانہ،خطاب مصلحانہ،خلق کریمانہ،کردار حکیمانہ،ظاہر فقیرانہ،ہمت غازیانہ،زندگی مجاہدانہ، موت عاشقانہ،ایسا شخص جو ہر طبقہ ہر جماعت پر یکساں اثر انداز ہو اور ہر میدان اور مجمع پر چھا جائے اور حاضرین کے معیار کو سامنے رکھ کر ان کے معیار کے مطابق بات کرے ......سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کی شخصیتیں صدیوں میں پیداہوتی ہیں،حضرت مفتی صاحب کے تمام کمالات وخصوصیات کا احاطہ مختصر مقالہ میں انتہائی دشوار ہے،چند خصوصیات درج کی جاتی ہیں:

سادگی

پہلی بات مفتی صاحب کی سادگی اورسذاجت،معمولی کپڑا،عام قسم کی عینک،سیدھی سادھی جوتی،سفر میں تھیلا بھی معمولی،جہاں ٹھہرایئے ٹھہر جائیں،جہاں بیٹھا یئے بیٹھ جائیں،عامی سے عامی بھی دعوت دے تو قبول کرلیں،نہ ہٹو نہ بچو،نہ خدم وحشم کی فوج، نہ گفتگو میں کوئی تکلف،نہ نشست وبر خواست میں کوئی تصنع،یہی ہمارے بزرگوں کا بھی طریقہ تھا،جوایمان کا اہم جز بھی ہے،(اَلبذادۃ من الایمان) سلف کا یہ طرز عمل مفتی صاحب کی زندگی میں

بدرجۂ اتم موجود تھا، آپ کا رہن سہن ہو یا خوراک وپوشاک، سفر یا حضر ہو یا خلوت وجلوت، طلباء کے سامنے ہو ں یا علماء کے درمیان، ہر موقع پر سادگی کو حضرت مفتی صاحب میں لوگوں نے مشاہدہ کیاہے، کوئی دو شخص بھی ایسے نہیں ملیں گے جن کو آپ کی سادگی میں اختلاف ہو، گویا سادگی آپ کی خمیر میں شامل تھی۔

تواضع وانکسار

دوسرا وصف تواضع وانکساری ہے، تواضع وانکساری جس نے اختیار کی اللہ تعالیٰ اسے عزت ورفعت عطا فرماتے ہیں،
(من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ)

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے عہد کے بڑے مصنفین اور اصحاب قلم میں تھے، بلکہ قلم کے بادشاہ کہے جاتے تھے، ملک وبیرون ملک ان کی تحریروں کو قبول عام حاصل ہواتھا، بر صغیر کی سب سے بڑی درسگاہ میں منصب افتاء پر فائز تھے، لیکن کہیں سے کبر وتعلي کا حساس چھو کر بھی نہیں گیا تھا، بڑے ہوں معاصر وہم عمر ہوں یا شاگرد اور خرد ہر ایک کے ساتھ تواضع وجھکاؤ اور بچھاؤ کی کیفیت، چھوٹوں سے بھی ایسی بے تکلف گفتگو جیسے دوست کسی دوست سے کرتا ہے، گویا ہر وقت آپ کے سامنے حضرت عمرؓ کی نصیحت رہا کرتی تھی (لاترکبو ابز ذونا ولا تاکلوا نقیا ولا تلبسوا ر قیقا ولا تغلقوا

ابوابکم دون حوائج الناس)

یعنی عمدہ گھوڑوں پر سواری نہ کرو،میدے کی چپاتی نہ کھاؤ،باریک (اعلی) کپڑا نہ پہنو،اور لوگوں کی ضرورتوں کے آگے اپنے دروازہ بند نہ کرو۔

وقت کی حفاظت اور علمی مشاغل کا اہتمام

حضرت مفتی صاحب نے فتاویٰ نویسی،کتب خانہ کی ترتیب اور ترتیب فتاویٰ کے دشوار کاموں کے ساتھ ساتھ جس طرح اپنے تصنیفی شغل کو جاری رکھا،کتابیں اور مقالات لکھتے رہے اور علمی مجالس کو رونق بخشتے رہے وہ ایک قابل تقلید عمل ہے،سفر کی حالت میں کہیں پلیٹ فارم پر رکنا پڑا ٹرین آنے میں دیر ہے تو بیگ سے کاغذ نکالا جیب سے قلم اور لکھنے میں مشغول ہو گئے،اپنی جائے اقامت میں تو بدرجہ اولیٰ لکھنے پڑھنے کا کام سر انجام دیتے،اسی لئے ان کے وقت اور قلم میں برکت تھی،خود حضرت مفتی صاحب اپنی کتاب ”زندگی کا علمی سفر“میں ترتیب فتاویٰ وترتیب کتب خانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلے میں تفسیر اور اس سے متعلق ساری عربی فارسی اردو اور دیگر زبان کی تفسیریں اتروائیں،اس کے بعد چھٹائی شروع کی،عربی ایک طرف فارسی دوسری طرف اردو تیسری طرف اور دیگر زبان کی تفسیریں چوتھی طرف چار ڈھیر لگ گئے،پھر عربی تفسیروں کے کئی حصے کئے مثلاً نفس تفسیر،شروح وحواشی

تفسیر،احکا م القرآن،لغات القرآن،اسباب وشان نزول پھر ناسخ و منسوخ وغیرہ،اسی طرح اردو اور فارسی کی بھی ترتیب قائم کی ہر ایک کو الگ الگ خانوں میں رکھوادیا پھر پورے کتب خانہ کی ترتیب اسی نہج پر کی گئی، تفسیر،حدیث، پھر فقہ،اصول فقہ،علم کلام،علم تصوف،اسرار شریعت اس طرح ہر فن کے مختلف خانے بنائے جو کتابیں جس خانے کی تھیں اس میں رکھی گئیں،اسی طرح پورا کتب خانہ مرتب ہوا،پرانے رجسٹر اٹھوادیئے گئے، نئے فارم چھپوائے گئے،اس کے بعد کارڈ سسٹم جاری کیا گیا،دہلی سے کارڈ اور کیبن لائے گئے،اس طرح پورے کتب خانہ کی نئی ترتیب عمل میں آئی،ساری کتابوں کو نئے قلم سے نمبرات لکھوائے گئے،تاکہ کتابوں کے نکالنے میں دشواری نہ ہو،مطبوعات سے فارغ ہوکر مخطوطات پر کام شروع کیا،قلمی کتابوں کا حصہ الگ کیا گیا،پھر ان تمام قلمی کتابوں کا دو جلدوں میں تعارف لکھا گیا،جسے ارباب شوریٰ اور دیگر یونیور سیٹی کے ریسرچ سے متعلق اساتذہ نے کافی پسند کیا اور ساتھ ہی میری محنت کی داد بھی دی،یہ سارے کام خاکسار نے تنہا انجام دیئے،تعارف میں مصنف کانام سن وفات مختصر مگر جامع تعارف لکھا گیا،اورکتابوں کا حوالہ مع صفحہ دیا گیا اور لکھا گیا کہ مصنف کے حالات فلاں کتاب میں فلاں صفحہ پر پڑھے جائیں۔

ترتیب فتاویٰ دارالعلوم

اسی کے ساتھ خارج میں فتاویٰ دارالعلوم کی جلدیں مرتب ہوتی رہیں اور چھپتی رہیں بارہ سال میں بارہ جلدیں بحمدللہ چھپ گئیں،میں نے دارالافتاء کی فتویٰ نویسی کی تلافی کا کام ترتیب فتویٰ سے لیا،تمام مسائل کے حوالے مختلف کتابوں سے لکھے، نظر وسیع ہوتی رہی میرا علم گھٹا نہیں اللہ کے فضل وکرم سے اس میں اضافہ ہوتا رہا،گویا میں نے اپنے کو زندہ رکھنے کی دونوں جہتوں سے سعی کی،کتب خانہ کی ترتیب سے بھی اور ترتیب فتاویٰ کی جہت سے بھی ترتیب فتاویٰ کاکام ہر زمانے میں خاکسار سے ہی متعلق رہا،خارجی اوقات میں یہ خدمت بصد شوق انجام دیتا رہا،اس کے علاوہ اپنی تصانیف بھی الگ سے چھپتی رہیں۔

میرے کتب خانہ میں تبادلے کے بعد دارالافتاء میں حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہ،اور حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ بلائے گئے یہ دونوں حضرات وہاں میرے تبادلے کے بعد آئے،دارالافتاء میں ۱۳۷۶ھ سے ۱۳۸۲ھ تک چھ سال مسلسل رہا،اس کے بعد بھی ہر سال جب دارالافتاء کا کام زیادہ بڑھ جاتا اور ڈاک جمع ہوجاتی تو اہتمام کی طرف سے دارالافتاء مجھے بھیجا جاتا رہا،یا کوئی مفتی حج میں گئے تو ان کے غائبانے میں خدمت افتاء سپرد ہوتی رہی،صبر وسکون سے جو خدمت سپرد ہوتی رہی اس کے انجام سے کوئی کوتاہی

نہیں ہونے دی،بلکہ محنت سے اپنے فرائض انجام دیتا رہا،اوقات مدرسہ میں کتب خانہ کا کام کرتا تھا اور خارج میں ترتیب فتاویٰ اور تصنیف کا۔

اللہ تعالیٰ نے وقت میں برکت دے رکھی تھی،امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مفتی صاحب!آپ کے کاموں میں بڑی برکت نظر آتی ہے،پتہ نہیں کس وقت یہ سارے کام کرتے ہیں (زندگی کا علمی سفر صفحہ:۱۴۲)

تفقہ فی الدین

تفقہ فی الدین ایک بڑی نعمت ہے حدیث میں اسے "من اراد اللّٰہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین" (جسے خیر دینا ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ دیتاہے)سے تعبیر کیا گیا،تفقہ کیلئے حالات زمانہ سے باخبری،رفتار عصر پر نظر، گردوپیش اور ماحول کے مشکلات و مسائل سے واقفیت ضروری ہے،جو نیا فکر وفلسفہ سرگرم عمل ہے،جو نئ ایجاد ات وتحقیقات ہورہی ہیں ان کا جاننا لازمی ہے،ہمارے فقہا ء اس بات پر متفق ہیں کہ تفقہ کیلئے قرآن وحدیث،اصول اور قواعد شرعیہ کے ساتھ ہی زمانہ، عرف وعادات اور افکار وخیالات ونظریات وغیرہ کا جاننا بھی ضروری ہے،جو ان سے ناواقف ہو وہ تفقہ کا اہل نہیں ہے،اس کو وہ یوں تعبیر کرتے ہیں (من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل) کہ جو اپنے زمانے سے آگاہ نہیں وہ قضاء وافتاء کے باب میں

جاہل ہیں،حضرت مفتی صاحب کی بہت ساری کتابیں اور فقہی مقالات چھپ چکے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف نئے مسائل و افکار پر ان کی گہری نظر تھی،لکھنے والے نے ان مسائل کا سرسری مطالعہ نہیں بلکہ گہرا ادراک و شعور حاصل کیا ہے۔

آخری بات

یہ ہے کہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ علم و تحقیق کے کام اور لوح و قلم کی خدمت کیلئے ضروری ہے کہ بارونق شہر ہو علمی چہل پہل ہو بڑا کتب خانہ اور علمی ماحول ہو،لیکن حضرت مفتی صاحب نے سانحہ جیسے کوردہ دیہات اور ایک ابتدائی مدرسہ میں رہ کر بھی تصنیف و تالیف کا اچھا خاصا کام کیا،اور وہیں اسلام کا نظام مساجد اور نظام عفت و عصمت جیسی نادرۂ روزگار کتابیں مرتب فرمائیں جس کی علامہ سید سلیمان ندویؒ،مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی جیسے اکابر علماء اور مولانا عبدالماجد دریاآبادی جیسے ادیب نے داد دی،اورندوۃالمصنفین جیسے وقیع اور باوقار ادارہ نے شائع کیا،اس میں ہم نوجوان فضلاء کیلئے سبق ہے،اگر انسان عزم محکم کا مالک ہو اور علم پیہم کا خوگر تو وہ علم و تحقیق کے مراکز سے دور رہ کر بھی بہتر کام انجام دے سکتا ہے،خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں جانے والے میں،بہر حال حضرت مفتی

صاحب علیہ الرحمہ گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے،آپ کو خداداد صلاحیت ملی تھی،صدیوں میں اس طرح کا عالم پیدا ہوتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مفتی صاحب کی زندگی جدید مسلم نسل کو یہ مثبت پیغام دیتی ہے کہ میری موت کو ماتم کا عنوان نہ بناؤ بلکہ اس کو عزم نو کا عنوان بناؤ،ملت کے کام کو جہاں میں نے چھوڑا ہے وہاں سے آغاز کرکے آگے بڑھو،اپنی محنت کو مسلسل جاری رکھو یہاں تک کہ تم اس کی آخری منزل پر پہونچ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے،جنت کے اعلیٰ مقام میں جگہ دے،ان کے رخصت ہونے سے جو خلاء پیدا ہوگیاہے اسے پر فرمائے،امت مسلمہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے،نئ نسل میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جو ان کی راہ پر چلیں،آمین یا رب العالمین۔

ایک جامع شخصیت

مولاناشاہ امان اللہ ندوی
استاذ شعبۂ ادب عربی جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور بہار

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ کی شخصیت ایک بہت بڑے مفسر وفقیہ اور مصنف وخطیب،اور ناقابل فراموش مربی کی تھی،آپ کی رحلت کے بعد آپ کا خلا پر ہونا مشکل ہے،آپ پیکر متنوع کمالات اور جامع شخصیات تھے۔

بحیثیت مفسر

اللہ نے آپ کو گوناگوں علوم وفنون سے نوازاتھا،بیک وقت آپ کئی متضاد علوم و فنون کے ماہر اور کہنہ مشق شخصیت تھے،اللہ نے آپ کو علم تفسیر کی دولت سے بھی نوزاتھا،آپ قرآن پاک پڑھتے پڑھتے اس کے معانی میں گم ہوجاتے تھے،اس سلسلے میں آپ نے حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ سے رابطہ کیا،اور سید صاحب نے آپ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور ابتداً بعد نماز فجر درس قرآن شروع کیا،بڑی مقبولیت اور پذیرائی ہوئی،ایک دن وہ آیا کہ مسند درس تفسیر بیٹھے،آپ کا طریقۂ تدریس یہ تھاکہ آپ جس آیت کی تفسیر

بیان کرتے اسے قلمبند کرلیتے، آہستہ آہستہ ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا، لیکن نہ جانے یہ علمی مسودہ کہاں چلا گیا، یہ علمی خسارہ علمی ادارہ میں ہوا۔ آپ اپنی تفسیر سے شغف کی بنیاد پر شعبۂ مطالعہ علوم قرآنی کے ذمہ دار بھی بنائے گئے، جس میں فاضل طلبہ داخل کئے جاتے اور آپ کی ماتحتی میں فن تفسیر کا ذوق پیدا کرتے، مولانا اپنے زمانۂ طالب علمی میں تفسیر سے اپنی شغف کا حال بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"میں جب جلالین پڑھ رہا تھا تو اس کے ساتھ تفسیر معالم التنزیل بالاستیعاب پڑھتا تھا اور ہر آیت کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا"

مولانا کے اسی شغف نے فن تفسیر کا وہ کام کروایا جو بعد میں چل کر "درس قرآن" کے نام سے شائع ہوا، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک رواں دواں تفسیر بن گئی، علمی حلقوں میں اس کی بڑی پذیرائی ہے، آپ کی اس تفسیر میں قدیم و جدید عربی اور اردو تفاسیر سے اخذ واستفادہ کیا گیا ہے، اور طرز یہ اپنائی گئی ہے کہ سب سے پہلے آیت قرآنی بعدہ اس کے نیچے تحت اللفظ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ اور اس کے بعد حضرت حجۃ الاسلام کا بامحاورہ ترجمہ، پھر آپ کی آسان تفسیری عبارت، جو یہ بتاتی ہے کہ یہ بہت بڑے نکتہ رس مفسر کی کتاب ہے۔

بحیثیت فقیہ

آپ موقع شناش،رمز آشنا،جدید و قدیم اصطلاحات سے واقف فقیہ تھے،آپ کے اندر ایک فقیہ کی تمام تر صفات وخوبیاں موجود تھیں،حضرت مولانافضیل الر حمن ہلال عثمانی آپ کی فقاہت کی ایک داستان سناتے ہیں۔

”میرے یہاں مالیر کوٹلہ میں میرے ایک فتویٰ پر بڑا تنازع کھڑا ہوگیا تھا،طلاق کا معاملہ تھاشوہر نے یہاں کی زبان میں اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ ”میں چھڈی“مطلب یہ کہ میں نے تمہیں چھوڑدیا،میرا خیال یہ تھا کہ ”چھوڑ دیا“کنایہ ہے اس سے طلاق بائن واقع ہوگئی،معاملہ دیوبند پہنچ گیا،اس وقت آپ کے ساتھ مفتی احمد علی سعیدصاحب بھی دارالافتاء میں ہوتے تھے،ان کا اصرار تھاکہ چھڈی یا چھوڑدی صریح طلاق ہے،مگر آپ نے اپنی فقہی بصیرت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیاکہ یہ طلاق بائن ہے۔

آپ کو ادلۂ اربعہ کے ساتھ عرف سے مکمل واقفیت حاصل تھی،آپ جدید مسائل کو قدیم شرعی ترازو سے تول کر مکمل دلائل کی روشنی میں باہر نکالتے تھے،اس سلسلے میں آپ کے فتاویٰ واضح ثبوت ہیں۔

بحیثیت خطیب

آپ ایک بہترین خطیب بھی تھے،جن لوگوں نے آپ کی

تقاریر سنی ہیں ان کو یہ اندازہ ہو گا کہ ان کی تقریر میں دردمندانہ نصیحت بھی ہوتی تھی اور جوش و ولولہ بھی،خاص کر جب طلبہ کو نصیحت کرتے تو ان کے سامنے اپنادل کھول کر رکھ دیتے تھے۔

آپ چھوٹے چھوٹے عام فہم مفردات و مرکبات کے ڈھلے ہوئے ایسے جملے بولتے جو بڑے بڑے مقرروں کے جملوں میں نہیں پایاجاتا،نہ آپ لفظوں سے شوخی کرتے جو سامعین کیلئے باعث تکان ہو،نہ جملوں کو دراز اور پر پیچ بناتے،جو سامعین کیلئے ہمت شکن ہو،بالکل سادہ لوحی،اخلاص وصدق اور دل کی گہرائی وگیرائی کے ساتھ نہایت آسانی کے ساتھ سامعین کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ جاتے،اور یہی سادگی عوام و خواص پر گہرا اثر چھوڑتی تھی۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جامعہ ربانی منورواشریف کی نئ عمارت کے افتتاح کے موقعہ پر آپ کی شرکت ہوئی تھی، آپ کے چاہنے والے پروانوں کا بے قابو بھیڑ،اس کو پار کرکے بمشکل اسٹیج تک آپ کو پہونچایا گیا،تقریباً رات کے گیارہ یا بارہ بج رہے تھے،مولانا نے اپنی زبان سے یہ کہا کہ اب میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں،ورنہ تو جوانی کے زمانہ میں خطابت کا شہنشاہ تھا، مولانا نے اپنے متعلق بجا فرمایاتھا،اس وقت اپنی کم علمی وکم ظرفی کے باعث ہنسی آئی تھی،لیکن آج جب آپ کے حالات زندگی پڑھنے کا موقع ملاتو احساس ہواکہ واقعی مولانا

خطابت کے شہنشاہ تھے۔

بحیثیت مربی

آپ طلبہ کیلئے مشفق و مربی استاذ تھے،بالکل باپ کی طرح،آپ کی پدرانہ اپنائیت، مربیانہ برتاؤ،اور بزرگانہ شفقت طلبہ کو آپ سے زیادہ قریب ہونے پر آمادہ کرتی۔

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی فرماتے ہیں کہ”

آپ ہمارے استاذ ہیں اور آپ سے زیادہ تعلق کی وجہ یہ ہے کہ میں بغرض استفادہ آپ کے پاس کسی بھی وقت کسی بھی حال میں ان کے پاس جاتا تو آپ خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہتے،اور اس طرح خوش ہوتے،گویا کہ میرے ہی انتظار میں بیٹھے ہوں،اور یہ سب کے ساتھ ہوتا،اور سب کو ایساہی محسوس ہوتا،اگر پڑھتے لکھتے ہوتے تب بھی وہ میرے یا کسی کے آدھمکنے سے کبیدہ نہ ہوتے"

آپ کا مربی ہونے کی حیثیت سے ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ اپنے سے چھوٹے کی کامیابی کو یا اپنے شاگرد کی کامیابی کو اپنی کامیابی تصور کرتے تھے،اور یہ آپ کے مخلص مربی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے،جب کہ بہت سے بڑے لوگ ایسے ہیں جو اپنے چھوٹوں کو آگے جاتے دیکھ کر رنجیدہ ہوتے ہیں،کیونکہ وہ ان کو اپنی تنزلی کا سبب سمجھتے ہیں،آپ کا تعلق اپنے

چھوٹوں سے ایسا تھا جیسا کہ ایک شفیق باپ کا بیٹے سے،اور ایک حلیم و کریم اور تجربہ کا ر،خلوص شعار،شیخ کا سچی طلب رکھنے والے مرید سے۔

بحیثیت مصنف

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلمی ذوق عطا فرمایاتھا،اس لئے آپ مایہ ناز مصنف بھی تھے،علم صرف دماغ میں ہو اور صفحہ قرطاس پہ منتقل نہ ہو تو اس کی عمر بہت کم ہو تی ہے،اس مے کی کیا قیمت جو رگ نازک کے خلوت میں تو موجود ہو اور جام ومینا کی جلوت تک نہ پہنچ سکے۔

کامیاب تحریر کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ادب کے روشن لباس میں سامنے آئے،ورنہ وہ تحریر قبول عام اور خلعت دوام حاصل نہ کرسکے گی،یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء کی کتابیں علم کے وزن اور معانی کے عمق کے باوجود زیادہ قبول نہ ہوسکیں وہ طاق میں رکھی رہیں،پھر طاق نسیان کا گلدستہ بن گئیں کیونکہ وہ ادب وانشاء کی چاشنی سے محروم تھیں یہ کمی آپ کی تصانیف میں نہیں ملتی ہے۔

آپ خود اپنی کتاب ”زندگی کا علمی سفر“میں لکھتے ہیں کہ”میں نے لکھنے میں کبھی کسی تکلف کو راہ نما نہیں بنایا،بس بلاارادہ بلا تکلف بے غیر کسی آورد کے اپنے آپ کو لکھنے کا عادی بنایا“ غالباً اسی وجہ سے آپ کی تحریر میں طوالت نہ تکرار،الفاظ کا الجھاؤ اور نہ جملوں کاترادف،اور نہ الفاظ و تعبیرات کا

اسراف بیجا، آپ کی طبیعت کی نرمی وگدازی اور سادگی اور خوش اخلاقی کا اثر آپ کی طرز تحریر پر بھی ہے۔

آپ نے سب سے پہلی کتاب قیام سانحہ ضلع بیگو سرائے کے زمانہ میں ”اسلام کانظام مساجد“ لکھی اور اس کے فوراً ہی بعد دوسری کتاب ”اسلام کا نظام عفت و عصمت“ منصہ شہود پر آئی،ان دونوں کتابوں نے آپ کو علمی دنیا میں معروف ومشہور کردیا،اسی کتاب کی وجہ سے کہ آپ کو دارالعلوم دیوبند میں قائم شدہ شعبۂ نشرو اشاعت میں رد مودودیت کیلئے بلایا گیا،اور آپ کی ذمہ داری یہ تھی کہ آپ جماعت اسلامی کے خلاف اپنے قلم کی جولانی دیکھائیں،اس شعبہ سے آپ کی سب سے پہلی کتاب ”جماعت اسلامی کے دینی رجحانات“شائع ہوئی،آپ کی عظیم تحریری وتصنیفی صلاحیت کا مظاہرہ مضامین کی شکل میں مجلہ ”البرہان“ماہنامہ ”دارالعلوم“ اور الفرقان میں بھی دیکھنے کو ملتا تھا۔

آپ زود قلم اور خوش رقم تھے،حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں کہ ”آپ سفر کی حالت میں ہوتے،کسی پلیٹ فارم پہ رکنا پڑتا،ٹرین آنے میں دیر ہوتی تو بیگ سے کاغذ اور جیب سے قلم نکالتے اور لکھنے میں مشغول ہوجاتے،اپنی جائے اقامت میں مزید برآں لکھنے پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے،اللہ نے آپ کے وقت اور قلم میں برکت دی تھی،آپ

سفر وحضر دونوں میں لکھنے پڑھنے کا کام انجام دیتے تھے،آپ نے تقریباًساٹھ کتابیں تصنیف کی اور ہر کتاب اپنے مضامین میں انفرادی مقام رکھتی ہے،اور یہی انفرادیت قبولیت کی وجہ بنی ہے۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلہم * اذاجمعتنا یا جریر المجامع

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

مولانا کمال اختر قاسمی صلحاوی
(ادارہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ)

مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں عربی کے سال اول میں میرا داخلہ ہو گیا تھا،عربی چہارم تک مفتی صاحبؒ سے میرا کوئی خاص تعلق نہیں تھا،طفولیت کا زمانہ کہیے، شخصیت شناسی کا میرا دور تک واسطہ نہیں تھا،بس اتنا سمجھتا تھا کہ ایک انتہائی بزرگ صفات کے مفتی صاحب ہیں،انجمن تہذیب الافکار کے افتتاحی یا اختتامی اجلاس یا کبھی مسجد قدیم کے بالائی حصہ میں زیارت ومصافحہ کا شرف ہو جایا کرتا تھا۔

عربی پنجم کے سال میں تعریف وتعارف کا ذوق ابھرا،تہذیب الافکار کے تعلق سے مفتی صاحب کے پاس جانا شروع ہوا،پہلی ملاقات میں آپ کی شخصیت کے مختلف مظاہر دیکھنے کو ملے،آپ کی گفتگو اور بات چیت سے چنداں بڑا پن نظر نہیں آرہا تھا،ہم لوگوں کو کیا عام لوگوں کے لئے بھی ان سے ملنے میں کوئی حجاب نہیں تھا،اپنے مشفق برادر محترم جناب اختر امام عادل قاسمی صاحب کی معیت میں حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس تعارفی ملاقات کے لئے گیا،اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ سے قربت وتعلق میں اور اضافہ ہو

گیا،دن میں دومرتبہ ضرور حاضر ہوجایا کرتا تھا،آپ کو اخبار کی کچھ سرخیاں اور بعض اہم تفصیلی خبریں پڑھ کر سناتا،ایک عرصہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا،بالآخر حضرت مفتی صاحب شدت ضعف کی وجہ سے دارالعلوم سے رسمی تعلق ختم کرکے اپنے وطن لوٹ آئے۔

۱۳۴۴ھ مطابق۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے ایک مردم خیز اور علمی سر سبزی رکھنے والے صوبۂ بہار میں چرخ نادرۂ کار نے وہ گوہر افشانی کی جس سے ایک عالم نے سیرابی حاصل کی اوراپنی علمی تشنگی کو اس شراب طہور سے بجھایا، یہ ذات حضرت استاذالاساتذہ نامور مصنف،فقیہ عصراور متبحر عالم دین مفتی ظفیرالدین مفتاحی کی تھی۔

آپ کے کام کا اصل میدان تصنیف وتالیف رہا اسی نے آپ کوبلندی کے بام عروج تک پہونچادیا،آپ ہوش سنبھالنے کے بعد مسلسل لکھتے رہے،اسلام کا نظام مساجد،اسلام کانظام عفت وعصمت،اسلام کانظام امن، جیسی کتابیں تصنیف کرنا جبکہ اس وقت اسطرح کی کتابیں تو درکنار ضروری مصادر ومراجع کا فراہم ہونا بھی آسان نہ تھااور ایک ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے دور دراز کا سفر کرنا پڑتا تھا،انتھک کوشش کرنا پڑتی تھی،مصنف کو مواد اکٹھا کرنے کیلئے خود ہی محنت کرنی پڑتی تھی اور حوالوں کی تلاش میں بڑا وقت لگانا پڑتا تھا،ایسے پر مشقت دور میں آپ نے ایسی ایسی محقق کتابیں تصنیف کیں کہ

لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔

یہاں تک کہ اسلام کا نظام مساجد پڑھنے کے بعد علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کہہ اٹھے کہ: مساجد کے متعلق اتنی جامعیت کے ساتھ تمام پہلوؤں پر اتنی حاوی کتاب نہ صرف اردو بلکہ عربی اور فارسی میں بھی میری نظر سے نہیں گزری"

تصنیف وتالیف کے عمل کو انہوں نے زندگی کی ضرورت بنا لیا تھا اور کسی نہ کسی موضوع پر خامہ فرسائی کرناان کا خاص امتیاز تھا،اسی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے خاموشی سے درجنوں کتابیں تصنیف کر ڈالیں، آپ کی سب سے اہم تصنیف حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمن صاحب عثمانی دیوبندیؒ کے فتاوی بارہ جلدوں میں ترتیب ہے۔

اخلاق وکمالات

مولانا نہایت سادہ نفس لیکن حد سے زیادہ پروقار تھے،متواضع اور مسکنت مزاج شخص تھے،آپ کی وضع قطع ہر طرح کے تکلف وتصنع سے پاک گویاکہ آپ اس شعر کے مصداق تھے،۔

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی : قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

آپ کی باتیں انتہائی سادہ اور رہن سہن اتنا معمولی تھا کہ ملنے والوں کو احساس تک نہ ہوتا کہ وہ اتنے بڑے مصنف اور نامور عالم دین سے ملاقات کر رہے ہیں، گہرائی کے باوجود آپ کی گفتگو یا رہن سہن سے کبھی رعب وداب، بڑائی وخود پسندی اور طنطنہ کا احساس نہ ہوتا، میزبانی کا بڑااہتمام فرماتے، چھوٹے سے چھوٹاکام کرنے پر بھی اس قدر دعاؤں سے نوازتے کہ وہ باغ باغ ہوجاتا، طلبہ کے ساتھ ہمیشہ گھلے ملے رہتے اور کبھی کسی طالب علم کو آپ سے رابطہ کرنے میں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا، آپ بچوں کو تربیت دینے میں ماہر تھے، علمی صلاحیتیں ایسی تھی کہ چاہتے تو بڑے طمطراق سے اور اپنی حیثیت منواکر رہتے، مگر جملہ دینی واخلاقی صفات کے باوجود آپ کی سادہ اور بے تکلف زندگی لوگوں کیلئے حجاب بنی رہی، اور آپ وہاں وہ مقام حاصل نہ کرسکے جو آپ کا حق تھا، اتنی تصنیفات کے باوجود آپ نے کبھی نام ونموداور شہرت وناموری کی آرزو نہیں کی،، مولانا کیلئے یہ بات کافی تھی کہ ان کی کتاب سے امت کو فائدہ پہونچ رہاہے، یہ اخلاص جو آج عنقاء ہوچکا ہے چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔یہی وہ اخلاص ہے جس نے بڑے بڑے لوگوں کوحتیٰ کہ اساتذہ کوان کا احترام کرنے پر مجبور کردیا، اس درمیان تصنیف وتالیف کی بے پناہ مشغولیتوں کے باوجود سبق کی پابندی فرمائی بغیر شدید عذر کے کبھی ناغہ نہیں کیا۔

باجود یہ کہ آپ ماہر ومربی استاذ تھے،درس وتدریس میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا،پھر بھی مادر علمی میں تدریس کا موقع فراہم نہیں کیا جاسکا،...... یہ سوال کئی لوگوں کو حیران کرتا ہے۔

آفتاب علم وعمل جس کی چکا چوند روشنی سے صحراء ودریا روشن تھے اور جسکی علمی تابناکی کے آگے خورشید اور مہ وانجم سرافگندہ تھے ۱۵/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ ۳۱/ مارچ ۲۰۱۱ء ۸۵ سال کی عمر میں غروب ہوگیااور اپنے علم وتقویٰ،تواضع ووسعت نظراور بلندئ فکر کی ایسی مثال قائم کی جو بعد والوں کیلئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

آئینۂ حیات

(فقیہ کبیر حضرت مفتی محمد ظفیرالدین صاحب مفتاحیؒ)

مولانا مفتی محمد فخر عالم نعمانی

خادم التدریس والافتاء جامعہ ربانی منوروا شریف

نام:۔ محمد ظفیرالدین

والد کا نام:۔ محمد شمس الدین

تاریخ پیدائش:۔ ۲۱/ شعبان المعظم ۱۳۴۴ھ مطابق ۷/مارچ ۱۹۲۶ء

وطن:۔ پورہ نوڈیہا دربھنگہ بہار (پورہ نوڈیہا دربھنگہ شہر سے پانچ کیلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے)

ابتدائی تعلیم:۔ اردو، قرآن شریف، گاؤں کے مکتب میں اور پھر مدرسہ محمودیہ راج پور نیپال۔

ثانوی تعلیم:۔ فارسی ومتوسط عربی، مدرسہ وارث العلوم چھپرہ (بہار)

تکمیل تعلیم:۔ جامعہ مفتاح العلوم مئو (یوپی) از ۹/ شوال ۱۳۵۹ھ تا شعبان

سنہ ۱۳۶۳ھ۔

مشہور اساتذہ:۔حضرت مولانا عبدا لرحمن صاحبؒ امیر شریعت خامس بہار اڑیسہ، محدث جلیل امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی ؒ،حضرت مولانا حلیم عطاشاہؒ، حضرت مولانا محمد ناظم ندویؒ، حضرت مولانا حمیدالدین صاحب ؒ، حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلویؒ اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے بھی استفادہ کیا۔

تدریس:۔جامعہ مفتاح العلوم مئو، معدن العلوم نگرام لکھنؤ، دارالعلوم معینیہ سانحہ (بیگو سرائے)، دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔

مخصوص تلامذہ:۔مولانا محمدولی رحمانی صاحب، مولانا محفوظ الرحمن صاحب شاہین جمالی، مولانا سعیدالرحمن اعظمی، مولانامحمد رضوان القاسمی دربھنگوی ثم حیدرآبادی، مولانا ابراہیم گجراتی، مولانا سمیع اللہ گونڈوی، مولانا ریاست علی شیر کوٹی، مولانا عبداللہ شکیل گیاوی اور مفتی اختر امام عادل صاحب قاسمی سمستی پوری وغیرہ۔

اصلاحی تعلق:۔علامہ سید سلیمان ندوی ؒ،امیر شریعت خامس حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ۔

بیعت وارشاد کی تعلیم واجازت:۔شیخ الاسلام حضرت مولاناسید حسین احمد مدنی

ؒ،ان کے وصال کے بعد حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب ؒ،حضرت مولانا فضل اللہ رحمانی ؒحفید حضرت مولانا محمد علی مونگیری ؒ۔

عہدے اور ذمہ داریاں:۔ صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا،رکن رکین آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ،معزز رکن شوریٰ امارت شرعیہ بہاروغیرہ۔

تصنیفات وتالیفات:۔نظام مساجد،نظام عفت وعصمت،نظام امن، نظام تربیت،نظام تعمیر سیرت،جماعت اسلامی کے دینی رجحانات،جرم وسزا کتاب وسنت کی روشنی میں،نظام حیات،مشاہیر علمائے دیوبند،دارالعلوم دیوبند کا قیام اور پس منظر،فتاویٰ دارالعلوم مدلل مکمل بارہ جلدیں،تعارف مخطوطات ،کتب خانۂ دارالعلوم دیوبند دوجلد،دارالعلوم ایک عظیم مکتب فکر،مسائل حج،درس قرآن،حضرت نانوتویؒ ایک مثالی شخصیت،تذکرۂ مولاناعبداللطیف نعمانیؒ،تذکرۂ مولانا عبدالرشید رانی ساگری،امارت شرعیہ کتاب وسنت کی روشنی میں،حکیم الاسلام اور ان کی مجالس،تفسیر حل القرآن پر عنوانات کا اضافہ،ہندوستان میں نظام تعلیم وتربیت پر عنوانات کا اضافہ،اسلامی حکومت کے نقش ونگار،ترجمہ درمختار از ابتداء تاختم کتاب الطلاق،زندگی کا علمی سفر،حیات گیلانی ؒاور علمی مراسلے وغیرہ۔

حلیہ:۔دہرا بدن،اوسط قد وقامت ،کھلاہوارنگ،کشادہ پیشانی،سفیداور ہلکی ڈاڑھی،بڑھاپے کی غماز آنکھیں۔

لباس:۔دوپلی ٹوپی،سفید کرتا ،نصف پنڈلی تک اور اس کے کچھ نیچے تک پائجامہ، کبھی کبھی شروانی،ہاتھ میں عصائے پیری۔

اخلاقی و صفاتی حلیہ:۔ نظر مؤمنانہ،دل عارفانہ،زبان وقلم عالمانہ،انداز دلبرانہ،فکر ناصحانہ،مزاج داعیانہ،درس فقیہانہ،خطاب مصلحانہ،خلق کریمانہ،کردار حکیمانہ،ظاہر فقیرانہ،ہمت غازیانہ،زندگی مجاہدانہ،موت عاشقانہ۔

وفات:۔۳۱/مارچ ۲۰۱۱ءمطابق ۲۵/ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ بروز جمعرات۔

منظومات

جناب مولانا **احمد سجاد ساجدؔ القاسمی** صاحب (دربھنگہ)

خلف اکبر حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ

یاد مشک بو تیری

زباں پہ نام ترا، دل میں آرزو تیری
ہمیشہ آنکھوں کو رہتی ہے جستجو تیری

وہ عطر بیز، سکوں بخش اور جاں افروز
دلوں میں نقش ابھی تک ہے گفتگو تیری

اے جلوہ گاہ دل و دیدہ! اس شبستاں میں
ہر ایک سمت پریشاں ہے اب بھی بو تیری

اے ناز گلبن و گلشن چمن میں پھیلی ہے
نسیم و نکہت جاں بخش چار سو تیری

اے جان میکدہ، اے آفتاب خلق حسیں
تمام رندوں میں ضرب المثل ہے خو تیری

ترے جمال کی پاکیزگی ہے پیش نظر
ثنا و مدح بھی لکھتا ہوں با وضو تیری

نہ جانے کیوں مجھے اکثر جگاتی شب میں
صدائے شیریں جو لگتی ہے ہو بہو تیری

خدائے پاک بہ فیض نشاط بادہ کشاں
بروز حشر بچالے گا آبرو تیری

سرور ساجدؔ سادہ مزاج کا باعث
ہے ذکر خیر ترا یاد مشک بو تیری

قطعات

جناب مولانا **احمد سجاد ساجد آلقاسمی** صاحب (دربھنگہ)

مسرت دل میں آنکھوں میں چمک ہے
ابھی کچھ کام کرنے کی للک ہے
مری فکر و نظر شعر و سخن میں
مرے والد کی یادوں کی مہک ہے

وہ جن کا نام مشہور زمن ہے
مری تعلیم میں ان کا جتن ہے
زہے ابا کی آہ صبح گاہی
نگاہوں میں سرور علم وفن ہے

یہ والد نے کہا فکر و نظر سے
تمہارے علم کا فیضان برسے
نہ یہ کہ نظریہ قائم کرو تم

مرے کہنے سے یا لوگوں کے ڈر سے

مرے ابا کو تھی سب سے محبت

مزاجاً نرم حق گوئی کی جرأت

شعور و عقل و دانش کے تھے پیکر

مگر بس سادگی تھی ان کی زینت

عظیم المرتبت ، سب کے بہی خواہ

وہ صاحب دل، قلم کے تھے شہنشاہ

بوقت مرگ والد باصفا کی

زباں پر جاری تھا بس قل ھو اللہ

اہتمام مجلس آرائی گئی

قدر شعر و فکر و دانائی گئی

تجھ سے طاقت تھی، ترے جانے کے بعد

زیست کی ساری توانائی گئی

اے مفسر ،اے فقیہ بے بدل
انکساری تیری تھی ضرب المثل
کام آنا اوروں کے تھا تیرا کام
مشعل راہ ہدیٰ تیرا عمل

وہ گئے چہرے کی تابانی گئی
بزم کی رونق گل افشانی گئی
پہلے خوشیاں تھیں میسر اب کہاں
قدر نعمت آج پہچانی گئی

اے فقیہ بے بدل روشن صفات
تھی منور علم دیں سے تیری ذات
تیری ہر تحریر تیرا ہر عمل
سب کے سب ہیں باقیات الصالحات